چراغ راہ
مولانا محمد رضوان القاسمی
دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

چراغِ راہ

زندگی کے تقریباً ہر شعبہ سے متعلق مختصر مفید اور اثرانگیز
مضامین، زبان سادہ، عام فہم اور دل نشیں۔ اپنی حیثیت
اور افادیت کے اعتبار سے گویا "چراغ راہ"

مولانا محمد رضوان القاسمی

دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

نام کتاب : .... چراغ راہ

نام مؤلف : .... مولانا محمد رضوان القاسمی

کتابت : .... محمد عرفان عالم، محمد اختر حسین

سرورق : .... محمد اختر حسین

طبع اول : .... اکتوبر ۱۹۹۶ء

تعداد : .... ایک ہزار

قیمت :

ناشر :

دار العلوم سبیل السلام۔ حیدرآباد (الہند)

DARUL ULOOM SABEELUSSSALAM
Sabeel Nagar Balapur. (Behind salalah Barkas), Hyderabad - 500 005., A.P. INDIA.
Ph : 239450 Fax : 0091 - 40 - 203668

ملنے کے پتے :

دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد۔ PH : 239450

حسامی بک ڈپو۔ مچھلی کمان۔ حیدرآباد۔ PH : 522385

ہندوستان پیپر ایمپوریم۔ مچھلی کمان۔ حیدرآباد۔ PH : 523011

قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، وبیح بلڈنگ حضرت نظام الدین ویسٹ نئی دہلی۔
PH : 4617240

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الله
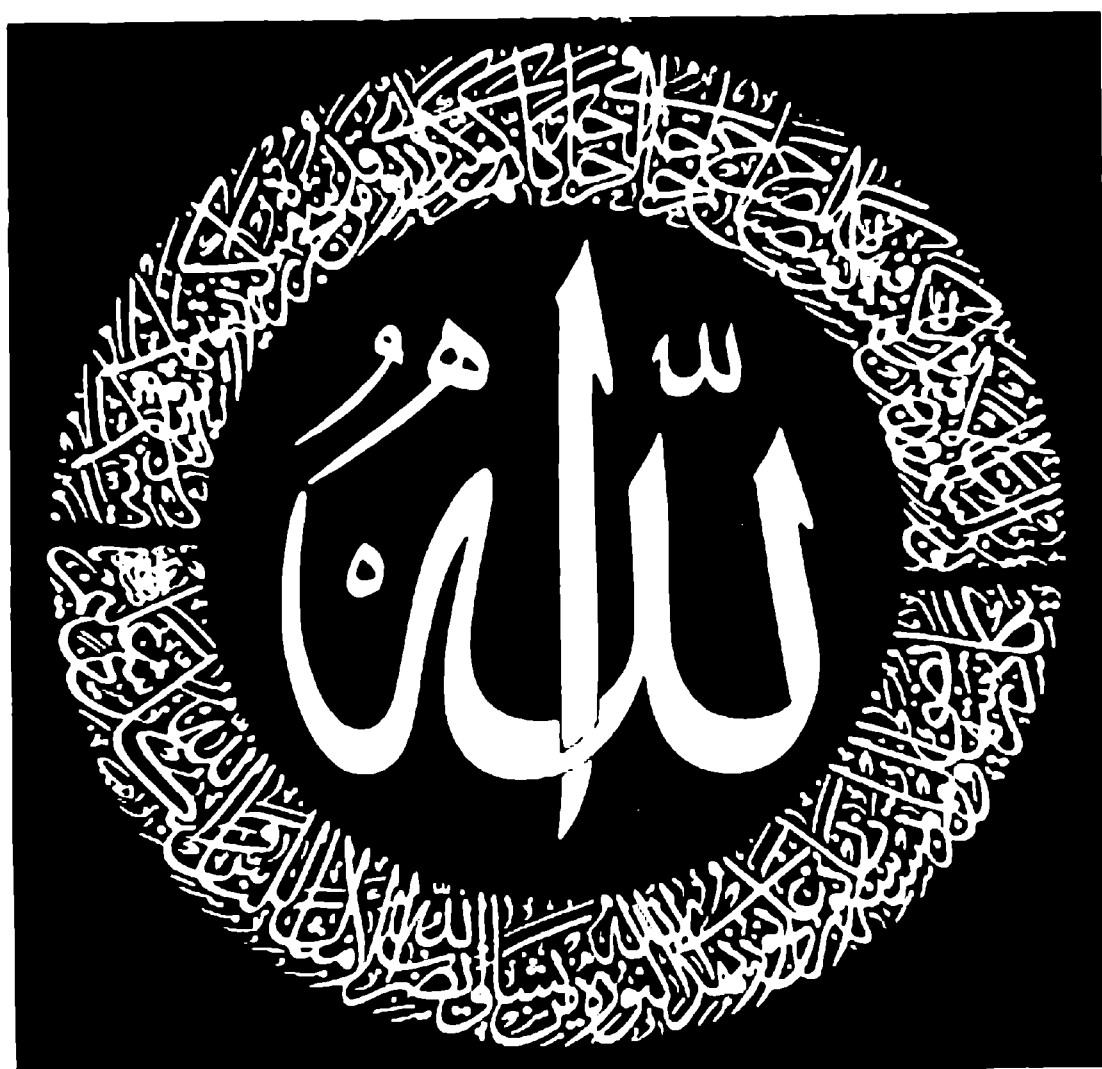
اللہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح المصباح فی الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبٰرکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتہا یضیٓء ولو لم تمسسہ نار نور علی نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء (النور:۳۵)

اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور (ہدایت) کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک طاق ہے، اس میں ایک چراغ ہے، چراغ قندیل میں ہے، قندیل گویا ایک چمکدار ستارہ ہے، چراغ روشن کیا جاتا ہے، ایک نہایت مفید درخت (یعنی) زیتون سے جو نہ پورب رخ ہے اور نہ پچھم رخ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا اگرچہ آگ اسے نہ بھی چھوئے، نور ہی نور ہے، اللہ اپنے اسی نور تک جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اللھم اجعل فی قلبی نورًا و فی سمعی نورًا و فی بصری نورًا
وعن یمینی نورًا وعن یساری نورًا وفوقی نورًا و تحتی نورًا وامامی
نورًا و خلفی نورًا واجعلنی نورًا۔ (بخاری ۲/۹۳۵۔ کتاب الدعوات)

اے اللہ! میرے دل، میرے کان، میری آنکھ، میری دائیں جانب، میری
بائیں جانب، میرے اوپر، میرے نیچے، میرے آگے، میرے پیچھے اور خود میرے
اندر نور عطا فرما۔

جسے ہوائے زمانہ کبھی بجھا نہ سکے
قدم قدم پہ وہ اک شمعِ راہ پیدا کر

(جگر مراد آبادی)

فہرست عنوانات "چراغ راہ"

تعلیم و تربیت

۶ خدمتِ خلق اور پیامِ انسانیت : ۱۴۳

۷ دعوت وتذکیر : ۱۵۳

ابتدائیہ

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیاتِ طیبہ "کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ این جا است" کا مصداق ہے، لیکن ہجرت آپ کی زندگی کا وہ مبارک واقعہ ہے جو نہ صرف مسلمانوں کی ایثار و قربانی اور جاں نثاری و فداکاری کا اوج کمال ہے بلکہ یہ اسلام کے غلبہ و ظہور کا نقطۂ آغاز بھی ہے، اسی بنا پر حضرات صحابۂ کرام نے اسلامی کیلنڈر کے لئے اسی واقعہ کو بنیاد و اساس بنایا اور یہ کیلنڈر ہجری تقویم سے موسوم ہوا، اہل علم حضرات نے لکھا ہے کہ مسلم معاشرہ میں ہجری تقویم کے رواج کو باقی رکھنا فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے کہ اس سے متعدد عبادتیں متعلق ہیں، مگر افسوس کہ مغربی تہذیب کے سیلِ رواں اور مسلمانوں کی مرعوبیت اور اس طوفان کے مقابلہ سپر اندازی نے نوبت یہاں تک پہونچا دی ہے کہ آج بہت سارے مسلمان نوجوان ہجری مہینوں کے نام سے بھی واقف نہیں، اور یہ جاننے والے تو اور بھی کم ہیں کہ اس اسلامی تقویم کی بنیاد کیا ہے؟ یہ کیوں کر وجود پذیر ہوئی اور واقعہ ہجرت ہی سے اس کیلنڈر کی ابتدا کرنے میں کیا حکمت اور پیغام ہے؟ اس ناآگہی اور بے التفاتی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جتنے کیلنڈر، جنتریاں اور ڈائریاں چھپتی ہیں، وہ سبھی مسیحی تقویم کا لحاظ کرتے ہوئے۔

مؤلف کتاب حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب نے اسی صورتِ حال کے پیش نظر دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد کے قیام کے بعد اسی سال ایک ایسا کیلنڈر نکالنا طے کیا جو ہجری تقویم کی ترتیب پر مبنی ہو، پھر اس خوش سلیقگی کے ساتھ کیلنڈر ترتیب دیا جو انہی کے اخاذ ذہن کا حصہ ہے۔ ہر صفحہ کی پیشانی پر وسط میں "دارالعلوم سبیل السلام کیلنڈر" اور سنہ، دائیں طرف

قرآن مجید کی کوئی آیت اور اس کا ترجمہ، بائیں طرف اسی مضمون کی کوئی مختصر حدیث اور اس کا سلیس ترجمہ، اس کے بعد ہر صفحہ کے نصف حصہ میں اصل تقویم، جو ہجری و مسیحی تاریخوں کے ساتھ ساتھ اوقاتِ نماز کی بھی حامل ہوتی، یادداشت کے خانہ میں معروف محدثین و مفسرین، فقہاء و داعیانِ دین، ادباء، اہلِ قلم اور شعراء و اصحاب سخن، مشائخ حقانی اور علماء ربانی کی ولادت و وفات کا تذکرہ، بائیں طرف کے نصف حصہ میں بھی اوپر ایک اور نیچے ایک مختصر اور کبھی مکمل صفحہ میں ایک کسی قدر طویل مضمون، یہ مضامین بھی آیات اور احادیث کی مناسبت سے ہوتے، پھر صفحہ کے اخیر میں ایک پٹی ہوتی جس میں اردو زبان کا کوئی معنی خیز اور دل کو چھو لینے والا شعر ہوتا، اور اشعار کے انتخاب میں بھی مضمون اور آیت و حدیث کی مناسبت ملحوظ رکھی جاتی، پھر ان سب میں، ہجری تقویم کے مہینہ کی مناسبت بھی رکھی جاتی، رمضان المبارک ہو تو اس سے متعلق، شعبان ہو تو اس کی رعایت، ذوالحجہ ہو تو حج و عمرہ کا تذکرہ، محرم ہو تو اس کے مناسب ربیع الاوّل میں سیرت محمدی کا کوئی حصہ اور شوال میں دینی تعلیم و دینی مدارس کی اہمیت کی طرف توجہ دہانی، پھر کیلنڈر کا سرورق نہایت خوبصورت خطاطی اور خوش مذاقی کا آئینہ دار ہوتا، قرآن کی کوئی آیت اور اکثر اقبال کا کوئی شعر سرورق پر موجود ہوتا، اور وہ بھی سال و ماہ اور روز و شب کی مناسبت ہی سے، غرض ظاہر بیں نگاہوں کے لئے کیلنڈر کا ایک صفحہ ہوتا، لیکن غواصی کرنے والوں کو اس میں کتنی ہی مناسبتیں پہلو بہ پہلو نظر آتیں۔

یہ کیلنڈر جو ۱۳۹۳ھ سے نکل رہا ہے، دکن میں شہر شہر گاؤں گاؤں دیکھا جاسکتا ہے، اس کا زیادہ تجربہ سفر کے دوران ہوتا ہے، دور دراز دیہات و قریہ جات میں بھی پہونچ جائیں تو وہاں کی خستہ حال چھوٹی سی مسجد میں یہ کیلنڈر ضرور نظر آئے گا، اس کیلنڈر کی بعض خصوصی اشاعتیں بھی نکالی گئیں، ان میں دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے موقع سے "اجلاس صد سالہ کیلنڈر" اور دارالعلوم سبیل السلام میں منعقدہ چوتھے فقہی سمینار کی مناسبت سے "چوتھا فقہی سمینار کیلنڈر" خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے جس میں ایک پوری تاریخ آگئی ہے، صد سالہ کیلنڈر (دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن کے موقع پر ۱۴۰۰ھ میں)

تو کتابی شکل میں پاکستان سے بھی طبع ہوا اور اس نے قبول خاص و عام حاصل کیا۔

اس کیلنڈر کی مقبولیت کا اصل راز اس کے مضامین ہیں، یہ مضامین مختصر مگر مؤثر اور عبرت خیز بھی ہیں۔ اور متنوع بھی، کبھی کسی آیت کی تشریح، کبھی کسی حدیث کی وضاحت، کبھی صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کوئی اثر انگیز واقعہ، کبھی علماء، ائمہ اور صالحین کا کوئی عبرت خیز قصہ، کبھی ضروری فقہی مسائل و احکام، کبھی بزرگوں کی تحریروں اور ملفوظات سے کوئی اقتباس، عرصہ سے اہل ذوق اور دارالعلوم سبیل السلام کے بہی خواہوں کا تقاضا تھا کہ ان مضامین کا مجموعہ کتابی شکل میں طبع کرایا جائے کہ اس کا نفع دائمی اور مستقل ہو سکے۔

پیشِ نظر مجموعہ اسی خواہش کی تکمیل و تعمیل ہے، سہل نویسی اور اس کے ساتھ شگفتگی و دل آویزی کو برقرار رکھنا مولانا کا خاص رنگ ہے اور ایسی باتوں کا انتخاب جس کے آئینہ میں ہر شخص اپنی صورت دیکھ سکے، آپ کا خاص مزاج و مذاق ہے ــــــــ اس لئے امید ہے کہ اس مجموعہ سے عوام وخواص اور ہر طبقہ کے لوگ نفع اٹھائیں گے۔ اس کے علاوہ آپ کے بیسیوں وہ مضامین ہیں جن کو آپ نے وقتاً فوقتاً روزنامہ "سیاست" حیدرآباد اور روزنامہ "نوید دکن" (جو اب مرحوم ہو چکا ہے) کے خصوصی کالم کے لئے لکھے تھے، جو علمی و ادبی دونوں اعتبار سے شہ پارہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مضامین کو بھی مجموعہ کی شکل میں شائع کیا جائے تاکہ وہ محفوظ ہو جائیں اور اہل ذوق کی ان مضامین تک رسائی ہو سکے۔

وباللہ التوفیق وھو المستعان:

خالد سیف اللہ رحمانی

صدر مدرس دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد

۱۹ , ۶ , ۱۴۱۷ھ

۲ , ۱۱ , ۱۹۹۶ء
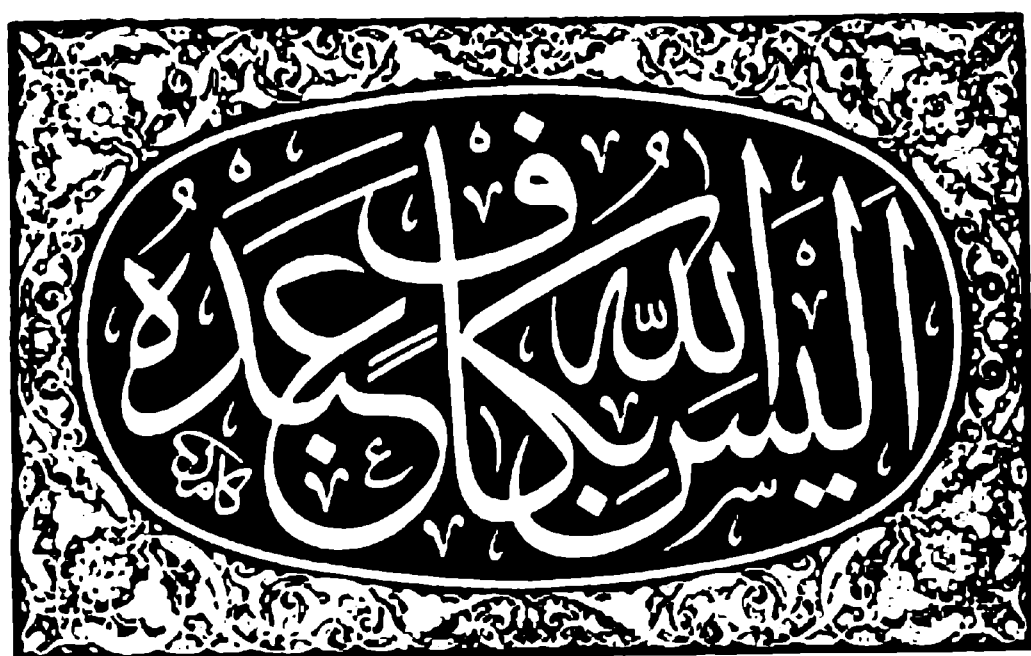
الیس اللہ بکاف عبدہ

شوال ۱۳۹۲ھ میں "دار العلوم سبیل السلام" کا قیام عمل میں آیا اور چند ماہ بعد ہی محرم ۱۳۹۳ھ میں راقم الحروف نے دار العلوم سبیل السلام کیلنڈر ترتیب دے کر طبع کرایا، حالانکہ بعض کا مشورہ تھا کہ محرم کے بجائے جنوری سے کیلنڈر کی ابتدا ہو، اس طرح کیلنڈر زیادہ مقبول ہوگا اور اس کی فروختگی بھی آسان ہوگی، لیکن میں نے شروع ہی سے ارادہ کر رکھا تھا کہ اس کو تجارتی کیلنڈر بنانے کے بجائے ایک بامقصد دینی کیلنڈر کی حیثیت سے طبع کیا جائے اور سنہ ہجری اور قمری مہینوں سے روشناس کراتے ہوئے مسلم معاشرے میں ان کو رواج دینے کی کوشش کی جائے، بحمد اللہ اُس وقت سے آج تک دو تین سال کے وقفہ کو چھوڑ کر اس کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی مدد شامل حال رہی ہے کہ بیس پچیس ہزار کی تعداد میں چھپنے کے باوجود بہت سے خواہش مندوں سے معذرت کرنی پڑتی ہے۔ اور وقت سے پہلے ہی مطالبہ کے خطوط آنے لگتے ہیں۔ فذٰلک فضل من اللہ۔

عرصہ سے احباب و مخلصین کا تقاضا تھا کہ کیلنڈر کے مضامین ایک ساتھ جمع کر دیئے جائیں چنانچہ بعض عزیزوں نے اس طرف توجہ کی، پہلے کیلنڈر تلاش کیا، پھر مضامین مختلف مرکزی عنوانات کے تحت الگ کئے، اور اس طرح یہ مجموعہ آپ کے سامنے ہے، افسوس ہے کہ دو تین سال کے کیلنڈر دستیاب نہ ہو سکے اور ان کے مضامین شریک اشاعت نہیں کئے جا سکے۔ اب یہ جیسے کچھ مضامین ہیں، قارئین کے سامنے ہیں! کچھ خوبی ہو تو اللہ قبول فرمائے، اور خامی ہو تو معاف فرمائے۔

البتہ اس موقع پر ایک وضاحت ضروری ہے ——— وہ یہ کہ کیلنڈر کے مضامین کے اس مجموعہ (چراغ راہ) میں جو تحریریں ہیں ان میں بیشتر میری لکھی ہوئی ہیں، ضرورت اور

حالات کے تحت بعض اہل قلم کی تحریروں کے اقتباسات بھی کیلنڈر میں شائع کئے جاتے تھے۔ ترتیب اور اشاعت کے وقت احباب اور مخلصین کے مشورہ کی بنیاد پر یہ اقتباسات باقی رکھے گئے ہیں، تاکہ افادی پہلو وسیع اور مضبوط ہو، البتہ کہیں "ماخوذ" اور کہیں صراحتاً نام دے کر ان اقتباسات کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

کیلنڈر کے مضامین کو جمع کرنے اور ان کو شائع کر کے اہل ذوق تک پہنچانے کے سلسلہ میں برادر عزیز مولوی محمد عبدالمنان صدیقی سبیلی (قلعہ گولکنڈہ حیدرآباد) کی کوششوں اور مشوروں کا بڑا دخل رہا ہے موصوف کو اس ہیچمداں کی تحریروں کو محفوظ رکھنے اور شائع کرنے سے بڑی دلچسپی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اس خلوص و محبت کا بھرپور بدلہ دین و دنیا میں عطا فرمائے، اور نفع کی کچھ باتیں راقم الحروف کے قلم سے نکلی ہیں تو ان سے میری ذات کو بھی اور ملت کو بھی فائدہ پہنچائے، اور قلم کو ہر طرح کی کمی اور زیغ سے محفوظ رکھ کر "صراط مستقیم" پر قائم رکھے، آمین۔

زیر نظر کتاب جب ترتیب اور کتابت کے مختلف مراحل سے گذر رہی تھی، اس وقت عزیزان گرامی مولانا احمد عبدالمجیب قاسمی ندوی، مولانا عبدالباسط ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی سبیلی اور مولانا عبدالمجید قاسمی (ان سب کا تعلق دارالعلوم سبیل السلام اور مرکز البحث والدعوۃ حیدرآباد کے مختلف شعبوں سے ہے) نے میری معاونت کی ہے، میں اپنے ان تمام عزیزوں کا شکر گذار ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں علم نافع اور عمل صالح کی دولت سے مالامال فرمائے، اور ان کی علمی اور عملی زندگی ہر قسم کی تعب اور تھکن سے ناآشنا رہے، —— جہاں تک تعلق برادر عزیز مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (صدر مدرس دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد) کا ہے، جنہوں نے اس کتاب کیلئے تعارفی سطریں تحریر فرمائی ہیں تو بلاشبہ یہ تحریر خود ان کی بلند نظری اور اونچی حیثیت کا تعارف کرا رہی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے قلم کو ہمیشہ تازہ دم اور بافیض رکھے، اور ان کی کتابوں اور تحریروں سے عوام و خواص دونوں کو فائدہ پہنچتا رہے۔

"دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو لوگوں کے لئے دینی نفع کا ذریعہ بنائے اور آخرت میں بھی یہ راقم الحروف کے لئے ذخیرہ ثابت ہو"

محمد رضوان القاسمی

(ناظم دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد)

عقائد وکلام

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ
بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ
رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ (البقرہ: ۲۸۵)

پیغمبر ایمان لائے اس پر جو ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے، اور مومنین بھی، یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیمبروں پر، ہم اس کے پیمبر میں باہم کوئی فرق بھی نہیں کرتے، اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی، ہم تیری مغفرت طلب کرتے ہیں، اے ہمارے پروردگار اور تیری ہی طرف واپسی ہے۔

بنی الاسلام علی خمس: شہادۃ اَن لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ واقام الصلاۃ وایتاء الزکاۃ والحج وصوم رمضان (متفق علیہ)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان شریف کے روزے رکھنا۔

کتنا بلند ہے یہ کلمہ

کلمہ طیبہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ ایک ایسا عظیم کلمہ ہے کہ جس کی شان وحقیقت الفاظ اور بیان کے احاطہ میں نہیں آسکتی، کتبِ احادیث میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی کہ یا اللہ مجھے کچھ ایسے کلمات سکھلائیں کہ جس کے ساتھ میں دُعا کروں اور فوراً میرا کام ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! اگر تم کو سیکھنا ہے تو یہی سیکھو لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ کہ کوئی الٰہ نہیں مگر اللہ۔ تو حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا، یا اللہ! یہ کلمہ تو میں پہلے سے کہتا ہوں اور میری امت بھی کہتی ہے اور مجھ سے پہلی امتیں بھی کہتی آئی ہیں، مجھے کوئی خاص کلمہ سکھائیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَے موسیٰؑ! تمہیں معلوم ہے کہ سات آسمان اور اس میں بسنے والی مخلوق اور سات زمینیں اور ان میں بسنے والی مخلوق کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور کلمہ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کے گناہ اتنے زیادہ ہوں گے کہ ترازو کا پلڑا بھر جائے گا، اَب اللہ تعالیٰ حکم دیں گے، فرشتو! اس کے اچھے عمل لاکر دوسرے پلڑے میں رکھو، فرشتے ایک چھوٹا سا کارڈ لا رہے ہوں گے تو وہ شخص ندامت سے پکار اٹھے گا کہ یا اللہ! اَب مزید رسوا نہ کریں، میرے گناہ بہت ہیں، آپ کی مرضی رحم کردیں، آپ تو بڑے کریم ہیں، اگر آپ سزا دیں تو آپ جیسا عادل کوئی نہیں۔ اللہ فرمائیں گے نہیں، بندے آج عدل کا دن ہے جب وہ کارڈ رکھیں گے تو تمام گناہ اس کارڈ کے مقابلے میں ہلکے... پڑ جائیں گے اور وہ خوشی سے چلا اٹھے گا، یا اللہ! یہ ایسا کونسا عمل ہے جو اتنے عظیم گناہوں پر بھاری پڑ گیا، اللہ فرمائیں گے بندے یہ کلمہ ہے کلمۂ شہادت اَنْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ، کیوں کہ تو نے میرے ساتھ شرک نہیں کیا اس لئے آج ہم نے اس کلمہ کو اتنا بھاری کر دیا۔

تقدیر اور توکّل کا صحیح مفہوم

تقدیر اللہ تعالیٰ کے عِلم اور اندازہ کا نام ہے کہ کوئی شئے اس کے علم اور اندازہ سے باہر نہیں ہے۔ اسی طرح توکّل کا اِل جدوجہد کے ساتھ اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کو کہتے ہیں۔

ان دونوں کی صحیح حقیقت نہ تو انسان کو بے عمل بناتی ہے اور نہ ہی سُستی و کاہلی پیدا کرتی ہے بلکہ ایک خاص قسم کا زاویۂ نگاہ دے کر انسان کو میدانِ کارزار میں سرگرم عمل رکھتی ہے، نیز زندگی کے بہت سے فتنے ان دونوں کے ذریعے دفع ہوتے رہتے ہیں مثلاً کامیابی و کامرانی کی صورت میں غرور نہیں پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح نفس پر اعتماد کرنے سے جتنے مفاسد پیدا ہوتے ہیں ان سب کا مکمل انسِداد ہو جاتا ہے اور بزدلی و کم ہمتی وغیرہ جراثیم سے حفاظت رہتی ہے۔

توکل اور تقدیر کے اس مفہوم کو اگر آپ اپنے ذہن میں رکھیں گے تو اس غلط مفہوم کی تردید ہو سکے گی جس کی معاشرے میں اشاعت ہوگئی ہے اور جس کی بنار پر قوائے عملی مفلوج ہو جاتے ہیں، ناعاقبت اندیشی وغیر مستعدی طبیعتِ ثانیہ بَن جاتی ہے اور بلا جدوجہد یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ جو کچھ تقدیر میں تھا وہ ہوا اور آئندہ بھی وہی ہوگا جو تقدیر میں ہوگا۔ گویا تقدیر کی حیثیت ان کے لئے آہنی زرہ کی ہے جو انہیں پہنا دی گئی ہے، وہ دن بدن بھنچتے جاتے ہیں اور زرہ قبضہ کرتی جاتی ہے۔

آپ توکل اور تقدیر کے اس غلط مفہوم سے نکلئے، جو مقصود ہے اس کے حُصول کے لئے جہدِ مسلسل اور سعیِ پیہم کیجئے۔ پھر نتیجہ جو کچھ سامنے آئے اس کو منجانب اللہ سمجھئے۔ اور اللہ کی رضا میں اپنی رضا کو گم کر دیجئے۔ ایک بندہ اور غلام کا یہی کام ہے اور یہ کام آپ کو کرنا چاہیئے، اس سے آپ کو اپنی زندگی میں سکون کی دولت ملے گی اور اطمینان کا سرمایہ ہاتھ آئے گا اور کون نہیں جانتا کہ یہ دولت اور یہ سرمایہ ہر دولت اور ہر سرمایہ سے بہتر ہے۔

میرا خدا میرے ساتھ ہے

بچپن کی تربیت اور قرآن حکیم سے مُسلسل ربط و تعلق اور اس میں انہماک و شغف نے نواب بہادر یار جنگ مرحوم کا جو مزاج بنایا تھا اور غیب سے شہود کی جس منزل میں وہ داخل ہو گئے تھے، اس سلسلہ کا ایک واقعہ بڑا دلچسپ اور سبق آموز ہے۔

مشہور صحافی اور ادیب جناب ابراہیم جلیس مرحوم کے بیان کے مطابق ایران کے سفر کے موقعہ پر تہران میں انہیں کسی مقام تک جانا تھا، انہوں نے سڑک پر ایک ٹیکسی روکی اور ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا:

"فلاں مقام تک کا کیا لو گے"؟

ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا:

"آپ کتنے آدمی ہیں"؟

بہادر یار جنگ اکیلے تھے، لیکن فرمایا:

"دو"

ٹیکسی ڈرائیور نے فی کس کرایہ بتا دیا تو بہادر یار جنگ نے فرمایا:

"کرایہ تو ایک ہی شخص کا دیں گے لیکن چلیں گے دو"

ٹیکسی ڈرائیور نے انکار کیا۔

"میں تو نہیں لے جاؤں گا"

بہادر یار جنگ نے اصرار فرمایا۔

"میں اور میرا ساتھی ضرور جائیں گے لیکن کرایہ ایک ہی کا ملے گا"

ٹیکسی ڈرائیور کو بھی غصہ آ گیا، اس نے انہیں لیجانے سے صاف انکار کر دیا تو بہادر یار جنگ نے ہنس کر فرمایا:

"بھیّا! میرا خدا میرے ساتھ ہے، کیا خدا کا بھی کرایہ لو گے"؟

بظاہر انداز مزاح کا ہے مگر اس میں جو حقیقت سموئی گئی ہے وہ لائقِ التفات ہے، خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا احساس اگر انسان کے ذہن و دماغ پر ہمیشہ طاری رہے تو ناممکن ہے وہ اپنی فکر و عمل میں کوئی غلط روش اختیار کرے اگر یہ تصوّر اور عقیدہ مضبوط و مستحکم نہ ہو تو انسان وہ کام کرتا ہے جس سے بہیمیت اور حیوانیت کو بھی شرم آتی ہے۔

یاروں نے بُت شکن کو بُت ہی بنا کے چھوڑا

شیوخ اور اولیاء کی ساری تاریخ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (متوفی ۵۶۱ھ) سے بڑھ کر مسلّم و معروف ہستی اور کس کی ہوئی ہے۔ وقتِ وفات مشائخِ عصر کے مجمع میں اپنے فرزند سیف الدین عبدالوہاب کو مخاطب کر کے بطورِ وصیت ارشاد فرمایا کہ عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللهِ وَطَاعَتِهٖ (یعنی اللہ کے تقویٰ اور اس کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم رکھنا) اور وصیت کے آخر میں شدید تاکید فرمائی کہ خُذِ التَّوْحِيْدَ، اَلتَّوْحِيْدَ، اَلتَّوْحِيْدَ اِجْمَاعُ الْكُلِّ (اپنے اوپر لازم رکھنا توحید کو، توحید کو، توحید کو کہ اس پر سب کا اجماع ہے۔)

نگاہ میں رکھیے موحد کامل کی اس آخری اور تاکیدی وصیت کو اور دل سے سوال کیجئے کہ خود اسی شیخ المشائخ سے نسبت کا دعویٰ کرنے والے کہاں تک اس پر عامل ہیں؟ —— "محی الدین" (دین کو زندہ کرنے والا) لقب حضرت کو معاصرینِ کاملین کی زبان سے اسی بنا پر تو ملا تھا کہ حضرت کے ہاتھوں دین کا احیا اور تجدید ہوئی تھی۔ پھر اسی محی الدینؒ اور مجدد اعظم کے نام لیوا آج دین کی پیروی کس حد تک کر رہے ہیں؟ کوئی آج اگر موحد اعظم ابراہیم خلیل اللہ کی مورتی بنا کر خود اسی کو پوجنے لگے تو اسے ابراہیمی کہنا کیوں کر صحیح ہوگا؟ بقولِ اکبر الہ آبادی ؎

یاروں نے بُت شکن کو بُت ہی بنا کے چھوڑا

اور جس کی اس قسم کی تعلیم سے اس کی کتابیں بھری پڑی ہیں کہ اُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللهِ وَطَاعَتِهٖ وَلُزُوْمِ ظَاهِرِ الشَّرْعِ (کہ میں وصیت کرتا ہوں تم کو اللہ تعالیٰ کے تقویٰ اور طاعت کی اور شریعتِ ظاہرہ کی پابندی کی) اور جس نے درویشی کی حقیقت اس جامع و مانع دو لفظی فقرہ میں بیان کر دی ہو کہ

وَحَقِيْقَةُ الْفَقْرِ اَنْ لَّا تَفْتَقِرَ اِلٰى مَنْ هُوَ مِثْلُكَ (یعنی درویشی کی حقیقت یہ ہے کہ تو اپنی ہی جیسی ہستی یعنی کسی بندہ کا محتاج نہ رہ)

آہ! کہ آج توحید کے اس مبلغ اعظم کی تعلیمات بھی چند رسوم اور خود تراشیدہ بدعات کی نذر ہو کر رہ گئی ہیں۔

تین سوال ایک جواب

تین آدمی ایک بزرگ کے پاس آئے، ان میں سے ایک آدمی نے جو خدا کا منکر تھا کہا: "آپ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کا وجود ہے اگر یہ صحیح ہے تو دکھلایئے خدا کہاں ہے"۔؟

دوسرے شخص نے جو قیامت میں آگ کا عذاب دیئے جانے کا منکر تھا کہا: "آپ لوگ کہتے ہیں کہ قیامت میں لوگوں کو آگ کا عذاب دیا جائے گا اور جن آگ سے پیدا کئے گئے ہیں تو بھلا ان کو آگ سے کیسے عذاب دیا جائے گا"۔؟

تیسرے شخص نے جو قضا و قدر کا منکر تھا اور انسان کو اپنے افعال پر مجبور محض سمجھتا تھا کہا "آپ لوگ کہتے ہیں کہ ہر چیز قضا و قدر سے ہوتی ہے، اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان جو بھی کام کرتا ہے اس کے کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور ایسے کام پر جس کے کرنے پر انسان مجبور ہے اس کی گرفت کرنا اور اس کو سزا دینا کہاں تک درست ہے"۔؟

بزرگ نے تینوں کے سوال سن کر ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور تینوں پر پھینک دی اور کہا یہی میرا جواب ہے۔ بزرگ کا یہ جواب سن کر تینوں بہت غصہ ہوئے اور یہ طے کیا کہ حاکم سے اس کی شکایت کی جائے، چنانچہ تینوں حاکم کے پاس پہنچے اور ان سے سارا قصہ بیان کر دیا، حاکم نے بزرگ کو طلب کیا اور پوچھا جو کچھ یہ تینوں کہہ رہے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

بزرگ نے جواب دیا "ہاں بالکل صحیح ہے"۔

حاکم نے کہا "تم نے ایسا کیوں کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے"؟

بزرگ نے جواب دیا "پہلے شخص نے مجھ سے کہا، اگر خدا کا وجود ہے تو مجھے دکھا دو، کیونکہ اس کے نزدیک ہر موجود چیز کا نظر آنا ضروری ہے۔ اگر یہی بات ہے تو مجھے یہ وہ تکلیف دکھائے جو اس کو میری مٹی پھینکنے سے ہوئی ہے"۔ پہلے شخص نے کہا، "میں تکلیف تو نہیں دکھا سکتا، البتہ اس کا اثر دکھا سکتا ہوں"۔

بزرگ نے جواباً کہا "تو پھر خدا بھی دکھایا نہیں جا سکتا۔ البتہ اس کی ہزاروں نشانیاں دیکھی جا سکتی ہیں جس کا انکار کوئی پاگل شخص بھی نہیں کر سکتا۔

دوسرے شخص نے مجھ سے کہا کہ جنوں کو آگ سے کیسے عذاب دیا جائے گا جب کہ وہ آگ ہی سے پیدا کیے گئے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی چیز کو اس کی اصل سے عذاب نہیں دیا جا سکتا۔ اگر یہ درست ہے تو اُسے مٹی سے کیوں تکلیف ہوئی، کیوں کہ وہ بھی تو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور کیا اس شخص نے یہ مثل نہیں سُنی کہ "لوہا لوہے کو کاٹتا ہے۔"

تیسرے شخص نے قضا و قدر کا انکار کیا اور مجھ سے اس بات کا طالب ہوا کہ میں یہ تسلیم کرلوں کہ انسان اپنے افعال پر مجبور ہے، اس لئے اس کا محاسبہ کرنا اور اس پر اس کو سزا دینا درست نہیں ہے۔ اگر یہ صحیح ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ انسان اپنے افعال پر مجبور ہے تو پھر یہ شخص مجھ کو آپ کے پاس کیوں لایا، کیوں کہ میں اس پر مٹی پھینکنے پر مجبور تھا۔"

بزرگ کے یہ جوابات سُن کر تینوں آدمی بہت شرمندہ ہوئے اور اپنے عقیدہ کی اصلاح کی، حاکم بھی بزرگ کے حکیمانہ جواب اور فراستِ ایمانی سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

ایک بزرگ کی بیش بہا تعلیم

حضرت سہل بن عبداللہ التستریؒ کو ان کے شیخ نے یہ تعلیم دی کہ تم ہمیشہ یہ پڑھا کرو:-

اَللّٰہُ شَاھِدِیْ ⁂ اَللّٰہُ نَاظِرِیْ ⁂ اَللّٰہُ مَعِیْ

اَللّٰہُ شَاھِدِیْ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، ظاہر ہے کہ اگر یہ بات کسی کے ذہن میں بیٹھی ہوئی ہو تو وہ ہر قول اور عمل کے وقت یہ نہیں بھولے گا کہ اللہ موجود ہے اور مجھے ہر حال میں دیکھ رہا ہے، وہ اس سے ڈرے گا اور اس کی کوئی معصیت اس سے سَرزد نہ ہو سکے گی۔

اَللّٰہُ نَاظِرِیْ کا مطلب بھی یہی ہے کہ میں اللہ کی نظر میں ہوں، میں اچھے عمل کروں یا بُرے، سب میرا خدا دیکھ رہا ہے، یہ تصور بھی انسان کو کسی معمولی سے معمولی غلط روش پر جانے سے روک دے گا نہ کہ کوئی بڑی حرکت ایسی ہو جائے جو خدا کی ناخوشنودی کی موجب ہو۔

اَللّٰہُ مَعِیْ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ میرے ساتھ ہے، اگر یہ تصور دل میں بیٹھ جائے تو پھر اللہ کے سوا کسی اور سے خوف کھانے کا سَوال ہی کیا رہتا ہے، ایسا شخص جری بھی ہوگا اور نڈر بھی۔ وہ حق کی خاطر سب کچھ کر ڈالے گا، اللہ کی معیت کا یقین مؤمنانہ زندگی کی اصل تقویت اور رُوح ہے۔

عبادات

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرۃ: ۲۱)

اے انسانو! عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے قبل والوں کو بھی، عجب نہیں کہ تم پرہیزگار بن جاؤ،

اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم (مسند احمد)

اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کا اکرام کرو۔

اِسلام کی بنیادیں!

کلمۂ شہادت:- لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ آدمی صرف اللہ کو اپنا سب کچھ بنائے گا اور اپنی زندگی میں پوری طرح پیغمبر خدا کی تعلیمات کی پابندی کرے گا۔ اب جو شخص کلمہ پڑھنے کے باوجود اپنی سوچ اور اپنی توجہ کا مرکز خدا کے سوا دوسری چیزوں کو بنائے اور اپنی زبان اور اپنے ہاتھ پاؤں کو رسُول کے طریقے کا پابند نہ کرے اس کا کلمہ پڑھنا محض فرضی تھا، اس کا کلمہ پڑھنا ایسا ہی تھا جیسے کوئی شخص زبان سے کہے کہ میں مسجد جارہا ہوں، حالانکہ وہ عملاً کلب کی طرف جارہا ہے تاکہ وہاں کلب کے ممبروں کے ساتھ تفریح کرے۔

نماز:- نماز آدمی کو اللہ سے ڈرنے والا بناتی ہے، نماز اس لئے فرض کی گئی ہے کہ وہ آدمی کو متواضع بنائے اور اس کو بُری باتوں سے روکے، اَب جو شخص نماز پڑھنے کے بعد بھی متکبّر بنا رہے اور بُری باتوں کو چھوڑنے پر راضی نہ ہو، اس نے صرف نماز کی شکل کو لیا اور اس کی روح کو چھوڑ دیا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بھوکا آدمی برتن چبا جائے مگر برتن کے کھانے میں منہ نہ ڈالے۔

روزہ:- روزہ اس بات کا ایک سالانہ سبق ہے کہ آدمی خدا کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچ کر زندگی گذارے، ایسی حالت میں جو شخص کھانے پینے کا روزہ رکھے اور حسد اور بغض اور جھوٹ اور بے انصافی کو نہ چھوڑے اس نے روزہ رکھ کر بھی روزہ نہیں رکھا۔ اس نے گویا خدا کی جائز کی ہوئی چیزوں سے روزہ رکھا اور خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو بدستور کھاتا رہا۔

زکوٰۃ:- زکوٰۃ کا مقصد آدمی کے دل کو حرص اور بخل اور تنگ ظرفی سے پاک کرنا ہے اور ایک آدمی کو دوسرے آدمی کا خیر خواہ بنانا ہے۔ زکوٰۃ کا پیغام یہ ہے کہ تم دوسروں سے بے تعلق نہ رہو بلکہ ان کے معاملات میں ان کے مددگار رہو، اَب اگر زکوٰۃ دینے کے بعد بھی آدمی کے دل سے خود غرضی اور تنگ ظرفی ختم نہ ہو، وہ بدستور اپنے بھائی کا بدخواہ بنا رہے تو گویا کہ اس نے زکوٰۃ نہیں دی بلکہ زکوٰۃ کے نام پر محض ایک قسم کا ٹیکس ادا کیا۔

حج:- حج خدا کی طرف سفر ہے، حج آدمی کو اس دن کی یاد دلاتا ہے جب کہ وہ دنیا سے نکل کر آخرت

کی طرف چلا جائے گا، اب اگر حج کرنے کے بعد بھی آدمی دنیا میں غرق ہو، دنیا کی مصلحتیں، دنیا کے فائدے دنیا کے تقاضے، اس کی دل چسپیوں کا مرکز بنے رہیں تو اس نے حج کے نام پر ایک دنیوی سیاحت کی نہ کہ خدا کی طرف سفر جس کے بعد آدمی ہمہ تن اللہ والا ہو جاتا ہے۔

چند دُعائیں

حفاظت گھر سے باہر نکلتے وقت یا سفر میں جاتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ پڑھیں، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں گے۔

عافیت طلوعِ آفتاب کے وقت سورۂ قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھیں، اس کے پڑھنے سے ثواب تو ہوگا ہی مگر اس کے ساتھ انشاء اللہ آپ کا دن بخیر گذرے گا اور دنیا کے شر سے آپ محفوظ رہیں گے۔

دشمنوں سے نجات ہر نماز کے بعد (۲۱) بار صرف اتنی آیت وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ پڑھا کریں، اللہ کریم دشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔

چوروں سے محفوظ رہنے کی تدبیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص سورۂ بنی اسرائیل (پ۱۵) کی آخری دو آیتیں

قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی وَلَا تَجْھَرْ بِصَلٰوتِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِھَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہُ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّہُ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ کَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا ۝ اکثر اوقات گھر میں پڑھتا رہے گا اس کے گھر میں چور نقصان نہ کر سکیں گے۔

حسبِ خواہش بیداری کے لئے مسند دارمی میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ سوتے وقت سورۂ کہف (پ۱۶) کی آخری تین آیتیں اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تا ختم سورۃ اَحَدًا ۝ پڑھ کر دعا کریں کہ یا اللہ ان آیات کی برکت سے مجھے فلاں وقت (۲ بجے یا ۴ بجے وغیرہ) بیدار کر دیجئے، انشاء اللہ جس وقت کی نیت کریں گے اسی متعینہ وقت پر آنکھ کھل جائے گی۔ نیز بعض بزرگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ نیک شخص اتنا ہی کہدے یا اللہ مجھے (اپنا نام لے) جگا دیجئے، انشاء اللہ اس وقت وہ جاگ جائے گا۔

ارکانِ اربعہ کی ترتیب مولانا نانوتویؒ کی نظر میں

عشق مجازی والے کسی سے عشق و محبت کی بنیاد اس طرح رکھتے ہیں کہ محبوب سے آشنائی قائم کرنے کے لیے کئی کئی بار اس کے گھر جاتے ہیں۔ جب آمد و رفت کا یہ سلسلہ پختہ دوستی کی بنیادوں پر دیواریں بلند کر چکتا ہے تو پھر محبوب کی ضیافت اور اپنے گھر بلا کر مہمانی کا مقام پیدا کیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کیلئے مال خرچ کرنے میں دریغ نہیں کیا جاتا۔ جب محبت اس مقام پر پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کے بعد محبت کا وہ مقام آتا ہے جس میں عاشق کو نہ اپنے کھانے کی پرواہ ہوتی ہے نہ پینے کی، نہ بیوی کا خیال ہوتا ہے نہ حظِ نفس کا، گویا محبوب کی محبت پر اپنی خواہشاتِ نفسانی و جسمانی کو قربان کر دیتا ہے اور پھر اس کے بعد بالآخر وہ مقام آجاتا ہے کہ عاشق مجنونیت اور فرہادیت کے قالب میں ڈھل کر دیوانگی اختیار کر لیتا ہے۔

عشق کی یہی ترتیب اصُولِ اسلامیہ میں جھلکتی نظر آتی ہے۔ سب سے پہلا مقام نماز ہے یعنی محبوب حقیقی کے گھر شبانہ روز پانچ مرتبہ آمد و رفت رکھ کر مسلمان محبت کی بنیاد قائم کرتا ہے جب بنیاد محکم ہو جاتی ہے تو اس کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے جس کا نام زکوٰۃ ہے۔ مال خرچ کرنے کے بعد ایک مقام اور آتا ہے جس میں عشق رنگ لاتا ہے اور حقیقی محبوب کی محبت میں مومن بھوکا پیاسا رہنے لگتا ہے اور اپنی لذتوں کو اس پر قربان کر دیتا ہے، اس کا نام روزہ ہے پھر ایک آخری منزل کی طرف قدم بڑھاتا ہے اور وہ ہے فرہادیت اور مجنونیت کی منزل۔ اب اس دیوانے کے بال بڑھے جا رہے ہیں تو کٹوانے کی اجازت نہیں، ناخن حد سے تجاوز کر رہے ہیں تو کم کرانے کی فکر نہیں، سر میں جوئیں پڑ جائیں تو پرواہ نہیں، جنگل میں مارا مارا پھرتا ہے کبھی پہاڑوں اور دیواروں میں دوڑتا ہے، سر سے کفن باندھے ہوئے کبھی اس کے گھر کا طواف کر رہا ہے ٹیلوں اور بلندیوں میں چڑھ کر پکارتا ہے، کبھی میدان میں فرو کش ہے۔ قریب ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو فنا کر دے اسی کا نام اسلامی شریعت میں حج ہے۔

رمضان شریف میں پورے طور پر مجنوں کا عشق اور فرہاد کے جگر سوزی کی کار فرمائی ہے، اس کی ایک ایک ادا میں ان دونوں جذبات کی ہر جگہ جلوہ سامانی ملے گی، کاش کہ ایک روزہ دار ان دونوں جذبات کو حاصل کرنے اور اس کا اہل بننے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرے۔

(مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، بانی دارالعلوم دیوبند)

جب وقتِ نماز آئے

زیرِ نظر سورۂ نساء کی آیت ۱۰۳ درج ہے ——— یعنی:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ۝

ترجمہ: "بے شک مؤمنوں پر مقررہ اوقات میں نماز (ادا کرنا) فرض ہے"۔

اس آیت کے ذیل میں ان حقائق پر آپ اپنی نظر ہمیشہ مرکوز رکھیے کہ نماز ایمان کا سب سے پہلا مظہر ہے بلکہ وہ ایمان کا لازمی مظہر ہے، یہ ممکن نہیں کہ دل میں ایمان تو ہو مگر سر میں رکوع اور سجدے کی تڑپ نہ ہو، حضورؐ کا ارشاد ہے "جس نے جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑ دی، اس سے اللہ بری ہے"۔ پھر یہ نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض ہے، اس میں کاہلی اور سستی کو دخل نہ دیا جائے، متعدد احادیث میں مقررہ اوقات میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا کے جھمیلوں اور خواہشاتِ نفسانی میں پڑ کر وقت کو ٹال کر نماز نہ پڑھو کہ یہ منافق کی نماز ہے اور اس میں تمہارے لئے سخت ہلاکت اور بربادی ہے۔ بکریاں، چرواہے کی آواز کو سن کر ہری گھاس کو چھوڑ دیتی ہیں تو خدا کے بندے ہو کر خدائی آواز کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ ——— بہر حال آپ خشوع و خضوع کے ساتھ بہ پابندئ وقت و جماعت نماز پڑھیے۔ ایسی ہی نماز آپ کو احکامِ الٰہی کی تعمیل میں سرگرم رکھے گی۔ نورِ ایماں کی زیادتی کا سبب اور قیامت کے روز مغفرت کا ذریعہ بنے گی، معناً آپ حجازی ہیں جن کی شان عین لڑائی میں بھی قبلہ رو ہو کر زمیں بوس ہونے کی رہی ہے ——— بقولِ اقبالؔ ؎

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز   قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

نماز کی فکر

حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ (۱۸۴۶ء ــــ ۱۹۲۷ء) لکھنؤ میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ جمعہ کا دن تھا، مصروفیت کی وجہ سے وقت کا اندازہ نہ کر سکے، اور جمعہ کی نماز کے لئے دیر ہوگئی، جلدی جلدی تیاری کر کے "ماموں بھانجے" کی مسجد میں پہنچے۔

مسجد میں داخل ہوئے تو پتہ چلا کہ جمعہ کی نماز ہو چکی ہے، اس خبر کا مولانا مرحوم پر اتنا اثر ہوا کہ اسی وقت مسجد کے فرش پر گر پڑے۔

حضرت حاتم زاہد بلخیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک بار جماعت سے نماز ادا نہ کر سکے، بڑا غم ہوا، ان کی پریشانی دیکھ کر کچھ ملنے والوں نے مزاج پرسی کی تو اور زیادہ رونے لگے اور فرمایا "اگر میرا بیٹا مر جاتا تو آج آدھا بلخ تعزیت کے لئے میرے گھر آجاتا لیکن نماز با جماعت رہ گئی تو دو چار دوستوں کے سوا کوئی بھی تعزیت کیلئے نہیں آیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا، جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا، کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا: "اس عظیم امانت کے ادا کرنے کا وقت آگیا جس کے اٹھانے کی ہمت زمین و آسمان اور پہاڑ نہ کر سکے"۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب وضو فرماتے تو چہرے کا رنگ فق ہو جاتا، کسی نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا ہے؟ فرمایا:

"ایک بڑی ہی قدرت و دبدبے والے کے دربار میں حاضری کا وقت آگیا ہے"۔

یہی وہ بندے ہیں جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بہترین بندے وہ ہیں جو سورج کی دھوپ اور چاند تاروں کی گردش دیکھتے رہتے ہیں کہ نماز کا وقت فوت نہ ہونے پائے۔

ــــــــــــ (حاکم)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے "جو لوگ نماز کے اوقات معلوم کرنے کا اہتمام رکھتے ہیں ان کو ایسی برکت حاصل ہوتی ہے جیسی برکت خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو عطا فرمائی"۔ ــــــــــــ (منثور)

یہ ہے بڑے خوف کی بات

ہادیِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے کہ جو شخص نماز کی حفاظت کرے تو نماز اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگی اور حساب کے وقت حجت ہوگی اور نجات کا باعث ہوگی اور جو شخص اس کی حفاظت نہ کرے گا اس کے لئے قیامت کے دن نہ نور ہوگا، نہ حساب کتاب کے وقت حجت ہوگی اور نہ ہی نجات کا ذریعہ ہوگی اور اس کا حشر قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف جیسے سرکش اور نافرمان لوگوں کے ساتھ ہوگا ——— (مشکوٰۃ المصابیح)

شیخ الاسلام امام ابن قیمؒ (۱۱۵۸ ——— ۱۰۹۸ء) فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک نکتہ ہے وہ یہ "آجکل کے لوگ جو نماز کے پابند نہیں ہیں وہ یا تو مال و دولت کی وجہ سے یا عہدہ و ملازمت کی وجہ سے یا تجارت و بیوپار کی وجہ سے نماز ترک کرتے ہیں، لہذا جو مال و دولت کی وجہ سے نماز سے غافل رہا وہ قیامت کے دن قارون کے ساتھ ہوگا، جہاں اس کا ٹھکانہ ہوگا اس کا بھی وہیں ٹھکانہ ہوگا جیسے آجکل کے بڑے بڑے سیٹھ، کوٹھیوں اور بنگلوں کے مالک، جاگیردار صنعت کار ہیں۔ اور وہ جو اپنے ملک و سلطنت کی مشغولیت کی وجہ سے نماز سے غافل رہا، وہ فرعون کے ساتھ ہوگا۔ جو اس کا انجام ہوگا وہی اس کا انجام ہوگا جیسے آجکل کے بادشاہ، حکمراں، حکام کا حال ہے۔ اور جو اپنی وزارت ملازمت کی وجہ سے غافل رہا وہ ہامان کے ساتھ ہوگا جو اس کا حشر ہوگا وہی اس کا ہوگا، جیسا کہ آجکل کے اکثر وزیر، عہدیدار اور بڑے بڑے ملازم ہیں اور جس نے اپنی تجارت یا سوداگری کی وجہ سے نماز سے غفلت برتی وہ ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا جو اس کا انجام ہوگا وہی اس کا ہوگا۔

نماز چھوڑنے اور اس سے غفلت برتنے والوں کے لئے یہ کتنے بڑے خوف کی بات ہے کہ ان کا حشر قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا، یہ نہایت ہی خطرناک مقام ہے۔ خوابِ غفلت سے مسلمانوں کو بیدار ہونا چاہیئے، کیوں کہ دنیا حیاتِ مستعار ہے اور اس حیاتِ مستعار کے اختتام پر قیامت میں سب سے پہلے پرسش نماز کے متعلق ہی ہوگی۔

ایک نبویؐ نسخہ

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بروایتِ ابوہریرہؓ حضورؐ کی یہ حدیث منقول ہے :۔

"جب تم میں سے کوئی شخص سو جاتا ہے تو شیطان اس کے سر کے پچھلے حصّے میں تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ پھونک مار دیتا ہے کہ ابھی بڑی رات پڑی ہے سوتے رہو، پھر اگر وہ جاگ جاتا ہے اور اللہ کو یاد کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور اس کے بعد وہ وضو کر لیتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور اگر نماز پڑھ لیتا ہے تو ساری گرہیں کھل جاتی ہیں اور وہ بالکل ہشاش بشاش اور چاق و چوبند ہو جاتا ہے ورنہ بالکل پژمردہ اور سست رہتا ہے۔"

اس حدیث سے واضح ہے کہ شیطان جو انسان کا کھلا دشمن ہے وہ انسان کے خلاف ہمیشہ سرگرمِ عمل رہتا ہے، وہ نہیں چاہتا کہ وہ "سجدہ" جسے اس نے گراں سمجھا تھا اور جس کی بنیاد پر راندۂ بارگاہِ الٰہی بنا، انسان کے لئے آسان ہو اور اس کی وجہ سے انسان خدا کا تقرب اور نزدیکی حاصل کرے، شیطان اپنے اسی ذہنی پس منظر میں انسان کے ساتھ گرہ لگانے کی مذکورہ بالا عمل کرتا ہے تاکہ انسان نیند کے ماتے سست پڑ جائے اور صبح کے سہانے وقت کو "ابھی بڑی رات پڑی ہے سوتے رہو" والی غفلت میں ضائع کر کے خدا کی نشاط انگیز اور روح پرور عبادت سے محروم ہو جائے نتیجۃً دن بھر کی سستی، کاہلی اور عبادت سے بے دلی حصے میں آئے۔

حکیم و دانا نبیؐ نے یہ بات بڑی حکمت اور دانائی کی بتائی کہ نیند اس وقت تو بلاشبہ بہت بھاری چیز ہے جب تک آدمی بستر پر پڑا اینڈتا رہتا ہے لیکن جب ایک مرتبہ آدمی ہمت کر کے بستر چھوڑ دے کچھ اللہ کو یاد کرے اور اسی یاد میں یہ دُعا پڑھ لے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ (حمد اس خدا کی جس نے ہمیں زندگی دی اس کے بعد کہ وہ ہمیں موت دے چکا تھا (سُلا چکا تھا) اور (مرنے کے بعد) اسی کی طرف دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے) پھر وضو کرے اور نماز پڑھ لے تو درجہ بدرجہ وہ سستی کی بد دلی اور بدحالی سے نکل کر خوشی و نشاط کے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں اس کو سونے کی حسرت نہیں رہ جاتی۔ بہرحال غفلت اور سستی کو دور کرنے اور اپنے آپ کو عبادت کیلئے تیار کرنے کا یہ ایک نہایت مجرب اور آزمودہ نبوی نسخہ ہے جس کا جی چاہے تجربہ کر کے اور آزما کر دیکھ لے۔ OO

یہ کوئی بڑی بات تو نہیں

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا
وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ ۗ (سورۂ توبہ آیت: ۱۰۳)

اس آیت میں زکوٰۃ کا حکم ہے اور اس کے فائدے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے،

واضح رہے کہ زکوٰۃ کے لغوی معنی افزونی، زیادتی اور پاکیزگی کے ہیں، اصطلاحِ شرع میں مال کا وہ حصہ جسے مالدار (صاحبِ نصاب، جس کی تفصیل علماء سے ضرور معلوم کیجئے) شریعت کے حکم کے مطابق نکال کر مسلمان فقیر کو (جو غیر ہاشمی ہو، بلا حصولِ منفعت خالصۃً للہ) مالک بنا دے، اس کا نام زکوٰۃ اسی لئے ہے کہ یہ مالدار کے مال کی حفاظت اور اس کی ترقی، زیادتی اور پاکیزگی کی ضامن ہے، نیز صاحبِ مال اس کے ذریعہ سے گناہوں سے اور مال کی حرص و محبت سے پیدا ہونیوالی اخلاقی بیماریوں کے جراثیم سے پاک و صاف ہو جاتا ہے اور اس کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے۔

اصل فائدہ تو یہی ہے لیکن دوسرا ضمنی فائدہ یہ ہے کہ یہ ایک تعاون کی شکل ہے اس کے ذریعہ قوم کے ضعیف عُنصر (مثلاً یتیم بچے، بیوہ عورتیں، اپاہج و معذور مرد اور عورتیں اور عام فقراء و مساکین) کی پرورش ہوتی ہے جو خود اپنی ضروریات مہیا کرنے سے مجبور یا قاصر ہیں۔

پابندی اور مکمل حساب کے ساتھ زکوٰۃ نکال کر آپ یہ دونوں عظیم فائدے حاصل کیجئے۔

آخر ہر سو روپے میں ڈھائی روپے دینا، وہ بھی اللہ کے مال میں اللہ کے نام پر کوئی بڑی بات تو نہیں ——— آخر اس کا فائدہ تو خود آپکی طرف لوٹنے والا ہے۔

کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو، اس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بدستی ہے

——— (نظیر اکبر آبادی)
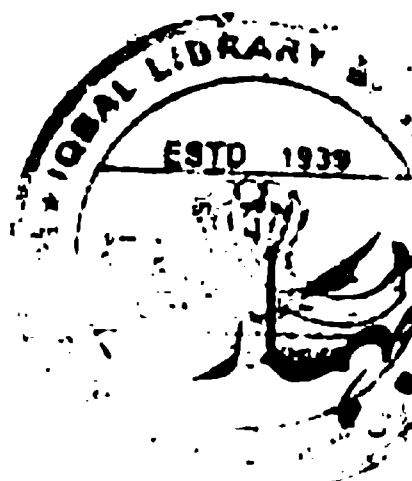
رمضان ــــ عبادت کی فصلِ بہار

رمضان آگیا، رمضان کیا آیا کہ روزے کا تحفہ، تراویح کا سندیش اور تلاوتِ قرآن کا پیغام ساتھ لایا، سحری کی سحر خیزی اور افطار کی گرم بازاری تو بس اب دیدنی ہوگی، پورے مسلم معاشرہ پر تقویٰ اور پرہیز گاری، نورانیت اور روحانیت کی چادر تنی ہوئی ہوگی، مسجدوں کی رونق بڑھی ہوئی ہوگی۔ دینی اور عبادتی ذوق دوبالا ہو جائے گا، ذکر و انابت کی کیفیت عروج پر ہوگی، داد و دہش کی ہوا تیز چلنے لگے گی، خالق کائنات کی جانب سے انسان کے نام یہ اہم نوٹس جاری کر دی گئی کہ "یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ" (اے بھلائی اور خیر کے طالب آگے بڑھ اور اے برائی اور بدعملی کے شائق رُک جا) ــــــ شیاطین کے نام بھی ایک مہینہ کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا گیا، جنت سجادی گئی اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے گئے ــــ اب تو صبح و شام کی اذانیں فردوس گوش بننے لگیں گی اور اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (نماز نیند سے بہتر ہے) کی حقیقت پرور صدا جو صبح کی میٹھی نیند کے دبیز پردوں میں گم ہو کر رہ جاتی تھی اب ایک ایک لمحہ انتظار اور توجہ کا مرکز بن جائے گی اور پھر شام کی صدائے اللہ اکبر جو اکثر و بیشتر کاروباری ہنگاموں کی نذر ہو جایا کرتی تھی۔ اب گوش روزہ دار کے لئے نوید جانفزا بن جانے گی، رات روزہ رکھنے کے اہتمام میں اور دن رکھے ہوئے روزہ کی حفاظت میں گذرے گا۔ صرف صحن مسجد اور منبر و محراب ہی تسبیح کے ورد اور قرآن کی تلاوت کے مقدس غلغلوں سے نہیں گونجیں گے بلکہ کوچہ و بازار، خرید و فروخت اور کاروبار کی معروفیتیں اور اوقات کار یہاں تک کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ رمضان اور رمضان کی وجہ سے عائد ہونے والی پابندیوں کے انقلابی تصور اور عمل سے متاثر رہے گا، چنانچہ چائے کی پیالی کا خیال آئے گا تو روزہ کا خیال اس تصور کو روک دے گا۔ سگریٹ، بیڑی اور حقہ کے کش کی ناپسندیدہ آرزو پیدا ہو تو یہی تصور راہ میں حائل ہو جائے گا۔ کھانے والا صبح صادق سے پہلے کھائے گا تو روزہ رکھنے کیلئے اور شام کو کھائے گا تو روزہ کھولنے کیلئے۔ غرض روزہ کی عبادت زندگی کے سارے نظام کو اس طرح اپنے تسلط اور اثر میں لے لے گی ــ بڑے مبارک ہیں وہ لوگ جو اس فصل بہار سے بھرپور فائدہ اٹھاتے اور اس کے اثرات کو دائمی بناتے ہیں۔

یہ جدّوجہدِ حیات کا ایک سبق ہے !!

رمضان کا مہینہ مسلمان کیلئے اپنے نفس اور اپنی خواہشات سے لڑنے کا مہینہ ہے، یہ وہ مہینہ ہے جبکہ مؤمن شیطانی طاقتوں کو زیر کر کے اس کے اوپر قابو پاتا ہے اور دوبارہ خدا کی بندگی کا عزم لے کر نئے سال میں داخل ہوتا ہے مگر عجیب بات ہے کہ روحانی مقابلہ کا یہ مہینہ اسلام کی تاریخ میں فوجی مقابلہ کا مہینہ بھی رہا ہے، اسلام اور غیر اسلام کے کئی تاریخی معرکے اسی مبارک مہینہ میں پیش آئے ہیں، مثال کے طور پر:

- غزوۂ بدر: (۶۲۴ء) جس نے پیغمبر اور آپؐ کے ساتھیوں کو قریش کے اوپر فیصلہ کن فتح دی۔
- فتح مکہ: (۶۳۰ء) جس نے پوری عرب دنیا پر اسلام کو غالب کر دیا۔
- غزوۂ تبوک: (۶۳۲ء) جس نے رومیوں کے اوپر اہلِ اسلام کی دھاک قائم کر دی۔

(یہ غزوہ رجب میں شروع ہو کر رمضان میں ختم ہوا)

- معرکۂ عین جالوت: (۱۲۶۰ء) جس نے تاتاریوں کو شکست دے کر بغداد کی مسلم سلطنت کو زندہ کیا۔
- مصر اسرائیل جنگ: (۱۹۷۲ء) جس نے نہر سوئز اور صحرائے مینا کے تیل کے چشموں کو دوبارہ مصر کے قبضہ میں دے دیا۔

یہ واقعات بتاتے ہیں کہ روزہ اور جدوجہدِ حیات میں کوئی تضاد نہیں ہے، روزہ کی بھوک پیاس آدمی کو کمزور نہیں کرتی بلکہ وہ اس قابل بناتی ہے کہ زندگی کے معرکے میں وہ زیادہ جاں فشانی کے ساتھ حصہ لے سکے۔

قوّتِ ارادی: رمضان کے اجتماعی روزے مسلم معاشرے کو قوتِ ارادی سے بہرہ ور کرتے ہیں اور افراد کی خواہشاتِ نفسانی اور حیوانی کو قابو میں رکھتے ہیں، جو شخص اپنی مرضی اور اختیار سے کھانا پینا اور دوسری لذتیں چھوڑ دیتا ہے وہ گویا ہر قسم کی مشقت جھیلنے کیلئے اپنے آپ کو تیار کر لیتا ہے، مختلف معاشروں کے درمیان امتیاز، ان کی قوتِ ارادی ہی سے کیا جا سکتا ہے اور روزہ انسان کی قوتِ ارادی کو تربیت دینے کا بہترین ذریعہ ہے، روزہ دار وہ شخص ہے جو جائز اور مباح دنیاوی لذتوں سے بچتا اور صبر کرتا ہے، جائز خواہشات پر صبر کرنیوالا ناجائز دنیوی لذتوں پر کہیں زیادہ مضبوطی سے صبر کرتا ہے۔

روزہ کی حقیقت

برادرم! شمس الدین سلمہ اللہ تعالیٰ ——— تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جو لوگ محقق ہیں وہ کہتے ہیں کہ جس طرح قوتِ جسمانی کھانے پینے پر موقوف ہے اسی طرح روحانی طاقت بھوکے پیاسے رہنے سے پیدا ہوتی ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ روزہ دار میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفتِ خاص پائی جاتی ہے یعنی کھلاتا ہے مگر خود نہیں کھاتا۔ اس صفتِ باری تعالیٰ کے ساتھ متصف ہونا کیا معمولی بات ہے؟

ایک حدیث قدسی سے واضح ہے کہ روزہ دار کیلئے دو قسم کی فرحت رکھی گئی ہے، ایک فرحت تو اس کو روزہ کھولنے کے وقت حاصل ہوتی ہے اور دوسری فرحت اس وقت حاصل ہوتی ہے جس وقت وہ جمالِ رب دیکھتا ہے، اس عالم میں دل کی آنکھ سے لقا ہوتی ہے اور آخرت میں روزہ دار دیکھے گا جو دیکھنے کا حق ہے۔

عزیزم! روزہ کا کیا کہنا ہے۔ کشف المحجوب میں بھی حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ روزہ جوارح کے لئے بلا ہے، دل کیلئے صفا ہے، جان کیلئے وِلا ہے اور سر کیلئے بقا ہے۔ اتنے بہترین سامان مہیا ہوں کہ دل کو صفا، جان کو وِلا، سر کو بقا حاصل ہو ایسی صورت میں اگر جسم مبتلائے بلا رہے تو کیا نقصان ہے؟ اسی معنی کی طرف حضورؐ نے ایک حدیث قدسی میں اشارہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان جو نیک عمل کرتا ہے اس کا اجر دوگنا ملے گا یہاں تک کہ ایک کا ستّر اضافہ ہوگا مگر روزہ ایسا عمل ہے کہ خاص میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں دوں گا یا اس کی جزا میں خود ہوں گا۔

ذرا بارگاہِ عزت پر نظر کرو اور انسان ذرّۂ بے مقدار کو دیکھو۔ اگر یہ کہا جاتا کہ تیری حقیقت کیا ہے تو تو میرے در کا کتّا ہے تو یقین جانو یہ ایسی نوازش ہوتی کہ دولت رکھنے کی جگہ نہ ملتی چہ جائے کہ بادشاہِ عالم جل شانہٗ روزہ دار کی شان میں یہ فرمائے کہ تو میرے لئے ہے اور تیری جزا میری لقا اور رویت ہے۔ سبحان اللہ کیا بات ارشاد فرمائی گئی ہے۔

برادرِ عزیز! روزہ، اس کے پورے آداب کے ساتھ رکھ کر اس غیر فانی اور لازوالِ انعام کے مستحق بنو ———

(مکتوب حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ)

روزے کا فلسفہ

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے ہیں، عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ" ــــــــــــــ (البقرہ آیت ۱۸۲)

یہ دعویٰ کہ روزے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے ہیں ــــــــــــــ قرآنِ حکیم نے اس زمانے میں کیا، جب ذرائع رسل ورسائل نہ تھے، کتب خانے اور لائبریریاں نہ تھیں، یونیورسٹیاں اور کالج نہ تھے مگر اس وعدے کی سچائی کا عالم یہ ہے کہ صدیوں بعد بڑے بڑے محققین کو اس کی تصدیق کرنی پڑی۔ انسائیکلوپیڈیا برناٹیکا میں لکھا ہے کہ:

روزہ رکھنے کی رسم دنیا کے ہر مذہب اور قوم میں موجود رہی ہے۔ (ج ۹ ص ۱۰۶)

قرآن نے پہلے لوگوں کی طرح مسلمانوں پر روزہ فرض قرار دینے کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی بیان کرنا ضروری سمجھا کہ روزہ کو فرض ٹھہرانے سے پروردگار کا مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں میں تقویٰ پیدا ہو۔ تقویٰ کیا چیز ہے؟ اس کی بہترین تشریح ایک صحابی رسولؐ ابی بن کعبؓ نے کی ہے ان سے حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مرتبہ یہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ:۔

اے امیر المؤمنین! آپ کبھی ایسے تنگ راستے سے گذرے ہیں جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں، حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا، ہاں! حضرت ابی بن کعبؓ نے دریافت کیا کہ اس وقت آپ کیا کرتے ہیں؟ جواب میں فرمایا کہ:

اپنے کپڑوں کو سمیٹ لیتا ہوں تاکہ کانٹوں میں نہ الجھیں، ابن کعبؓ نے فرمایا کہ بس یہی تقویٰ ہے ــــــــــــــ غور کیا جائے تو یہ اس دنیا کی زندگی کے بارے میں بہترین مثال ہے، ہماری زندگی کا راستہ دونوں طرف خواہشات کی خاردار جھاڑیوں سے گھرا ہوا ہے اگر ہم پھونک پھونک کر قدم نہ رکھیں تو خطرہ ہے کہ کہیں ہمارا دامنِ حیات ان میں الجھ کر تار تار نہ ہو جائے، روزہ ہمیں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی تربیت دیتا ہے۔ ہمارے اندر ضبطِ نفس کی طاقت پیدا کرتا ہے اور ہمیں ہر آن محاسبۂ آخرت کی یاد دلاتا ہے۔

روزے کا مقصد

قرآنِ حکیم نے روزے کی مقصدیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے اسلوبِ خاص کے مطابق ایک بڑا بلیغ لفظ استعمال کیا ہے "لعلکم تتقون"۔ "تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرسکو۔"

تقویٰ کیا چیز ہے؟ اس کی بہترین تشریح صحابیِ رسولؐ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے سوال کیا کہ تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کیا آپ کبھی ایسے راستے سے گذرے ہیں جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں؟ حضرت عمر فاروقؓ نے جواب دیا "ہاں"۔ پوچھا آپ اس طرح کا راستہ کس طرح طے کرتے ہیں؟ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا کہ میں اپنے کپڑوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ لیتا ہوں، کہیں وہ جھاڑیوں میں نہ الجھ جائیں، حضرت ابیؓ نے فرمایا "بس یہی تقویٰ ہے"۔

دیکھا جائے تو یہ مثال دنیا کی اس زندگی پر بڑی اچھی طرح صادق آتی ہے، دنیا کی یہ گذرگاہ بھی دورویہ خواہشات اور تحریصات کی خاردار جھاڑیوں سے اٹی پڑی ہے، اس میں بے احتیاطی سے چلا جائے تو دامنِ حیات قدم قدم پر ان میں اٹکتا اور آخرکار تار تار ہو جاتا ہے۔ متقی وہ ہے جو اس راستے پر پھونک پھونک کر قدم رکھے اور اپنے دامن کو گناہ کے کانٹوں سے بچاتا ہوا منزلِ مقصود پر پہنچ جائے، وہ کبائر ہی سے احتراز نہ کرے، صغائر سے بھی کنارہ کش ہو جائے۔ بقول حضرت امام غزالیؒ وہ یہ نہ دیکھے کہ گناہ کتنا چھوٹا ہے۔ یہ غور کرنے کا خوگر ہو جائے کہ جس کی نافرمانی کی جارہی ہے وہ کتنا بڑا ہے۔ عربی کے ایک شاعر نے خوب کہا ہے:۔

(ترجمہ) "چھوٹے اور بڑے سب گناہوں کو چھوڑ دو، تقویٰ اسی کا نام ہے اور چھوٹے گناہوں کو حقیر نہ سمجھو کیوں کہ کنکروں سے ہی پہاڑ بن جاتے ہیں"۔

روزہ پابند زندگی کی عملی مشق

”موجودہ زمانہ میں روزہ کی حیثیت ایک قسم کی سالانہ رسم کی ہوگئی ہے، لوگوں کی اصلی زندگی بدستور اپنے ڈھرے پر چلتی رہتی ہے۔ روزہ کا زمانہ آتا ہے تو وہ بس ہجری کیلنڈر کے نویں ماہ میں داخل ہوتا ہے، لوگوں کی زندگیوں میں داخل نہیں ہوتا، روزہ رکھ کر نہ لوگوں کے دل نرم پڑتے ہیں، نہ ان کے اندر عجز پیدا ہوتا ہے، نہ جائز اور ناجائز کے معاملہ میں ان کی قوتِ شامہ میں کوئی اضافہ ہوتا ہے، ان کے نزدیک روزہ کے معنی صرف یہ ہیں کہ ایک خاص وقت سے خاص وقت تک کھانا پینا بند رکھا جائے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اس طرح بھوکے رہنے سے خدا خوش ہوجائے گا، حالاں کہ اصل یہ ہے کہ روزہ محض ایک خارجی رسم نہیں بلکہ وہ ایک باطنی عمل ہے، وہ مومن کی نفسیاتی حالت کا ایک جسمانی اظہار ہے۔ مومن کا مطلب ہے ایک ایسا شخص جو دنیا کی زندگی میں برائیوں سے بچ کر رہے، جو کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں کی پابندی کرے۔ روزہ اسی قسم کی پابند زندگی کی مشق ہے روزہ میں کھانا پینا چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو روزمرہ زندگی میں ”یہ کرو اور نہ کرو“ کے ایک لازمی کورس سے گذار کر اس کو سبق دیا جائے کہ اسی طرح تم کو پوری زندگی گزارنی ہے۔ اسی طرح ساری عمر کے لئے تم کو روزہ دار بن جانا ہے، جب کہ تم خود اپنے ارادے سے ایک طرح کی زندگی کو چھوڑ دو اور دوسری طرح کی زندگی کو بالقصد اختیار کرلو۔ روزہ کے مہینے کی پابند زندگی دراصل پورے سال اور ساری عمر کیلئے پابند زندگی کی ایک علامت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے سارے معاملات میں ”روزہ داری“ کے اسی طریقے پر عمل کرے جو اس نے رمضان کے مہینے میں کھانے پینے کے معاملے میں کیا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو حدیث کے الفاظ میں ”اللہ کو اس کی حاجت نہیں کہ کوئی شخص محض کھانا پینا چھوڑ دے“۔

(ماخوذ)

روزہ
منزلِ حق کی راہوں کو کھولنے کا اہم ذریعہ

دو شخص ہیں، ایک وہ جو اپنی خواہشاتِ نفسانی کا غلام ہے، دوسرا وہ جو اِن پر حَاکم و آقا ہے، ایک وہ جو اپنی ہر ہوائے نفس سے مغلوب ہو جاتا ہے، دوسرا وہ جو اُسے اپنے قابو و اختیار میں رکھتا ہے، ایک شخص وہ ہے جو اپنی بھوک، اپنی پیاس، اپنی نیند، اپنی حرص، اپنے غصہ کسی شئ پر قابو نہیں رکھتا، دوسرا وہ جو اِن میں سے ہر شئ پر ضبط کی قدرت رکھتا ہے۔ آپ ایسے دو شخصوں میں سے کس کو ترجیح دیں گے؟ آپ خود ان دونوں میں سے کیا بننا پسند کریں گے؟ آپ کے نزدیک نفس کی غلامی بہتر ہے یا اس پر حکمرانی؟ اگر آخر الذکر بہتر اور پسندیدہ ہے تو پھر یہ کیا ہے کہ ماہ رمضان کی پیشوائی کو آپ ذوق و شوق، مسرت و خندہ پیشانی کے سَاتھ نہیں بڑھتے؟

حضرت نظام الدین اولیارؒ محبوبِ الٰہی دائم الصوم تھے، حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی عمر کے سالہا سال روزہ رکھ کر گذارے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا مقولہ مشہور ہے کہ مجھے جو کچھ ملا سب بھوک اور گرسنگی ہی کے طفیل میں ملا۔ حضرت مولانائے روم کا عمل خود انہی کے اس تعلیم پر تھا کہ منزلِ حق کی جتنی راہیں کھلتی ہیں سب بھوک اور پیاس سے کھلتی ہیں۔ ہر سِلسلے کے مقدس بزرگ اور مستند صوفی گذرے ہیں اس کا عمل یہی رہا ہے اور تعلیم بھی یہی۔

مگر پھر یہ کیوں ہے کہ آپ باوجود ان حضرات سے اعتقاد ظاہر کرنے اور باوجود اِن کے ماننے کے اس باب میں ان کی تعلیم سے اس قدر بے پروا اور ان کے عمل سے اس قدر بے نیاز ہیں؟

نماز میں جس طرح عبدیّت کی تکمیل ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح روزہ دار کو اخلاقِ الٰہی کے سَاتھ کس درجہ مناسبت و مشابہت پیدا ہو جاتی ہے، بھوک اور پیاس سے بے نیازی،

صبر و ضبط، قوت و اختیار، حلم و تحمل، عفو و درگذر، یہ سب شانیں بندہ کی ہیں یا مولیٰ کی؟ عبد کی یا معبود ِ رب کی، خاک کے پتلے کی یا آسمان کے فرماں روا کی؟ پھر یہ کیوں کر ہے کہ جو شئ کچھ دیر کے لئے ہی سہی آپ میں اس کیفیت سے مناسبت پیدا کر رہی ہو، جو شئ ذرہ میں آفتاب کے پرتو ڈال رہی ہو، جو شئ آئینہ میں جلا پیدا کر کے اسے نورانیت کاملہ کا عکس قبول کرنے کے قابل بنا رہی ہو، آپ اس نعمتِ عظیم کی جانب لپکنے میں تامل کر رہے ہیں؟

حدیث قدسی کے الفاظ یاد کیجئے "الصَّومُ لی وأنا اجزی بہٖ" روزہ میرے لئے ہے اور اس کا اجر میں خود ہوں، حوریں نہیں، جنت کے قصر و محل نہیں، کوئی اور ایسی نعمت نہیں جسے مادی عقل سمجھ سکے بلکہ میں خود اس کا اجر ہوں۔

یہ کون کس سے کہہ رہا ہے؟ آفتاب ذرہ سے نہیں، مخدوم خادم سے نہیں، شاہ گدا سے نہیں بلکہ خالق مخلوق سے، معبود عبد سے، خدا بندہ سے۔ کیا زمینوں اور آسمانوں کی ساری نعمتیں، ساری برکتیں، ساری بادشاہتیں مل کر بھی اس ایک اجر کے سامنے پیش کی جا سکتی ہیں؟ کیسی دردناک نادانی ہوگی کہ اتنے ارزاں سودے کو بھی اپنی غفلت اور بے پروائی کے نذر کر دیا جائے۔

(مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)

روزہ ڈھال کیوں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضؓ سے دریافت فرمایا کہ تم مفلس کس کو کہتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا، مفلس وہ ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میری امت میں مفلس وہ ہے کہ قیامت کے دن نیک اعمال لے کر حاضر ہوگا تو کئی دعوے شروع ہوں گے اور تمام نیک اعمال دعویداروں کو دے دیئے جائیں گے (جب نیکیوں سے خالی ہاتھ ہو جائے گا اور حقوق العباد باقی ہوں گے تو لوگوں کے گناہ اس پر ڈال کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا)۔

جب سب نیک اعمال ختم ہو جائیں گے، ابھی دعوے باقی ہوں گے تب مدعی کہیں گے اس کے پاس روزے ہیں اور ہمارے حقوق میں وہ دے دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اَلصَّوْمُ لِیْ (روزہ میرے لئے ہے) یہ تم کو نہیں دیا جائے گا۔ مدعی کہیں گے تو پھر ہمارے گناہ اس پر ڈال دو۔ حقوق کے بدلے بے روزہ داروں پر جب گناہ ڈالے جائیں گے تو وہ گناہ اُن پر ہوں گے۔ اور وہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

اس کے برخلاف روزہ داروں پر جب گناہ ڈالے جائیں گے تو مدعیوں سے تو گناہ نکل جائیں گے مگر روزہ داروں پر نہیں گریں گے کیوں کہ اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ (روزہ ڈھال ہے) وارد ہوا ہے، روزہ کے طفیل میں روزہ دار بھی بچے گا اور دوسروں کے گناہ بھی نہیں پڑیں گے مگر تمہاری اور نیکیاں چلی جائیں گی۔

(ماخوذ از مواعظ حسنہ حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ صاحب محدث دکن)
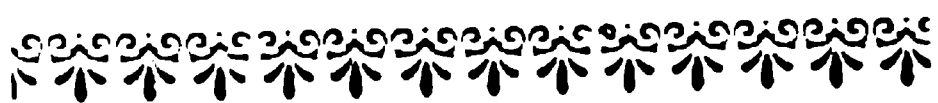
رمضان

حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کا ایک گراں قدر مکتوب

حضرت مجدد الفِ ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں رمضان المبارک کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں:

اس مہینے کو قرآن مجید کے ساتھ خاص مناسبت ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے قرآن مجید اس مہینے میں نازل کیا گیا۔ یہ مہینہ ہر قسم کی خیر و برکت کا جامع ہے، آدمی کو سال بھر میں مجموعی طور پر جتنی برکتیں حاصل ہوتی ہیں وہ اس مہینے کے سامنے اس طرح ہیں جس طرح سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ۔ اس مہینے میں جمعیتِ باطنی کا حصول پورے سال جمعیتِ باطنی کیلئے کافی ہوتا ہے اور اس میں انتشار اور پریشان خاطری بقیہ تمام دنوں بلکہ پورے سال کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، قابلِ مبارک باد ہیں وہ لوگ جن سے یہ مہینہ راضی ہو کر گیا اور ناکام و بدنصیب ہیں وہ جو اس کو ناراض کرکے ہر قسم کے خیر و برکت سے محروم ہو گئے۔"

(مکتوبات امام ربانی جلد ۱ ص۸)

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:

"اگر اس مہینہ میں کسی آدمی کو اعمال صالحہ کی توفیق مل جائے تو پورے سال یہ توفیق اس کے شاملِ حال رہے گی۔ اور اگر یہ مہینہ بے دلی، فکر و تردد اور انتشار کے ساتھ گذرے تو پورا سال اسی حال میں گذرنے کا اندیشہ ہے۔"

(مکتوباتِ امام ربانی ص ۴۵)

رمضان المبارک اس طرح گذاریئے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۸۳)

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اگلی امتوں کی طرح مسلمانوں پر بھی روزے فرض کئے گئے ہیں۔ اس لئے تم اپنے لئے اس کو بار نہ سمجھو، اس میں تمہارا ہی بھلا ہے۔ نفس کی اصلاح کے لئے روزہ موثر ترین ذریعہ ہے۔

لہٰذا رمضان کے مبارک مہینے کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں دوسری مصروفیات کو کم سے کم کر کے روزے اور تراویح کے اہتمام کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت قرآن پاک کی تلاوت، اذکار و تسبیحات، توبہ و استغفار، درود شریف، نفلی نمازوں اور دوسری عبادتوں میں صرف کیا جائے اور ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کی فکر کو تمام کاموں پر مقدم رکھا جائے۔ صدقات و خیرات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور صالحین کی مستند دینی کتابوں کا مطالعہ ہو کہ یہ صحبت کا بدل ہے خصوصیت کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ کے رسالے "اکابر کا رمضان" کا مطالعہ رمضان شروع ہونے سے پہلے ضرور کیا جائے۔ دینی دعوت کی طرف بھی توجہ ہو، اپنے لئے اور احباب، اقارب اور ملک و ملت کے لئے صلاح و فلاح کی دعا کا التزام رہے۔

اگر ماہِ مبارک اِن تمام باتوں کے التزام و اہتمام کے ساتھ گذر گیا تو قوی امید ہے کہ انشاء اللہ سال کے دیگر مہینوں میں اپنے آپ کو اسلامی زندگی سے قریب رکھنا سہل ہو جائے گا۔

حضورؐ کا ارشاد ہے:

"جس شخص کا رمضان سلامتی سے گذر گیا اس کا پورا سال سلامتی سے گذر جائے گا۔"

رمضان المبارکؑ کے مختصر معمولات

- صدق دل سے تمام گناہوں سے توبہ کریں اور کثرت سے توبہ و استغفار کا اہتمام رکھیں۔
- روزہ رکھنے کا پورا اہتمام کریں، بلا عذر شرعی روزہ ترک نہ کریں۔
- نماز تراویح ذوق وشوق کے ساتھ پڑھیں، کم از کم ایک ختم قرآن کا تراویح میں اہتمام کریں۔
- نماز باجماعت کا مکمل اہتمام کریں۔
- اشراق، چاشت، اوّابین اور تہجد کے نوافل کا معمول بنائیں۔
- روزہ میں آنکھ، کان، ناک، زبان، دل، دماغ اور تمام اعضاء کو ہر گناہ سے بچائیں۔
- صدقہ وخیرات کی کثرت کریں۔
- روزہ دار ملازم اور خادم کے اوقاتِ کار میں تخفیف کریں اور اس پر کام کا بوجھ زیادہ نہ ڈالیں
- حسبِ استطاعت مسافروں اور مجبوروں کے افطار کا انتظام کریں۔
- غصّہ اور لڑائی جھگڑے سے بالکل پرہیز کریں، اس کے لئے کوئی آمادہ نظر آئے تو خوبی سے بات کو ختم کردیں۔
- رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مطالعہ کریں۔

اس مقصد کے لئے "اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" تالیف حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ (خلیفۂ مجاز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) کا مطالعہ بہت کافی ہے۔

- تلاوتِ قرآنِ کریم کا جس قدر زیادہ ہوسکے معمول بنائیں۔
- چلتے پھرتے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا ورد رکھیں۔
- جنت الفردوس مانگیں، عذاب دوزخ سے پناہ چاہیں اور ملک وملت کی صلاح وفلاح کی دعا کریں۔ اگر ماہِ مبارک ان باتوں کے التزام و اہتمام کے ساتھ گذر گیا تو قوی امید ہے کہ انشاءاللہ سال کے دیگر مہینوں میں بھی خود کو اسلامی زندگی سے قریب رکھنا سہل ہوجائے گا۔

رمضان المبارک کا نظام العمل

- ★ نماز باجماعت کی پابندی۔ کہ ارشادِ نبویؐ ہے" سراسر ظلم ہے، کفر ہے اور نفاق ہے، اس شخص کا فعل جو اذاں سُنے اور مسجد کو نہ جائے۔
- ★ تراویح کا اہتمام ۔ کہ بغیر عذر اس کا ترک گناہ ہے۔

اس کے علاوہ

- ★ قضا نمازوں کی تکمیل ۔ (کم از کم طاق راتوں یعنی شبِ قدر میں خصوصیت کے ساتھ) ۔ کہ ایک نماز چھوڑنے پر ایک حقب (ایک طویل مدّت) کی سزا بتائی گئی ہے۔
- ★ نوافل کی ادائی ۔ (یعنی تہجد، اشراق، چاشت، اوّابین وغیرہ) کہ ان سے بندہ، اپنے رب سے قریب ہوتا ہے ——————
- ★ تلاوتِ قرآن کی کثرت ۔ کہ یہ قیامت میں مقبول سفارشی ہوگا (اور پھر یہ اسی ماہِ مبارک میں نازل ہوا)
- ★ ذکر و تسبیح میں مشغولیت (مثلاً کلمہ طیبہ، استغفار، تیسرا کلمہ، درود شریف) کہ یہ نسخہ ہے کم خرچ بالانشیں۔
- ★ دُعا میں زیادتی (بالخصوص بوقتِ افطار دعا تمام مسلمانوں بلکہ انسانوں کیلئے) کہ اسکو عبادت کا مغز کہا گیا ہے۔
- ★ صالحین کی مستند دینی کتب کا مطالعہ (خصوصاً بزمانہ اعتکاف) کہ یہ اچھی اور صلحاء کی صحبت کا بدل ہے اور عمل کی صحت موقوف ہے علم کی صحت پر۔
- ★ صدقات میں اضافہ (یعنی صلہ رحمی، حاجت روائی، ملّی اداروں کی امداد وغیرہ) کے باہمی تعاون، تقاضہ ہے ایمان کا، اور پھر صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے، عمر کو بڑھاتا ہے، رزق میں زیادتی کا سبب ہے۔
- ★ دین کی دعوت کی محنت ۔ کہ یہی اصل منصب ہے امّتِ محمدیہ کا (اور اس ماہِ مطہر میں لوگوں کے متوجہ الی اللہ ہونے کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے)

ان امور سے باقی ماندہ اوقات میں خاموشی اختیار کرنا (خاموشی غیبت سے، جھوٹ سے، گالی سے، فضول باتوں سے) کہ قولِ رسولؐ ہے" من صمت نجا"، یعنی جو خاموش رہا نجات پایا (اور رمضان کے بعد کم از کم نمازِ باجماعت پر استقامت۔ رمضان المبارک کے اس مختصر نظام العمل پر عمل کیا گیا تو امید ہے کہ باقی گیارہ مہینے بھی انشاء اللہ اس کی سعادتوں اور برکتوں سے مالا مال ہوتے رہیں گے ——

اگر رمضان سلامتی سے گزر گیا

رمضان کی شکل میں رحمتِ خداوندی کا سالانہ جشن جس میں ہر ساعت برکتوں کے خزانے لٹتے ہیں، ہمارے سروں پر سایہ فگن ہے۔ یہ مہینہ عبادت کا ہے اور اس میں کم ہمت سے کم ہمت مسلمان کو بندگی کا شوقِ فراواں نصیب ہوتا ہے، مسجدیں بھری نظر آتی ہیں اور اس کے شب و روز میں عبادت کی لذت و حلاوت بدذوق سے بدذوق انسان کو بھی محسوس ہو ہی جاتی ہے، یہ دعا و مناجات کا موسم ہے۔ اس میں دعاؤں کی قبولیت کا دروازہ ہر آن کھلا رہتا ہے۔ یہ گناہوں سے توبہ اور استغفار کا مہینہ ہے اور اس میں بندوں کو بخشنے اور نوازنے کے لئے معمولی معمولی بہانے تلاش کئے جاتے ہیں اور اسی لئے سرورِ عالمؐ نے اس شخص کے حق میں نامرادی کی بد دعا فرمائی ہے جس پر رمضان کا پورا مہینہ گذر جائے لیکن وہ اپنی مغفرت نہ کرا سکے۔

ایک مسلمان کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے اندر اللہ کے ساتھ تعلق کے وہ جذبات پیدا کرے جو اسلام کو مطلوب ہیں اور رمضان کا مہینہ اس مقصد کے لئے بہترین معاون ہے، اس ماہ کی اصل غرض و غایت ہی یہ ہے کہ مسلمان اس میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی عبادت میں صرف کریں، اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پا کر انہیں اعتدال پر لائیں اور اپنے آپ کو اللہ کے تابع فرمان بنانے کی تربیت حاصل کریں، لہٰذا اس مبارک مہینہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے ہمیں چاہیئے کہ اپنے دنیوی مشاغل کو کم سے کم تر کریں، جس قدر ہو سکے نوافل کا اہتمام کریں، تلاوتِ قرآن اور ذکر و تسبیح کے معمولات میں اضافہ کریں، صدقات و خیرات اور اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرنے اور غریبوں اور مسکینوں کی خبر گیری کا اہتمام کریں۔ گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کریں اور اگر کوئی گناہ غلطی سے سرزد ہو جائے تو اس پر فوراً توبہ و استغفار کریں۔

اگر یہ مہینہ اس التزام کے ساتھ گزار لیا جائے تو امید ہے کہ سال کے دیگر ایام میں بھی اپنے آپ کو اسلامی زندگی سے قریب تر رکھنا سہل ہو جائے گا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے کہ جس شخص کا رمضان سلامتی سے گذر گیا تو اس کا پورا سال سلامتی سے گذرے گا۔

عبادت رمضان ہی میں کیوں؟

"عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ آتے ہی مسلمانوں کی زندگی میں ایک انقلاب آجاتا ہے، ان سے مسجدیں معمور ہو جاتی ہیں، نیکیوں کی طرف رغبت اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے، ہر گھر تسبیح و تہلیل و قرآن خوانی سے گونجتا رہتا ہے، مگر جیسے ہی شوال کا چاند نظر آتا ہے یہ ساری ہماہمی ختم ہو جاتی ہے، مسلمان اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آتے ہیں، نیکیوں کی طرف سے بے رغبتی اور گناہوں کی طرف میلان بڑھ جاتا ہے، تفریحی مقامات آباد اور مسجدیں ویران نظر آنے لگتی ہیں، رمضان کے وہ نمازی جنہوں نے تیس دن نہ صرف فرائض کی تکمیل میں مستعدی دکھائی تھی بلکہ نوافل کی ادائی میں بھی سرگرم رہے تھے، یکلخت غائب ہو جاتے ہیں کہ دیکھنے والا پہچان ہی نہیں سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب صحابۂ کرامؓ میں ایک انتشار پیدا ہو گیا تھا تو یارِ غار رسولؐ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا اور بعد حمد و ثنا کے فرمایا:

"آگاہ رہو کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پوجا کرتا تھا تو وہ سن لے کہ بے شبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی موت واقع ہو گئی، مگر ہاں جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتا تھا تو بے شک اللہ زندہ ہے اور اس کے لئے موت نہیں ہے۔"

میں بھی رمضان کے ان نمازیوں سے یہی کہتا ہوں کہ اگر آپ رمضان کی پوجا کرتے تھے تو یاد رکھئے کہ رمضان گذر گیا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ جیسے رمضان میں موجود تھا ویسے ہی شوال میں بھی موجود ہے، زمان و مکان کے بدلنے سے اس کی عبادت میں فرق نہ آنا چاہیئے۔ جب تیس دن اس کے دربار میں حاضری دے چکے، اس کے کہلا چکے، اس کی فرماں برداری کی طوق گلے میں ڈال چکے پھر اس سے ایک دم اپنے کو اس طرح بے تعلق کر لینا شانِ بندگی کے خلاف ہے، ان لوگوں کے پاس کیا جواب ہے اگر دادرِ حشر بروز قیامت ان سے

سوال کرے کہ "بندے تو میری عبادت کرتا تھا یا رمضان کی؟ اگر میری عبادت کرنے والا تھا تو ہر وقت رمضان اور غیر رمضان میری عبادت کرتا، جب تو نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ تو رمضان کا پجاری تھا، اَب مجھ سے کیوں اجر طلب کرتا ہے، جس کی پوجا کی ہے اسی سے اجر کا طالب ہو۔"

اقتباس تقریر حضرت مولانا محمد حسام الدین فاضل قادری چشتی بمقام عیدگاہ، حیدرآباد۔

استقلال ــــــ انسانی اخلاق کا کمال

انسان کے اخلاق کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جو اچھا کام کرے اس پر پوری طرح جم جائے اور اسے ہمیشہ کرتا رہے، اکثر لوگوں میں یہ کمزوری رہتی ہے کہ وہ ایک کام شروع کرتے ہیں کچھ دن اس پر عمل کرتے ہیں اور پھر اسے چھوڑ بیٹھتے ہیں، یہ ایک قسم کی اخلاقی کمزوری کی علامت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام کاموں میں بڑی شدت کے ساتھ اس اصول کی پابندی فرماتے تھے کہ جو اچھا کام ایک بار شروع کر دیا وہ ہمیشہ کرتے رہے۔ آپؐ کا ارشاد بھی ہے "خدا کے نزدیک نیک کاموں میں سب سے محبوب کام وہ ہے جسے انسان ہمیشہ کرتا رہے۔"
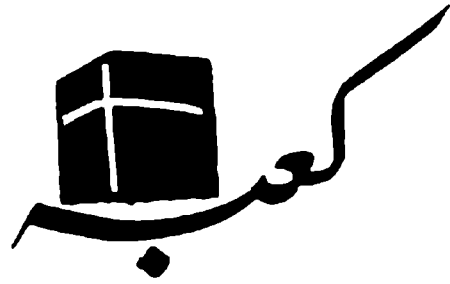
سُنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاضؔ

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ؕ

ترجمہ: "اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر (خانۂ کعبہ) کا حج کرنا (فرض) ہے، یعنی اس شخص پر جو وہاں تک پہنچنے کی قدرت رکھے"

اس آیت میں خانہ کعبہ کی بڑی فضیلت اور اس کی گوناگوں خصوصیات کا لحاظ کرتے ہوئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ بشرطِ استطاعت اس مقدس گھر کا حج کریں اور وہاں کے انوار و برکات سے مستفید ہوں، اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اس حکم کو نہ مانے تو یاد رکھو اللہ سارے جہاں والوں سے بے نیاز ہے، اس کو کسی کی پرواہ نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جسے کسی بیماری نے یا کسی واقعی ضرورت نے یا کسی ظالم حکمراں نے روک نہ رکھا ہو اور اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی۔"

اس سخت وعید کے ساتھ آپؐ نے یہ بشارت بھی دی ہے: "جس نے اس گھر کا حج کیا اور اس دَوران نہ تو اس نے کوئی شہوانی حرکت کی اور نہ کسی معصیت کا ارتکاب کیا وہ حج کر کے جب لوٹتا ہے تو ایسا ہوتا ہے گویا آج ہی پیدا ہوا ہے۔" دوسری حدیث میں ہے "مقبول حج کا بدلہ جنت کے سوا اور کچھ نہیں۔" زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، اہلِ استطاعت کو اولین فرصت میں اس مقدس فریضہ کو ادا کرنا چاہیئے۔ دوسرے مؤمنوں کے دل میں بھی یہ آرزو ہونی چاہیئے سه

کعبۂ سنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاضؔ
زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

حج کب ادا ہوتا ہے؟

ایک شخص حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، پوچھا "کہاں سے آرہے ہو؟" جواباً "حج کرکے آرہا ہوں" دریافت کیا واقعی؟ جواب ملا "جی ہاں" فرمایا "جس وقت تم حج کا ارادہ کرکے گھر سے نکلے تھے کیا گناہوں کو تج دینے کا عزم بھی کیا تھا؟" جواب ملا "نہیں" ایسا تو کوئی ارادہ نہیں کیا تھا۔ فرمایا "پھر تم حج کیلئے نکلے ہی نہ تھے"۔ پھر پوچھا دورانِ سفر جب تم منزل پر منزل طے کررہے تھے کیا مقاماتِ حق بھی ساتھ ساتھ طے کئے تھے؟" جواب ملا "نہیں" فرمایا تو تم نے حج کی منزلیں طے نہیں کیں۔ پھر دریافت کیا "جب تم نے روزمرہ کا لباس اُتار کر احرام باندھا تو کیا بشری صفات سے بھی علیحدگی اختیار کی؟" جواب تھا "نہیں" ارشاد ہوا "تم نے احرام باندھا ہی نہیں" پھر پوچھا "جب تم عرفات میں کھڑے ہوئے تو معرفتِ حق سے بہرہ مند ہوئے؟" جواب ملا "نہیں" فرمایا "پھر تم نے عرفات میں وقوف کیا ہی نہیں" پھر پوچھا جب تم مزدلفہ گئے تو اپنی نفسانی خواہشات سے ہمیشہ کے لئے دستکش ہوکر گئے تھے؟ جواب ملا "نہیں" فرمایا "تم مزدلفہ گئے ہی نہیں" دریافت کیا "خانۂ کعبہ کا طواف کرتے وقت جمالِ حق کا پرتو بھی دیکھا تھا یا نہیں؟" کہا "نہیں" فرمایا "تم نے طوافِ کعبہ کیا ہی نہیں" پھر پوچھا "صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت اس کے مرتبہ و مقام کا فہم و ادراک بھی ہوا تھا؟" جواب دیا "نہیں" فرمایا "تم نے سعی بھی نہیں کی" پھر ارشاد ہوا "منیٰ میں جب تم نے قربانی کی تو اس کے ساتھ اپنی نفسانی خواہشات کو بھی قربان کیا تھا؟" جواب دیا "نہیں" فرمایا "تم نے قربانی بھی نہیں کی" پھر دریافت کیا "جب تم نے سنگریزے پھینکے تو نفس امارہ (بہت زیادہ برائی پر اُبھارنے والا نفس) اور ہوا و ہوس کو بھی کچلا تھا یا نہیں؟" جواب دیا "نہیں" فرمایا "تم نے سنگریزے بھی نہیں پھینکے"۔

آخر میں ارشاد فرمایا "تم نے حج کے آداب و شرائط کو ملحوظ ہی نہیں رکھا، واپس جاؤ اور ان آداب و شرائط کے ساتھ فریضۂ حج ادا کرو"۔

قربانی کی رُوح

اسلام سے پہلے لوگ قربانی کر کے اس کا گوشت بیت اللہ کے سامنے لاکر رکھتے اور اس کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر لتھیڑتے تھے۔ قرآن کریم نے بتایا کہ:

"خدا کو تمہارے اس گوشت اور خون کی ضرورت نہیں، اس کے یہاں تو قربانی کے وہ جذبات پہنچتے ہیں جو ذبح کرتے وقت تمہارے دلوں میں موجزن ہوتے ہیں یا ہونے چاہئیں۔"

قربانی گوشت اور خون کا نام نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کا نام ہے کہ ہمارا سب کچھ خدا کیلئے ہے اور اسی کی راہ میں قربان ہونے کیلئے ہے۔

قربانی کرنے والا صرف جانور کے گلے پر ہی چھری نہیں پھیرتا بلکہ وہ ساری ناپسندیدہ خواہشات اور رسم و رواج کے گلے پر بھی چھری پھیر کر ان کو ذبح کر ڈالتا ہے۔ اس شعور کے بغیر جو قربانی کی جاتی ہے وہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السّلام کی سنت نہیں بلکہ ایک قومی رسم ہے جس میں گوشت اور پوست کی فراوانی تو ہوتی ہے لیکن وہ تقویٰ ناپید ہوتا ہے جو قربانی کی روح ہے

ارشادِ خداوندی ہے:

"اللہ تعالیٰ کو ان جانوروں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ اس کو تمہاری جانب سے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔"

خدا کی نظر میں اس قربانی کی کوئی اہمیت نہیں جس کے پیچھے تقویٰ کے جذبات نہ ہوں۔ خدا کے دربار میں وہی عمل مقبول ہے جس کا محرک خدا کا تقویٰ ہو۔

فرمانِ الٰہی ہے:

"اللہ صرف متقیوں کا عمل ہی قبول کرتا ہے۔"

تعلیم و تربیت

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰـهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۱۳۳)

بھلا اس وقت کیا تم موجود تھے جب یعقوبؑ کو موت آپہونچی، اور اس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے، وہ بولے ہم عبادت کریں گے آپ کے اور آپکے باپ دادوں ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی، اس معبود واحد کی اور ہم تو اس کے حکم بردار ہیں۔

مَانحل والد ولده من نحل افضل من ادب حسن

(ترمذی)

والدین کا بہترین عطیہ اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت ہے۔

علمِ دین کی حقیقت اور اس کا اجمالی نصاب

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ٥

(التوبۃ ـــــ ۱۲۲)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (۱۳۹۶ ھ ۱۳۱۴) نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

"قرآن حکیم نے اس جگہ علمِ دین کی حقیقت اور اس کا نصاب بھی ایک ہی لفظ میں بتلا دیا ہے، وہ ہے لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ یہ موقع بظاہر اس کا تھا کہ یہاں يَتَعَلَّمُوْنَ الدِّيْنَ کہا جاتا، یعنی علمِ دین حاصل کریں مگر قرآن نے اس جگہ تعلّم کا لفظ چھوڑ کر تَفَقُّه کا لفظ اختیار فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ علمِ دین کا محض پڑھ لینا کافی نہیں، وہ تو بہت سے کافر، یہودی، نصرانی بھی پڑھتے ہیں اور شیطان کو بہت زیادہ حاصل ہے بلکہ علم دین سے مراد دین کی سمجھ پیدا کرنا ہے یہی لفظ تَفَقُّه کا ترجمہ ہے ـــــــ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دین کی سمجھ بوجھ صرف اتنی بات سے پیدا نہیں ہوتی کہ طہارت، نجاست، یا نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کے مسائل معلوم کر لے۔ بلکہ دین کی سمجھ بوجھ یہ ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ اس کے ہر قول و فعل اور ہر حرکت و سکون کا آخرت میں اس سے حساب لیا جائے گا، اس کو اس دنیا میں کس طرح رہنا چاہئے، در اصل اسی فکر کا نام دین کی سمجھ بوجھ ہے اسی لئے امام اعظم ابو حنیفہؒ نے فقہ کی تعریف یہ کی ہے کہ انسان ان تمام کاموں کو سمجھ لے جن کا کرنا یا ان سے بچنا اس کے لئے ضروری ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ قرآن کریم نے اس جگہ مجرّد کے صیغہ سے لِيَفْقَهُوا الدِّيْنَ (تاکہ وہ دین کو سمجھ لیں) کی بجائے لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ فرمایا جو باب تفعّل سے ہے اس کے معنی میں محنت و مشقت کا مفہوم شامل ہے، مُراد یہ ہے کہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے میں پوری محنت و مشقت اٹھا کر مہارت حاصل کریں۔

لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ کے ذریعہ علمِ دین حاصل کرنے کے بعد عالم کے فرائض بیان

کر دیئے گئے۔ یعنی "وہ اپنی قوم کو اللہ کی نافرمانی سے بچائیں" یہ انداز یا ڈرانا پوری محبت و شفقت کے ساتھ ہو، لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ عالم اپنی دعوت و تبلیغ کے اثر کا بھی جائزہ لیتا رہے، ایک دفعہ مؤثر نہ ہو تو بار بار کرے تاکہ اس کا نتیجہ يَحْذَرُونَ برآمد ہو سکے، یعنی قوم کا گناہوں سے بچنا۔"

(معارف القرآن ج: ۴ ص، ۴۹۰ تا ۴۹۲)

عِلم ـــــ اسلام کا نقطۂ آغاز

اسلام نے علم کو جو اہمیت دی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے، دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے علم اور جہل کے درمیان خط فاصل کھینچ کر صاف لفظوں میں بتایا کہ:

"آپ کہدیجئے اے نبیؐ! کہ کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟" (الزمر آیت ۹)

حقیقت یہ ہے کہ اوہام و خرافات کے شکنجوں میں اسیر ہو کر کراہنے والی دنیا کو نفس و روح کے کرب اور زندگی کی ظلمتوں سے نکال کر روشنی میں لانیوالی کتاب قرآن مجید ہی ہے جس کے بارے میں پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے ــــــــ اسلام دنیا میں سراپا علم و آگہی بن کر آیا، اس لئے وہ ہمہ گیر انقلاب کا پیامبر ثابت ہوا۔ اس نے اپنے سفر کا آغاز ہی علم اور روشنی سے کیا، حضرت آدمؑ کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذریعۂ علم سے آراستہ فرمایا اور فرشتوں پر ان کے شرف و برتری کا واضح سبب اسی کو قرار دیا، دوسرے مذاہب نے علم کو زندگی کی دوسری ضرورتوں کی طرح محض ایک ضرورت قرار دیا مگر اسلام نے علم کو لازمۂ حیات بنایا، اس کے نزدیک علم محض شعور و ادراک کا نام نہیں ہے بلکہ زندگی کے ان تمام تجربات، مشاہدات، انکشافات اور مدرکات کا نام ہے جو اللہ کی معرفت اور دونوں جہانوں کی سعادت کے حصول کا ذریعہ بنتے ہیں اور انسان میں خودشناسی پیدا کرتے ہیں، اس کی صلاحیت، اس کی اہلیت اور اس کے مقاصد زندگی کا تعین، دائمی کامیابی کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس ملّت کو سب سے پہلا سبق علم کا دیا گیا ہو اور ہادیٔ برحق پر سب سے پہلی وحی بھی اِقرأ (پڑھو) سے شروع ہوئی ہو وہ ملّت علم کے میدان میں سب سے آگے کیوں نہیں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور اس کی تمام موجودات کو اہلِ ایمان کیلئے مسخر کر دیا ہے لیکن ہم اللہ کی عنایت بھول گئے اور دوسری قومیں تسخیر کائنات میں مصروف ہیں، ہمیں کسی لمحہ یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق نے ہمیں علم حاصل کرنے اور علم پھیلانے کی ہدایت فرمائی ہے۔

اس سبق کو ہمیشہ یاد رکھیں۔

ہر ماں اور باپ پر یہ لازم ہے

• بچہ کا ذہن، بچہ کے اخلاق عادات و اطوار، رہن سہن اور اس کا دین ماں باپ کی تربیت اور تعلیم سے متاثر ہوتا ہے، والدین کا جیسا تعلیم و تربیت کا ڈھنگ اور طریقہ ہوگا، اسی طریقہ پر بچہ نشو و نما پائے گا۔ قیامت کے روز باپ سے اولاد کے بارے میں سوال ہوگا کہ تم نے اس بچہ کو کیا کیا تعلیم دی تھی اور کیسی تہذیب اور ادب سکھایا تھا؟ لہذا اولاد کی جسمانی پرورش کے بعد سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ انہیں اس قابل بنائیں کہ وہ خدا کی بارگاہ میں معزز ہوں اور جہنم سے محفوظ رہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن ثابت انصاریؓ نے اپنے لڑکوں کو بلا کر زیتون کا تیل دیا اور فرمایا کہ سر پر اس کی مالش کرو، لڑکوں نے سر پر تیل لگانے سے انکار کیا، راوی کا بیان ہے کہ انہوں نے لکڑی لی اور لڑکوں کو مارنا شروع کیا اور فرماتے تھے کیا تم رسول اللہ صلعم کے تیل لگانے کی سنت سے اعراض کرتے ہو؟ ——— یہ ہے تربیت کا طریقہ اور سنت کی عظمت۔

تربیت کی ذمہ داری ماں پر زیادہ ہے، چوں کہ باپ بیوی اور بچوں کی ضروریات پورا کرنے کی فکر میں کمانے کیلئے باہر چلا جاتا ہے، ماں گھر میں رہتی ہے اس لئے ماں کو چاہیئے کہ اولاد کی تعلیم و تربیت اور ان کی نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھے اور خود بھی دیندار رہے۔ اگر ماں نیک ہے، جھوٹ نہیں بولتی، گالیاں نہیں بکتی، سویرے اٹھ جاتی ہے، نماز کی پابند ہے، قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتی ہے تو بچوں اور بچیوں کے اندر بھی اس قسم کے اوصافِ حمیدہ پیدا ہو جاتے ہیں اور اگر ماں جھوٹ بولتی ہے، بدزبان ہے، بداخلاق ہے اور دین کے احکام پر کاربند نہیں ہے تو بچوں کے اندر بھی یہی بُری خصلتیں پیدا ہوں گی اور بچپن کی یہ برائیاں آخیر عمر تک رہیں گی جن کے بُرے نتائج دنیا و آخرت میں انہیں بھگتنے ہوں گے اور یہ سب گھر کے ماحول کا ثمرہ ہے۔

اس لئے نہایت ضروری ہے کہ ماں باپ خود بھی برائیوں سے بچتے رہیں اور اولاد کو بھی بچاتے رہیں اور انہیں اچھی تعلیم و تربیت دینے کا خاص اہتمام رکھیں۔

عصری اور انگریزی تعلیم
اسلاف کا اندازِ فکر

"آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ میرے اکابرِ سلف نے کسی وقت بھی کسی اجنبی زبان کے سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔
ہاں یہ بیشک کہا گیا کہ انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگ جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں یا حکومت وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لئے جاہل رہنا ہی اچھا ہے، اب از راہِ نوازش آپ ہی انصاف کیجئے کہ یہ تعلیم سے روکنا تھا یا اس کے اثرِ بد سے، اور کیا یہ وہی بات نہیں جس کو آج مسٹر گاندھی اس طرح ادا کر رہے ہیں کہ" ان کالجوں کی اعلیٰ تعلیم بہت اچھی صاف اور شفاف دودھ کی طرح ہے جس میں تھوڑا سا زہر ملا دیا گیا ہو"
خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری قوم کے نوجوانوں کو توفیق دی کہ وہ اپنے نفع وضرر کا موازنہ کریں اور دودھ میں جو زہر ملا ہوا ہے اس کو کسی بھپکے کے ذریعہ سے علیحدہ کرلیں۔ آج ہم وہی بھپکا نصب کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں اور آپ نے مجھ سے پہلے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ بھپکا مسلم نیشنل یونیورسٹی (جامعہ ملیہ اسلامیہ) ہے۔ مطلق تعلیم کے فضائل بیان کرنے کی ضرورت اب میری قوم کو نہیں رہی، کیونکہ زمانے نے خوب بتلا دیا ہے کہ تعلیم ہی سے بلند خیالی اور تدبّر اور ہوش مندی کے پودے نشو ونما پاتے ہیں اور اسی کی روشنی میں آدمی نجات وفلاح کے راستے پر چل سکتا ہے، ہاں ضرورت اس کی ہے کہ وہ تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور اغیار کے اثر سے بالکل آزاد ہو، کیا باعتبار عقائد و خیالات کے اور کیا باعتبار اخلاق واعمال کے اور کیا باعتبار اوضاع واطوار کے ہم غیروں کے اثرات سے پاک ہوں"۔

ماخوذ از خطبۂ صدارت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
بموقع اجلاسِ تاسیسی جامعہ ملیہ اسلامیہ، بمقام مسجد مسلم یونیورسٹی علیگڑھ ۱۹۲۰ء

حکیم الامت کی حکیمانہ باتیں

بچوں کی تادیب کا مسئلہ

معلمِ انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں سے بڑی محبت تھی، ان کے ساتھ شفقت سے پیش آتے، اُن کی دلجوئی فرماتے، انعامات دیتے اور مختلف انداز سے ان کے حوصلے بڑھاتے، آپ نے بچوں کو بڑا پیارا خطاب دیا ہے "وَ اِنَّہُمْ لَمِنْ رَّیحَانِ اللہِ (مشکوٰۃ شریف) یعنی بچے اللہ کے ریحان ہیں۔" ریحان کے معنی خوشبودار پھول کے بھی آتے ہیں اور خدا کی بخشش اور عطیہ کے بھی، اور دونوں معنوں کے لحاظ سے یہاں بات ٹھیک بنتی ہے۔ بچے خدا کے خوشبودار پھول بھی ہیں اور خدا کی بخشش اور عطیہ بھی۔

آج جو بچے ہیں۔ کل یہی بچے قوم وملت کے معمار بنیں گے۔ اس لئے شروع ہی سے ان کی معیاری تعلیم وتربیت کی ضرورت ہے، جس کی ذمہ داری ہم پر ڈالی گئی ہے، ایسی ذمہ داری جس کے بارے میں خدا کے یہاں پوچھ گچھ ہوگی۔ چوں کہ بچوں کا ذہن بچکانہ ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنے نفع و نقصان اور سود وزیاں کے شعور واحساس سے خالی ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں اُن سے ناکردنی افعال کا صدور ہوتا ہے اور کھیل کود میں پڑ کر تعلیم سے بد ذوقی کا بھی ثبوت دیتے رہتے ہیں، بعض والدین اور اساتذہ تو ایسے ہیں کہ وہ اس سلسلہ میں بچوں کو بالکل ڈھیل چھوڑ دیتے ہیں اور مطلق تنبیہ نہیں کرتے خواہ اس میں حد سے بڑھے، لاڈ و پیار کا دخل ہو یا بے حسی کارفرما ہو اور بعض ایسے ہیں کہ بہت زیادہ سختی کرتے ہیں اور غصہ اور طیش میں آکر اتنا مارتے ہیں یا ایسی اندرونی سزا دیتے ہیں کہ اس مار اور سزا میں وہ شرعی، عقلی اور اخلاقی حدود کو بھی پھلانگ جاتے ہیں، بعض اپنے عہدِ طفلی کو فراموش کر کے دل اتنا چھوٹا کر لیتے ہیں کہ ایسے بچوں کی تعلیم وتربیت ہی سے وہ ہاتھ اٹھا لیتے ہیں۔ یہ سب راستے افراط وتفریط کے ہیں جب کہ اسلام کی ہر تعلیم اعتدال پر مبنی ہے، ہم ذیل میں اس تعلق سے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی حکیمانہ باتیں پیش کرتے ہیں جن سے راہِ اعتدال کی تعلیم

ملتی ہے اور بچوں کے مارنے کے بارے میں عام طور پر بے احتیاطی برتی جاتی ہے اس کی سختی کے ساتھ نکیر ہوئی ہے۔ امید کہ والدین، سرپرست، مکتبوں اور مدرسوں کے معلمین واساتذہ خصوصی توجہ دیں گے۔

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں؛

"غضب یہ ہے کہ بعض دفعہ چھوٹوں پر بھی بُری طرح غصہ کیا جاتا ہے اور وہ بالکل بے بس ہوتے ہیں، ان کی طرف سے کچھ بدلہ نہیں ہوسکتا۔ بچوں پر جو ظلم ماں باپ یا اساتذہ صاحبان سے ہوتا ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔ بعضے ماں باپ ایسے قصائی ہوتے ہیں کہ پھول کو اس طرح مارتے ہیں جیسے کوئی جانوروں کو مارتا ہے بلکہ جیسے کوئی چھت کوٹتا ہے اور جو کوئی کہے تو کہتے ہیں کہ ہمیں اختیار ہے۔ ہم اس کے باپ بھی ہیں۔ یاد رکھئے باپ ہونے سے مِلکِ رقبہ (جان کی ملکیت) حاصل نہیں ہوتی ورنہ یہ بھی ہوتا کہ باپ بیٹے کو بیچ لیا کرتا، باپ کا رتبہ حق تعالیٰ نے بڑا بنایا ہے اس واسطے نہیں کہ چھوٹے اس کے ملک ہوں اور اس سے چھوٹوں کو تکلیف پہنچے، بلکہ اس واسطے کہ چھوٹوں کی پرورش کرے۔ اور ان کو آرام دے، ہاں کبھی اس آرام دینے ہی کی ضرورت سے سزا اور تادیب کی حاجت بھی پڑتی ہے اس کی اجازت ہے اور الضروری یتقدر بقدرِ الضرورۃ (ضروری بقدرِ ضرورت ہی ضروری ہوا کرتی ہے) کے قاعدے سے اتنی ہی تادیب (سزا) کی اجازت ہوسکتی ہے جو پرورش اور تربیت میں معین و مددگار ہو، نہ اتنی جو درجۂ ایلام (ستانا اور مصیبت میں مبتلا کرنا) تک پہنچ جائے اور ماں باپ سے ایسی زیادتی قطع نظر گناہ ہونے کے انسانیت اور فطرت کے بھی خلاف ہے، ماں باپ کو تو حق تعالیٰ نے محض رحمت بنایا ہے۔ ان سے ایسی زیادتی ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص انسانیت سے بھی خارج ہے۔

اور میاں جی اور اساتذہ صاحبان کی تو کچھ پوچھئے ہی نہیں، انہوں نے تو یہ مثل یاد کرلی ہے کہ ہڈی ماں باپ کی اور چمڑی استاد کی، کیا یہ کوئی قرآن کی آیت ہے یا حدیث ہے یا فقہ میں کہیں لکھا ہے اور لطف یہ ہے کہ بعض دفعہ غصہ تو آتا ہے بیوی پر۔ کیوں کہ گھر میں لڑائی ہوئی تھی یا اور کسی سے ان بن ہوگئی۔ اب بیوی پر یا اس شخص پر تو کچھ بس چلا نہیں وہ غصہ بچوں پر اُترتا ہے۔ یہ تو عیسائیوں کا کفارہ ہوگیا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔

اساتذہ صاحبان یاد رکھیں کہ قیامت کے دن اس کا بدلہ دینا ہوگا۔ یہاں بچوں کی چمڑی

آپ کی ہے، وہاں آپ کی چمڑی بچوں کی ہوگی۔ کیا تماشہ ہوگا کہ وہ بچے جو ان کے محکوم تھے، ساری مخلوق کے سامنے ان کو پیٹ رہے ہوں گے۔

قطع نظر اس سے ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ زیادہ مارنا تعلیم کیلئے بھی مفید نہیں ہوتا بلکہ مضر ہوتا ہے، ایک تو یہ کہ بچے کے قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں، دوسرے یہ کہ ڈر کے مارے سارا پڑھا لکھا بھی بھول جاتے ہیں، تیسرے جب بچہ پٹتے پٹتے عادی ہو جاتا ہے تو بے حیا بن جاتا ہے۔ پھر پٹنے سے اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا، اس وقت یہ مرض لاعلاج ہو جاتا ہے اور ساری عمر کیلئے ایک بُری عادت یعنی بے حیائی اس کی طبیعت میں داخل ہو جاتی ہے جس کے اصل ذمہ دار ہمارے یہ اساتذہ اور بچوں کے والدین و سرپرست قرار پاتے ہیں۔

(وعظ در جامع مسجد قنوج، جمعہ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مسمّٰی "اوجِ قنوج" صفحہ ۴۷، ۴۸، ۴۹)

علم کی پانچ منزلیں

حضرت فضیل بن عیاض مشہور بزرگ گذرے ہیں، انہوں نے علم کی پانچ منزلیں متعین کی ہیں۔ ان منزلوں سے گذر کر ہی کوئی حقیقی علم کے سرچشمے تک پہنچ سکتا ہے اور اس کے اندر علمی کیفیات و خصوصیات پیدا ہو سکتی ہیں۔

○ پہلی منزل: اَلتَّسَمُّعُ: سُننا ـــــ یعنی دین اور علم دین کی باتوں کو سننے اور سمجھنے کے لئے موقع نکالنا اور اس کو اپنی ایسی ہی ضرورت سمجھنا جیسا کہ کھانا اور پینا۔

○ دوسری منزل: اَلِانْصَاتُ: چُپ رہنا ـــــ یعنی جب سننے کا موقع نکل آئے اور کسی علمی یا دینی مجلس میں حاضری کی سعادت مل ہو تو اس کو غنیمت جان کر علمی اور دینی باتوں کو پوری توجہ اور گوش دل کے ساتھ سننا، خاموش رہنا، باتیں نہیں کرنا۔ اِدھر اُدھر متوجہ نہ ہونا۔ حضرات صحابہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تو وہ ایسے ساکت و صامت رہتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں کہ ذرا سی حرکت سے وہ اُڑ جائیں گے۔

○ تیسری منزل: اَلْحِفْظُ: یاد رکھنا ـــــ یعنی جو باتیں سُنی جائیں وہ فوری فضا میں تحلیل نہ کر دی جائیں بلکہ یاد رکھی جائیں۔ یاد رکھنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ذہن و حافظہ میں محفوظ رکھنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ اس سلسلہ میں حافظہ کو جتنا استعمال کیا جائے گا وہ اتنا ہی مضبوط اور قوی ہوگا اور باتیں صحت اور پختگی کے ساتھ عرصۂ دراز تک یاد رہیں گی ـــــ یہ بھی یاد رکھئے کہ جو لوگ معصیت اور گناہ سے بچتے ہیں اور تقویٰ اور پرہیزگاری کے راستے اختیار کرتے ہیں ان لوگوں کا حافظہ زیادہ مضبوط ہوتا ہے اور جو لوگ گناہ آلود زندگی گذارتے ہیں ان کا حافظہ اتنا ہی کمزور ہوتا ہے۔

یاد رکھنے کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ سُنی ہوئی باتیں ضبط تحریر میں لائی جائیں اور ان باتوں کو وقفہ وقفہ سے دیکھتے اور پڑھتے رہنا چاہیئے تاکہ ذہن میں تازہ رہیں۔ زبانی بھی ان باتوں کا اعادہ اور تکرار ہو اور سب سے سہل نسخہ یہ ہے کہ ایسی باتیں جو زندگی میں برتنے کی ہوں، ان کے مطالعہ میں

آتے ہی یا سنتے ہی عمل شروع کردیا جائے، یاد رکھنے کا اس سے مؤثر طریقہ کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔

○ چوتھی منزل: اَلْعَمَلُ: عمل کرنا ــــــــــ یعنی دینی باتیں جب سنی جائیں اور علم میں آجائیں تو ان پر عمل ضروری ہے۔ حضرت امام رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ ــــــــــ "ایسا نہ ہو کہ تم علم کی چاشنی تو لے لو اور عمل کی تلخی کو چھوڑ دو"

○ پانچویں منزل: اَلنَّشْرُ: پھیلانا ــــــــــ یعنی مسلمانوں کا کام صرف صلاحِ نفس نہیں ہے کہ اپنے آپ کو سدھار لے بلکہ اس کی ذمہ داری اصلاحِ خلق کی بھی ہے یعنی دوسروں کو سدھارنے کی فکر اور کوشش۔ دین کی جتنی باتیں معلوم ہیں انہیں پھیلانے کی پوری کوشش کرنا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "میری ایک بات بھی تم کو معلوم ہو تو دوسروں تک پہنچا دو"

یہ شعار ـــــــ ایمان کا معیار

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! تجھ کو چاہئے کہ تیرا شعار علم اور قرآن ہو ـــــــ (مسند امام اعظمؒ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خطاب فرما کر کس قدر اہم اور ضروری امر کی جانب توجہ دلائی ہے کہ سب سے زیادہ اہم کام یہ ہے کہ علم اور قرآن کو سب کاموں پر اوّلیت دی جائے ۔ واقعہ ہے کہ جب تک علم حاصل نہ کیا جائے گا اس وقت تک اسلام اور تعلیمات و احکامِ اسلام سے واقفیت حاصل نہ ہوگی ۔ علم کے ذریعہ ہی کوئی مسلمان صحیح معنیٰ میں مسلمان ہوسکتا ہے ، ایمان کا علم ، نماز ، روزہ ، زکوٰۃ ، حج کا علم ۔ اسی طرح اسلامی زندگی سے متعلق معاملات کا علم ، جب تک ان سب باتوں کا علم حاصل نہ کیا جائے گا تو کوئی مسلمان کس طرح کہلائے گا ؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا حدیث میں صرف اس قدر نہیں فرمایا کہ علم اور قرآن پڑھا جائے بلکہ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ علم اور قرآن کو "شعار" بنالیا جائے ۔ یعنی تمام اوقاتِ زندگی کو علم اور قرآن پڑھنے اور پڑھانے میں مصروف رکھا جائے ، نہ جاننے والے جاننے والے سے سیکھیں اور جاننے والے نہ جاننے والوں کو سکھائیں ۔ ان میں سے جس کی طرف سے بھی کوتاہی ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں " مجرم " ہوگا ، اور سزا کا سزاوار ٹھہرے گا اور سیکھنے سکھانے کے ذوق اور تڑپ پر انعام اور اجر جزیل کا مستحق قرار پائے گا ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی سے خطاب میں اس کی طرف بھی ہدایت فرمادی گئی کہ طلب علم میں عورت مرد کی تفریق نہیں ہے بلکہ علم حاصل کرنے میں عورت مرد برابر ہیں ، دونوں کو جدوجہد کرنی چاہئے ـــ یہ شعار ایمان کا معیار ہے ، علمِ دین اور قرآن مجید سے والہانہ لگاؤ اور غیر معمولی شغف و تعلق کی بنیاد پر ہی اسلامی سوسائٹی ، غیر اسلامی سوسائٹی سے ممتاز ہوتی ہے ـــــــ کیا یورپی اور عصری علوم کی بھاگ دوڑ اور مادہ پرستانہ ماحول میں مسلمان مردوں اور عورتوں کو اپنے اس " امتیاز " اور " شعار " کا کچھ پاس و لحاظ بھی ہے ـــــــ یاد رکھئے ـــــــ یہ وہ ذمہ داری ہے جس کا ہم سب کو بہر حال جواب دہ ہونا ہوگا ۔

جب بچہ پیدا ہو

نئے پیدا ہونے والے بچوں کی شروع ہی سے ایسی تربیت کی جائے کہ ان کے قلب و دماغ اللہ اور اس کے رسولؐ کی عظمت و محبت سے رنگے ہوئے ہوں، بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی حکیم الحکما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصول وضع فرمائے وہ بھی ایسے فطری اور مؤثر ہیں کہ بغیر کسی مشقت کے بچے کے نشو و نما کے ساتھ ساتھ اس کا ذہنی اور اخلاقی ارتقار خود بخود ہوتا چلا جائے۔

سب سے پہلا کام جو بچے کی پیدائش کے متصل ماں باپ پر لازم کیا وہ یہ ہے کہ اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی جائے، نرے فلسفہ طبعی کے پرستار تو کہیں گے کہ فضول حرکت ہے جو بچہ ابھی اپنی ماں کی زبان بھی نہیں سمجھتا اس کے کان میں " حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح " کے عربی جملے ڈالنے سے کیا فائدہ، مگر حقیقت شناس سمجھتے ہیں کہ یہ الفاظ درحقیقت ایمان کا بیج ہیں جو کان کے راستے سے بچے کے دل میں ڈالا گیا ہے اور یہی بیج پرورش پا کر کسی وقت تناور درخت بنے گا۔

دوسرا کام یہ کہ جب بچہ زبان کھولنے لگے تو اس کو سب سے پہلے اللہ کا نام سکھاؤ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بچوں کی زبان کلمۂ لا الٰہ الا اللہ سے کھلواؤ اور یہی کلمہ موت کے وقت ان کو یاد دلاؤ ــــ ـــ ــــــ (رواہ الحاکم عن ابن عباسؓ از تحفۃ المولود لابن القیم)

گویا دنیا میں دخول و خروج اسی کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہی کے ساتھ ہونا چاہیے۔

پھر جب کچھ سمجھنے بوجھنے کے قابل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت اس کے دل نشیں کرے اور سنت کے مطابق ادب و تہذیب سکھائے۔ بچے کے سامنے جھوٹ بولنے اور غیبت کرنے سے بھی پرہیز کرے کہ بچہ ان بری خصلتوں کا عادی نہ بن جائے۔ بچے کے ہاتھ سے اچھے کاموں میں خرچ کرائے کہ بخل اس کی طبیعت میں جگہ نہ پائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھے اخلاق سے بہتر کوئی اچھی دولت نہیں بخشی اور فرمایا کوئی شخص اپنے بچے کو ادب و تہذیب سکھائے یہ اس سے بہتر ہے کہ ہر روز بقدر ایک فطرہ کے مساکین پر صدقہ کیا کرے۔

(تحفہ بحوالہ معجم طبرانی)

یوسفؑ کیسے ہیں؟

کہو، یوسف کیسے ہیں؟ یہ سوال حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے اس وقت کیا تھا جب یہ بیٹے مصر کے سفر سے لوٹ آئے تھے اور یہ راز ظاہر ہو گیا تھا کہ گم شدہ یوسف ہلاک نہیں ہوئے بلکہ زندہ با کرامت مصر میں موجود ہیں، حضرت یعقوبؑ کی بینائی اپنے چہیتے بیٹے یوسف کی ۴۰ سالہ مفارقت میں ضائع ہو گئی تھی حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو مصر سے رخصت کرتے وقت اپنا ایک کُرتہ دیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ پہنچنے کے بعد یہ کُرتہ والد محترم کے چہرے پر ڈال دینا اس سے ان کی بینائی عود کر آئے گی اور وہ پہلے کی طرح بینا ہو جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ بینا ہو گئے۔ اور بینا ہوتے ہی یعقوبؑ نے بڑی بے تابی کے ساتھ پوچھا، بتاؤ یوسف کیسے ہیں؟ بھائیوں نے بتایا، یوسف۔ ان کا کیا کہنا، اللہ نے ان کو خوب نوازا ہے وہ تو مصر کے بادشاہ ہیں، حضرت یعقوبؑ نے فرمایا، میں تم سے یہ نہیں پوچھ رہا ہوں کہ وہ بادشاہ ہیں یا فقیر؟ پوچھا یہ ہے کہ دین و ایمان اور عمل کے اعتبار سے ان کا کیا حال ہے؟ اور جب حضرت یوسف کے تقویٰ و طہارت اور ایمان و اخلاص کے حالات بتائے گئے تو حضرت یعقوبؑ کو اطمینان ہوا اور ان کے چہرے سے انبساط و مسرت کا نور ظاہر ہوا۔

یہ ہے دراصل دینی و انبیائی مزاج کہ ایسے لوگ جو اپنی اولاد سے محبت اور تعلق تو ضرور رکھتے ہیں مگر صرف ان کو ظاہری اور جسمانی راحت پہنچانے کی حد تک نہیں بلکہ ان کی دینی اور روحانی حالت کی فکر کرتے ہیں۔ اور یہ فکر پہلی فکر پر غالب رہتی ہے جس کا ثبوت سورۂ بقرہ کی آیات ۱۳۰ تا ۱۳۲ سے بھی ملتا ہے۔

آج کل مسلمانوں میں بے علمی اور بے دینی پھیلنے کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ والدین اگر خود دین سے واقف اور دیندار بھی ہوں تو اس کی فکر نہیں کرتے کہ ہماری اولاد بھی دیندار ہو کر دائمی راحت کا مستحق ہو۔ عام طور پر ہماری نظریں صرف اولاد کی دنیوی اور چند روزہ راحت پر رہتی ہے حالانکہ مسلمانوں کیلئے سب سے بڑا سرمایہ ایمان اور عمل صالح ہے۔ اسی لئے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "کوئی والدین اپنی اولاد کو اچھی تعلیم و تربیت سے زیادہ بہتر عطیہ نہیں دے سکتا"۔ آج عصری درسگاہوں میں دین و اخلاق کی تعلیم نہیں ہے۔ ان حالات میں مسلمانوں کو بطور خود معقول نظم کرنا پڑے گا۔ بصورت دیگر انہیں خدا کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا کیوں کہ اس غفلت و تساہل سے قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا، کے حکم خداوندی کی نافرمانی ہوگی۔

صحابۂ کرامؓ پر قرآنِ مجید کا اثر!

- معبودانِ ماسویٰ اللہ سے منہ موڑا، ایک خدائے قدوس سے تعلق جوڑا۔
- اتباعِ ہَوا (خواہشاتِ نفسانی) کو چھوڑا، اتباعِ نبیؐ کو مقصدِ زندگی بنایا۔
- انانیت، غرور، تکبر سے توبہ کی، بے نفسی، منکسرالمزاجی، مساوات کو اپنا شعار بنایا۔
- حسد، کینہ، بغض سے متنفر ہوئے، ایثار اور صاف دلی کو تمغۂ امتیاز بنایا۔
- لعنتِ اختلاف کے جوئے کو اتار پھینکا، رشتۂ اتحاد میں پروئے گئے۔
- دوسرے مسلمانوں کے عیوب سے نظر ہٹ گئی، اپنے عیب و ثواب پر نظر پڑ گئی۔
- تعیشِ دنیاوی نظر سے گر گیا، عزتِ آخرت نظر میں جچ گئی۔
- ریا دل سے نکل گیا، اخلاص دل میں بھر گیا۔
- سستی و کاہلی کافور ہو گئی، قوائے عملیہ میں سیماب کی طرح ایک بے قراری اور ہیجان پیدا ہو گیا۔
- بداخلاقی سے ہٹ گئے، پیکرِ اخلاقِ حمیدہ بن گئے۔
- طوائف الملوکی سے تائب ہو گئے، علمِ رسالت و خلافت کے نیچے جمع ہو گئے۔
- تمام مقاصدِ دنیا ثانوی ہو گئے، اعلاءِ کلمۃ اللہ ان کی زندگی کا مقصدِ اولیں بن گیا۔
- ساری دنیا کی محبت دل سے نکل گئی، ساری دنیا سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی محبت اور پھر اس سے بڑھ کر اللہ کی محبت دِل میں پیدا ہو گئی۔
- اقامتِ وطن گراں گزرنے لگی، اشاعتِ دین کے لئے سفر پیارا ہو گیا۔
- کفر اور شرک سے نفرت ہو گئی، توحید اور سنت کے فدائی بن گئے۔

اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ وَوَفِّقْنَا لِاِشَاعَةِ قُرْاٰنِكَ الْکَرِیْمِ وَاحْفَظْنَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ (اے اللہ ہمیں سیدھے راستے پر چلا، قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی اشاعت کی توفیق مرحمت فرما اور شیطانِ مردود سے ہماری حفاظت فرما)

آپ کا ایک بہترین ساتھی

عربی کا مشہور شاعر متنبیؔ نے کہا ہے ؎

اعز مقام فی الدنی سرج سابح وخیر جلیس فی الزمان کتاب

(ترجمہ) دنیا میں بہترین نشست برق رفتار گھوڑے کی زین ہے اور زندگی میں بہترین ساتھی کتاب ہے،
بات صرف متنبی کی نہیں بلکہ بہت سارے شعراء اور علماء نے کتاب کو اچھا دوست اور بہترین ساتھی قرار دیا ہے، مشہور عالم احمد بن اسمٰعیل کہتے ہیں کہ کتاب ایک ایسا دوست ہے جو آپ کی مشغولیت (مطالعہ) کی حالت میں باتیں چھیڑ کر باعثِ کلفت نہیں ہوتا اور آرام و فراغت کے وقت آپ کو بُلا کر زحمت نہیں دیتا اور جب آپ اس سے ملنا چاہیں تو آپ کو کسی آرائش کی ضرورت نہیں اور کتاب ایک ایسا ہم نشیں ہے جو آپ کو دھوکہ نہیں دیتا اور ایک ایسا رفیق ہے جو باعثِ ملال نہیں ہوتا اور ایک ایسا ناصح ہے جو آپ کو لغزش میں مبتلا نہیں ہونے دیتا۔

ڈاکٹر سیموئل اسمائلز اپنی مشہور کتاب "کیرکٹر" (کردار) میں لکھتے ہیں کہ انسان کی دوستی ناپائیدار ہوتی ہے لیکن کتاب جس طرح ماضی میں دوست تھی اَب بھی ہے اور اسی طرح وہ مستقبل میں اپنی دوستی نباہے گی، اس لئے یہ انسان کے مقابلہ میں بہترین دوست ہے۔ یہ بہت متحمل اور ہنس مکھ ساتھی ہے، یہ پریشان حالی اور درماندگی میں بھی ساتھ نہیں چھوڑتی، اس کا سلوک ہمیشہ مشفقانہ رہتا ہے۔ جوانی میں یہ دِل بہلاتی، علم میں اضافہ کرتی، فکروشعور میں پختگی اور انقلاب لاتی اور بڑھاپے میں راحت وتسکین کا سبب بنتی اور دِل و دماغ کی کائنات میں عصائے پیری کا درجہ رکھتی ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ کتابوں نے انسانوں کی تہذیب پر بڑا اثر ڈالا ہے۔ ان ہی کے سینوں میں انسانی نسلوں کے علمی خزانے محفوظ ہیں، ان ہی میں انسانی کاوشوں، کامیابیوں اور ناکامیوں کی داستانیں ہیں، کتابیں ہر زمانہ میں بڑی محرک رہی ہیں، جنگوں سے زیادہ انقلاب آفرینی کی طاقت ان میں پوشیدہ ہے۔ یہ ایک بہترین ساتھی مخلص رہبر اور مشفق اتالیق کا درجہ رکھتی ہے۔

کتاب سے خطاب کرتے ہوئے شاعر نے کتنی سچی بات کہی ہے ؎

ہو دبستانِ خموشی میں ادب آموز تم اور غم وآلام میں ہو مونس ودلسوز تم

دینی تعلیم کے اساتذہ کا امتیاز!

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ دین کی تعلیم دیتے ہیں اور معلّم دینیات کی حیثیت سے مشہور و معروف ہیں ان کا سب سے بڑا امتیاز بلکہ شعار، اخلاص اور ایثار ہونا چاہیئے اور ان کی نظر اُخروی ثواب اور رضائے الٰہی پر جمی رہنی چاہیئے تاکہ دنیوی اعتبار سے انہیں جو کچھ ملے اس پر قانع اور شکر گذار رہیں، حرص و طمع کی جڑ کٹے اور "ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ" (کچھ اور بھی ہے؟) والے نعرے سے ان کا ذہن اور دل و دماغ پاک اور صاف ہو، اور ان کی دی ہوئی تعلیم کے صحیح نتائج اور برکات سامنے آئیں۔ اس سلسلہ میں اکابر علماء نے جو تاریخ بنائی ہے وہ بڑی ہی نظر افروز اور سبق آموز ہے۔ یہاں ایسی ہی تاریخ کا ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔

مؤرخِ ہند مولانا غلام علی آزاد بلگرامی مآثر الکرام میں بلگرام کے مشہور محدث اور استاذ میر سیّد مبارک (متوفی ۱۱۱۵ھ) کے بارے میں اپنے استاذ میر طفیل محمد بلگرامی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں :۔

"ایک روز میں میر سید مبارک کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ وضو کی تیاری کے لئے کھڑے ہوئے تھے کہ لڑکھڑا کر گر گئے۔ میں نے سنبھالا اور اٹھایا، کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو میں نے سبب دریافت کیا۔ بہت پوچھنے اور سخت اصرار پر فرمایا کہ تین روز سے ایک دانہ مُنھ میں نہیں گیا، میر صاحب نے اس عرصہ میں نہ کسی سے اظہار کیا اور نہ کسی سے کچھ قبول کیا۔ یہ سُن کر مجھے رقت ہوئی۔ فوراً اپنے مکان گیا اور اُستاذ کی مرغوب غذا تیار کروا کر لایا، پہلے تو بڑی بشاشت اور رغبت کا اظہار فرمایا اور رد عادی، پھر فرمایا کہ اگر بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟ میں نے عرض کیا ارشاد ہو! فرمایا کہ ایسے کھانے کو صوفیوں کی اصطلاح میں "طعام اشراف" (جس کی طرف دل لگ گیا ہو اور اس کی امید پیدا ہو گئی ہو) کہتے ہیں، اگرچہ فقہ کی روشنی میں ایسا کھانا جائز ہے اور تین روز کے بعد تو شریعت میں مُردار کا کھانا بھی جائز ہو جاتا ہے لیکن طریق فقر میں طعام اشراف کا کھانا جائز نہیں۔"

میں نے جب یہ ارشاد سنا تو بلا کچھ کہے سُنے مجلس سے اٹھا اور کھانا باہر اُٹھا لایا، کچھ دیر دَرواز کے باہر کھڑا رہا۔ پھر کھانا واپس لے آیا اور عرض کیا کہ جب میں کھانا اٹھا کر باہر گیا تو کیا حضرت کو اس کی واپسی کی توقع تھی؟ فرمایا، نہیں، میں نے عرض کیا اَب تو یہ طعامِ اشراف نہیں رہا۔ حضرت کو میری اس تاویل سے بہت لطف آیا اور فرمایا کہ چوں کہ اَب یہ کھانا خلافِ توقع آیا ہے اس لئے اَب اس کا کھانا میرے لئے جائز ہے، میری ذہانت کی داد دی اور پھر رغبت کے ساتھ تناول فرمایا۔

(مآثر الکرام صفحہ ۹۷، ۹۶، بحوالہ ہندوستانی مسلمان)

یہ واقعہ اگرچہ اپنی نوعیت کا نرالا اور غیر معمولی دلچسپ ہے مگر تعلیمی اور دینی تاریخ میں اساتذہ کے اخلاص و ایثار، زہد و قناعت اور فقر و فاقہ کے اتنے واقعات درج ہیں کہ وہ اس نظامِ تعلیم و تربیّت کی ایک روایت بن گئی ہے، کاش کہ آج کے دینی مدارس و مکاتب کے اساتذہ و معلمین اس روایت کو پھر سے دُہراتے تو ان کا مزاج اور انداز یقیناً عصرِ حاضر کی "لیبر یونین" میں شریک افراد کے مزاج اور انداز سے مختلف ہوتا اور حق جتانے سے زیادہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو اخلاص اور لگن کے ساتھ ادا کرنے کی فکر پیدا ہوتی، یہ فکر موجودہ دینی تعلیم و تربیت کے نظام میں بلاشبہ صالح انقلاب برپا کرسکتی ہے۔

آج تم سے بات کروں گی نہ سلام لوں گی!

"تم نے اللہ میاں سے آج باتیں نہیں کیں، اس لئے نہ میں تم سے بات کرونگی اور نہ تمہارا سلام لوں گی"۔ ــــــ محمد بہادر خاں نواب بہادر یار جنگ مرحوم (۱۹۴۴ــ ۱۹۰۵ء) اپنی کم سنی کے زمانے میں کسی دن معمول کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتے اور اس دن نانی صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوکر سلام کرتے تو ان کی نانی ان سے یہ جملہ فرمایا کرتی تھیں۔ جس میں محبت آمیز خفگی بھی تھی، بلا ناغہ پابندی کی ہدایت بھی تھی اور آئندہ کے لئے جن خطوط اور بنیادوں پر ان کے فکر و نظر اور ذہن و دماغ کو تشکیل دینا تھا اس کی طرف اشارہ دینا بھی تھا۔

یہ واضح رہے کہ نواب بہادر یار جنگ کی پیدائش کے صرف ایک ہفتہ بعد ہی ان کی والدہ محترمہ دارِ فانی سے رحلت کر گئی، ان کی رحلت کے بعد سے (۱۴) سال تک وہ اپنی نانی صاحبہ کے زیر تربیت رہے، نانی صاحبہ دیندار اور خدا ترس خاتون تھیں اور دل و جان سے چاہتی تھیں کہ ان کا ہونہار اور ذہین نواسہ مذہبی اور دیندار بنے، اس لئے وہ ہمیشہ اپنے نواسے کو مذہبی زندگی گذارنے اور پابندی کے ساتھ نماز اور قرآن پڑھنے کی ہدایت کرتی رہتی تھیں، یہ ہدایت کس درجہ بار آور اور نتیجہ خیز ثابت ہوئی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ مرحوم کی مجلس میں جب کبھی مادری تربیت کی اہمیت کا ذکر آتا تو نانی صاحبہ والا مذکورہ واقعہ ضرور بیان فرماتے اور یہ کہتے کہ "میرے اندر جو کچھ ہے وہ اسی چودہ (۱۴) سال کی کمائی کا حاصل ہے"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کی زندگی پر ابتدائی تعلیم و تربیت کا بڑا اثر ہوتا ہے، خصوصیت کے ساتھ سات سال سے چودہ سال کا جو ابتدائی زمانہ ہے وہ نہایت اہم ہوتا ہے۔ مذکورہ واقعہ یہ بھی بتاتا ہے کہ بڑوں کو بڑا بنانے میں گھر کی صالح اور نیک خاتون (والدہ، نانی دادی وغیرہ) کا کتنا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

تلاوتِ قرآن کا حق

قرآنِ حکیم کی تلاوت ہمارے دین میں اعلیٰ درجہ کی عبادت شمار ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تلاوت کے وقت ایک ایک حرف پر دس دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ ایک اور ارشاد میں آپؐ نے تلاوتِ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی قرار دیا ہے۔ فرمایا کہ جتنی دیر بندہ تلاوت میں مصروف رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جانب متوجہ رہتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ فضائل درجہ کمال میں اسی شخص کو ملتے ہیں جو صحیح معنوں میں تلاوتِ کلام پاک کا حق ادا کرتا ہے۔

قرآنِ پاک کا حقِ تلاوت کیا ہے؟ اس سوال کا جامع جواب دیا جائے تو کہا جائے گا کہ یہ حق تین حصوں میں تقسیم ہے:

حقِ ظاہر، حقِ باطن اور حقِ عمل۔

حقِ ظاہر یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کو صحتِ لفظی کے ساتھ پڑھا جائے اور حروف کو اُن کے صحیح مخارج سے نکالنے کا ملکہ بہم پہنچایا جائے۔

حقِ باطن یہ ہے کہ الفاظ کی ادائی کے ساتھ ساتھ ان کا مفہوم سمجھنے کی بھی کوشش کی جائے، یہ بھی معلوم رہے کہ جو کچھ پڑھ رہا ہوں اس کا مطلب کیا ہے اور یہ کلام پاک مجھ سے تقاضا کس کس بات کا کرتا ہے۔ اس مقصد کے لئے خود اس زبان کی تحصیل کرلی جائے جس میں قرآنِ حکیم نازل ہوا ہے۔ پھر تو کیا ہی کہنے ہیں۔ لیکن اگر اس کی ہمت نہ ہو تو اس سلسلہ میں مستند ترجموں اور تفسیروں سے معتمد علماء کی نگرانی میں مدد حاصل کی جائے۔

حقِ عمل یہ ہے کہ اسے پڑھنے اور سمجھنے کے بعد اس پر عمل بھی کیا جائے کیوں کہ اس کا مقصدِ نزول تبھی پورا ہوتا ہے جب انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسی سے روشنی حاصل کی جائے۔

ہماری شخصی و قومی نجات کا دارومدار اسی بات پر ہے کہ ہم قرآنِ حکیم کی تلاوت کے یہ تینوں حقوق کہاں تک ادا کرتے ہیں؟

عالِم کا سونا عبادت کیوں؟

از: فقیہ الامت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، سرپرست دارالعلوم دیوبند۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے سوال کیا: "حضرت حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عالِم کا سونا بھی عبادت ہے مگر اس کا عبادت ہونا سمجھ میں نہیں آتا؟ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا: "جب ایک بڑھئی کسی کا دَروازہ بنا رہا ہوتا ہے تو اسے کام کے دَوران اپنے بعض اوزار کو گھسنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اوزار کے تیز ہو جانے کے بعد وہ تیزی اور خوبی کے ساتھ کام کر سکے۔ اوزار کو تیز کرنے کے وقت وہ دَروازہ نہیں بناتا ہے مگر اس کا یہ وقت بھی اسی میں شمار ہوتا ہے اور مزدوری نہیں کاٹی جاتی۔ اسی طرح ایک عالِم بھی تو اسی لئے سوتا ہے تاکہ سونے کے بعد اس کی تھکن اور اضمحلالی دُور ہو اور نشاط و انبساط کے ساتھ دین کی خدمت کر سکے، آخر اس صورت میں اس کا سونا کیوں نہ عبادت قرار دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی مزدوری کیوں کاٹی جائے جب کہ ایک انسان دوسرے انسان پر جتنا مہربان ہوتا ہے اس سے بے حد و حساب زیادہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔"

(مذاکراتِ دکن، حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب ص: ۲۷، ۲۸، مطبوعہ کراچی)

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋
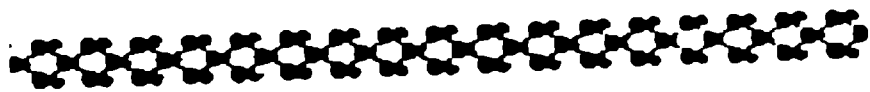
عِلم کا کرشمہ

ایک سوال پر آپ غور کریں وہ یہ کہ انسان اور تمام دوسری مخلوقات کے درمیان کیا فرق ہے کہ خداوند عالم نے اسے اشرف المخلوقات کہا ہے اور اس کی تخلیق پر فخر و مباہات بھی کرتا ہے؟ آخر اس نے ملائکہ سے یہ کیوں کہا کہ وہ آدم کا سجدہ کریں؟ آخر کیا وجہ ہے کہ جس بارِ امانت کو اٹھانے سے پہاڑ اور دریا عاجز تھے۔ خداوند عالم نے اسے انسان کے سپرد کر دیا؟ خالق کائنات سے انسان کی قربت و نزدیکی کا سبب کیا ہے اور دنیا و آخرت میں انسان کی کامیابی اور مختلف اقوامِ عالم کی ترقی کا راز کیا ہے؟۔

اگر ان سوالات کے جواب میں یہ کہا جائے کہ یہ سب عِلم کا کرشمہ ہے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ دراصل انسانی سعادت و خوش بختی اور عظمت و سربندی میں علم کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، اسی وجہ سے پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں پر حصولِ علم کو واجب قرار دیتے ہیں۔

علم کا مقصود خداوند عالم کو قرار دینا چاہیئے تاکہ وہ عالم کو خداوندِ عالم کی طرف راغب کر سکے اور اگر ایسا نہ ہوا تو علم حجابِ اکبر کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ علم و عمل اور تعلیم کے ساتھ پاکیزگی کا ہونا ضروری ہے لیکن عمل صالح اور پاکیزگی نفس کی بنیادی شرطِ علم ہے بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ علم تمام چیزوں کا مقدمہ وپیش لفظ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں انسانوں منجملہ مسلمانوں کی تمام بدبختی و پسماندگی کا بنیادی سبب ان کی جہالت ہے۔ لہذا یہ صاحبانِ علم کا فریضہ ہے کہ جاہل اور غیر پڑھے لکھے لوگوں کو عِلم کی دولت سے مالا مال کرنے کیلئے آگے بڑھیں اور انہیں بھی صاحب عِلم بنانے کی سنجیدہ کوشش ایک تسلسل کے ساتھ کرتے رہیں۔

****

دینی مدارس
علامہ اقبالؒ کی نظر میں!

مشہور ادیب اور شاعر حکیم احمد شجاع، علامہ اقبالؒ کے دیرینہ نیاز مند تھے، انہوں نے اپنی کتاب "خون بہا" میں علامہ اقبال کے بارے میں بھی اپنی بعض یادداشتیں قلمبند کی ہیں، اس کتاب میں انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک مجلس میں میں نے دینی مکاتب و مدارس کا تذکرہ کیا تو علامہ اقبال نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے بڑی دردمندی اور دلسوزی کیساتھ فرمایا:

"جب میں تمہاری طرح جوان تھا تو میرے قلب کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی میں بھی وہی کچھ چاہتا تھا جو تم چاہتے ہو۔ انقلاب! ایک ایسا انقلاب جو ہندوستان کے مسلمانوں کو مغرب کی تہذب اور متمدن قوموں کے دوش بدوش کھڑا کر دے۔ یورپ کو دیکھنے کے بعد میری رائے بدل گئی ہے۔ ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہیں مکتبوں میں پڑھنے دو۔ اگر یہ مُلاّ اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگر ہندوستان کے مسلمان ان مکتبوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح جس طرح ہسپانیہ میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمراء اور بابُ الاخوتین کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش ہی نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلّی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔"

(اوراقِ گم گشتہ، از رحیم بخش شاہینؔ، صفحہ: ۲۷۵-۲۷۴)

دینی مدارس کا فیضِ عام

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ دینی مدارس، ملتِ اسلامیہ کا دھڑکتا ہوا دل ہے۔ وہ دل جسکی دھڑکن زندگی کی علامت ہے اور جس کی خاموشی موت کی خاموشی بن جاتی ہے، دِل اگر پورے جسم میں خون پہونچاتا ہے اور اسے سرگرم اور زندہ رکھتا ہے تو یہ دینی مدارس امتِ مسلمہ کو داعی اور ترجمان فراہم کرتے ہیں جن کی وجہ سے امّت کا وجود متحرک، زندہ اور فعال رہتا ہے، تمام دینی جماعتوں اور اداروں کو یہیں سے کمک اور رسد پہنچتی ہے۔ خطیب ہوں یا واعظ، استاذ ہوں یا مصنف، مفتی ہوں یا قاضی، امام ہوں یا امیر یا کوئی مستند دینی خدمت گذار، سب اسی چمن کے کھلائے رنگا رنگ ہوتے ہیں۔ دینی مدارس کی اہمیت اور ضرورت ہر دور میں رہی ہے، وہ خلفائے راشدین کا دَور ہو یا آج کا پُر فتن دور، خصوصیت کے ساتھ ہندوستان میں اس کی ضرورت اور بڑھ جاتی ہے، جہاں آئے دن اسلام اور اسلامی علوم و آثار کو مٹانے اور نیست و نابود کرنے کی تحریکیں اٹھتی اور اُبھرتی رہتی ہیں، یہ دینی مدارس ہی ہوتے ہیں جو زبردست دفاع اور نگہبانی کا کام کرتے ہیں۔ دینی مدارس کی برکت اور کوششوں کا نتیجہ ہے کہ یہاں اسلام زندہ اور تابندہ ہے۔ اسپین وغیرہ ممالک پر صدیوں تک مسلمانوں کی حکمرانی رہی مگر جیسے ہی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلی وہاں سے مسلمانوں کا وجود غائب ہو گیا اور آج اندازہ لگانا مشکل ہے کہ وہاں کبھی مسلمان کروفر کے ساتھ فرمانروائی کرتے رہے تھے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہاں "دینی مدارس" کا کوئی نظام نہ تھا مگر ہندوستان میں دینی مدارس کا جال پھیلا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم دین سے وابستہ ہیں، بلاشبہ دینی مدارس دین کے مضبوط قلعے ہیں۔ جس کی حفاظت و نگہداشت کی ذمہ داری "امتِ مسلمہ" پر عائد ہوتی ہے۔

✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻
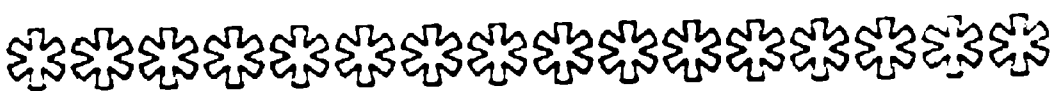
علم، باغِ زندگی کی ہے بہار

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے، اللہ تعالیٰ نے ہمہ جہتی صلاحیتوں سے نوازا تھا، زبان وادب میں صحت ودرستی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ شعر وشاعری کا بھی بڑا پاکیزہ ذوق تھا، مولانا مرحوم نے ۱۳۵۶ھ میں رنگون سے اپنے بچوں کے نام ایک منظوم خط تحریر فرمایا تھا جس میں علم کی فضیلت پر بڑی خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، ہم اسے پرانے ذخیرہ سے "قند مکرر" کے طور پر پیش کر رہے ہیں ——— (م۔ ر)۔

اے عزیز و باتمیز و باوقار — خوش نصیب و نیک بخت و بختیار
حق تعالیٰ تم کو رکھے عمر بھر — کامیاب و کامران و کامگار
علم کی کچھ خوبیاں لکھتا ہوں اب — غور سے اِن کو پڑھو اے نامدار
علم سے ہوتا ہے انساں محترم — علم سے ہوتا ہے انساں باوقار
علم سے ہے آدمیت کا فروغ — علم باغِ زندگی کی ہے بہار
علم سے ہوتی ہے شہرت دہر میں — علم ہے عالم کا سچا اشتہار
علم کر دیتا ہے انساں کو حلیم — علم سے ہوتا ہے انساں بُردبار
علم سے رنگین ہو جاتی ہے رُوح — علم کر دیتا ہے دل کو پُربہار
علم روحانی مزوں کا ہے کفیل — آسمانی رحمتوں کا ذمہ دار
بختِ خفتہ جاگتا ہے علم سے — علم سے ہوتا ہے غافل ہوشیار
علم کرتا ہے معطر رُوح کو — علم کیا ہے؟ جنتی میووں کا ہار
علم کیا ہے؟ آدمیت کا بناؤ — علم کیا ہے؟ آدمیت کا سنگار
علم کیا ہے؟ ایک لعلِ بے بہا — علم کیا ہے؟ ایک دُرِّ شاہوار
علم کیا ہے آدمیت کا شرف — علم کیا ہے؟ آدمیت کا وقار
علم کیا ہے؟ ایک لطفِ پُرنشاط — علم کیا ہے؟ ایک لطفِ پُربہار
علم کیا ہے؟ کل جہاں کا ماحصل — علم کیا ہے؟ انتخابِ روزگار
علم کیا ہے؟ رازدانِ کائنات — حُسنِ فطرت کا حقیقی رازدار
علم کے جھولوں میں شوق و ذوق سے — جھولتے ہیں لطف فضلِ کردگار
علم کے نغموں سے ہو کر مست وخوش — جھومتی ہے رحمتِ پروردگار

کون لکھ سکتا ہے ساری خوبیاں
علم ہے دریائے ناپیدا کنار

حفاظ وقت
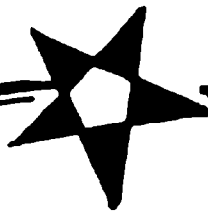
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ
[المومنون: ۳]
اور جو لغو بات سے برکنار رہنے والے ہیں
مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ
[ترمذی]
انسان کے ایمان کی خوبی یہ ہے کہ وہ لالعنی اور غیر ضروری چیزوں سے پرہیز کرے۔

غنیمت جانئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔ جوانی بڑھاپے سے پہلے، صحت مرض سے پہلے، دولت غربت سے پہلے، فراغت مشغولیت سے پہلے، زندگی موت سے پہلے ——— (مشکوٰۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں وقت کی قدر و قیمت، اہمیت و نزاکت کو بڑے دل نشین انداز میں سمجھایا ہے، وقت بہت بڑی نعمت ہے، اس نعمت سے خدا نے ہر شئی کو نوازا ہے، وقت کی مختلف خصوصیتیں ہیں، ان خصوصیتوں کی وجہ سے وقت بہت اہم اور قیمتی سرمایہ بن جاتا ہے، سب سے پہلی خصوصیت تو یہی ہے، کہ یہ بہت قیمتی مگر عام نعمت ہے، ہر فرد و بشر کو خدا نے "برابر وقت" سے نوازا ہے، شاہ ہو یا گدا، امیر ہو یا فقیر ہر ایک کی رات اور دن ۲۴ گھنٹے ہی کا ہوتا ہے۔ وقت کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ لوٹ کر نہیں آتا، ہر نئی صبح، ایک رات اور ہر نئی شام، ایک دن ہم سے چھین لیتی ہے اور اسی قدر موت سے قریب کر دیتی ہے۔ تمام خصوصیتوں میں یہ وقت کی سب سے اہم خصوصیت ہے، آدمی جب وقت کی قدر کرتا ہے اور اسے کام میں لاتا ہے تو بڑے سے بڑا کام انجام پاتا ہے پھر جب وہ اپنے کئے ہوئے کاموں پر نظر ڈالتا ہے تو یقین نہیں آتا کہ اتنا بڑا کام اس مختصر وقت میں کیسے انجام پا گیا، اور جو انسان وقت کو چھوڑ دیتا ہے اس کے پاس سے وقت اس طرح دبے پاؤں گذر جاتا ہے کہ احساس تک نہیں ہوتا۔ ایسا لگتا ہے کہ پلک جھپکتے ۲۴ گھنٹے گذر گئے۔

یہ بھی روشن حقیقت ہے کہ وقت کسی کا انتظار کرتا ہے نہ رعایت، وہ رواں دواں ہے، اسے گذرنے سے مطلب ہے وہ ہرگز یہ نہیں دیکھتا کہ کون چھوٹ گیا اور کون لڑھک گیا ہے؟

وقت کی ان ہی خصوصیات اور قدر و قیمت کی وجہ سے حضورؐ نے فرمایا کہ "ان (مذکورہ) پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو"۔ یقیناً جب اچھا وقت گذر جائے گا اور برا وقت آئے گا تو اس وقت افسوس کرنے اور ہاتھ ملنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ماضی گذر چکا، مستقبل کا کوئی بھروسہ نہیں۔ حال ہی سب کچھ ہے۔ انسان کو جو کچھ کرنا ہے وہ اسی میں کر سکتا ہے۔ یاد رکھئے! اگر آپ نے وقت کو صحیح مصرف میں نہیں گذارا تو وقت بے رحمی کے ساتھ آپ کو روند کر نکل جائے گا اس لئے کہ وہ کسی کی رعایت کرتا ہے نہ انتظار!

اَب ہم ۱۴۰۰ھ میں ہیں۔ ایک سَال بعد پندرھویں صَدی کا آغاز ہو جائے گا۔ غور کیجئے!
ایک پر ایک سَال گذرتے جارہے ہیں، زمین کی گردش جَاری ہے، ہر ایک گردش مکمل ہونے کے بعد ٹھیک اسی طرح نیا سَال سَامنے آجاتا ہے جیسے میٹر میں پرزہ کی گردش مکمل ہونے کے بعد ہندسے بڑھتے رہتے ہیں۔ ٹیکسی کا مسافر خواہ ٹیکسی کھڑی کئے ہوئے ہو یا اسں کو اَلل ٹپ راستوں پر دَوڑا رہا ہو بہرحَال اس کا میٹر چلتا رہتا ہے اور میٹر کے ہندسے ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶ کی رفتار سے بدلتے رہتے ہیں۔ کچھ ایسَا ہی حَال مہینوں اور سَالوں کا ہے۔ ہم خواہ بیٹھے ہوں یا بے مقصد کاموں میں مصروف ہوں، ہر حَال میں وقت گذرتا رہتا ہے اور کیلنڈر کے ہندسے بَدل بَدل کر آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا، البتہ ہر سَال ایک گنتی کا اضافہ یہ اعلان کرتا ہے کہ ہم ایک سَال اور پیچھے ہو گئے اگرچہ بہت سے لوگ اس خود فریبی میں مبتلا رہتے ہیں کہ ہماری عُمر میں ایک سَال کا اور اضافہ ہوا جب کہ فی الحقیقت ایک سَال کی عمر میں کمی ہوتی ہے۔

ٹیکسی اگر اپنے مسافر کو لے کر صحیح منزل کی طرف چل رہی ہو تو میٹر میں ہندسوں کی تبدیلی سفر کی تکمیل کا نشان ہے لیکن اگر وہ غلط راستوں میں بھٹک رہی ہو تو وہ صرف اس بات کا اعلان ہے کہ مسَافر اپنی منزل سے دور ہوتا جارہا ہے۔

پھر کتنے ہیں ایسے لوگ جو اپنی زندگی کی گاڑی کو صحیح منزل کی طرف دوڑا رہے ہیں یعنی یہ سمجھتے ہوں کہ بچپن گیا تو اَب کہاں؟ جوانی ختم ہوئی تو بہار گئی، بڑھاپا آیا تو پیامِ موت لایا۔

وقت کی اہمیت

ڈیلی میل (لندن) مورخہ ۳ مارچ میں ایک گننے والے نے گن کر اور جوڑ کر بتایا ہے کہ:

برطانیہ میں اس وقت کھانے پینے کے سامان کی دکانیں چھ لاکھ ہیں، ان کے سامنے ہر گھر گرہستی والی خاتون کو اس وقت ایک گھنٹہ روزانہ انتظار میں کھڑا رہنا ہوتا ہے، گرہستی والیوں کی تعداد اس وقت ایک کروڑ ہے تو اس حساب سے قوم کے دس کروڑ گھنٹے روزانہ انتظار میں ضائع ہو جاتے ہیں، ان دس کروڑ گھنٹوں کے سال بنائیے، ۱۱۴۰۰ سال ہوتے ہیں گویا قوم کے ہاتھ سے ۱۱۴۰۰ سال کی روزانہ اضاعت! زندہ قوم کی ایک ایک چیز زندہ ہوتی ہے، اپنے منٹوں اور گھنٹوں کا یہ حساب رکھنا برطانوی قوم کی موت و پستی کی نہیں، زندگی و حرکت کی دلیل ہے۔

یہ ایک بالکل الگ سوال ہے کہ جس چیز کو وہ کام کی سمجھ رہے ہیں خود اس کا کیا وزن اور کیا وقعت، آخرت کی میزان میں ہے؟ ہم آپ کبھی نہیں سوچنے بیٹھتے ہیں کہ ہمارے وقت کا روزانہ کتنا حصہ، کتنے گھنٹے اور منٹ اور سکنڈ محض بیکاری کی نذر ہوتے رہتے ہیں؟ دین و آخرت نہ سہی دنیا کے ہی کس کارآمد مشغلہ میں ان کا شمار ہو سکتا ہے؟ یہ شطرنج اور یہ تاش، یہ فلش اور برج، یہ کیرم اور پچیسی آخر کس حساب میں لکھے جائیں گے؟ یہ گھوڑ دوڑ کے دیکھنے اور طرح طرح کی بازیوں میں عمر عزیز کی جتنی گھڑیاں بے دردی سے صرف ہو رہی ہیں، یہ زندگی کے کن مرحلوں کو طے کریں گی؟ اور یہ محض ہنسی اور تمسخر کی محفلیں، یہ سرگرم غیبتیں اور دل آزاریاں، یہ تہمتیں اور مبالغہ آرائیاں آخر کس کام آنے والی ہیں؟ اخلاق کو کہاں تک سنوارتی ہیں؟ —— ہر روز ہم میں سے ہر فرد کا کتنا وقت ضائع ہوتا ہے اور پھر ہر ہفتہ، ہر مہینہ، ہر سال اس کی میزان کہاں تک پہنچتی ہے؟ اور پھر عمر کے خاتمہ پر کس قیامت کی حسرت اس وقت ہوگی جب یہ آج کے بے دردی سے ضائع کئے ہوئے وقت کے تودے اور پہاڑ برسوں اور سالہا سال کی شکل اختیار کئے ہوئے ملیں گے؟ بھگتنا بہر حال ہر شخص کو اپنا ذاتی حساب ہوگا، ورنہ قوم کی قوم، ملت کی ملت کے تضییع وقت کا حساب جوڑنے کوئی بیٹھے تو حساب لگے یا نہ لگے بہر حال سر تو چکرانے ہی لگے گا۔

—— (منقول از صدق جدید لکھنؤ ۲۱ اپریل ۱۹۴۶ء)

آپ ایک تجربہ کیجئے

ہو سکتا ہے کہ آپ دُکاندار ہوں یا کسی کارخانہ کے مالک ہوں، کسی بڑے فرم کے نگراں ہوں، کسی دفتر یا مدرسہ میں کارکن ہوں، کسی عہدہ پر فائز ہوں، غرض یہ کہ اس زندگی میں کوئی بھی ذمہ داری آپنے سنبھال رکھی ہو، آپ کو ہر وقت افکار گھیرے رہتے ہیں۔ بہت سے کاموں کا بوجھ آپ کے سر پر ہوتا ہے، ایسے حالات میں اکثر لوگوں کا ذہن اُلجھا ہوا رہتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی کوئی کام چھوٹ جاتا ہے اور کبھی کسی کام کی طرف پوری طرح توجہ دینے کا موقع نہیں ملتا، اس پریشانی کو کم کرنے کیلئے آپ ایک تجربہ کیجئے۔ ہر روز دس منٹ اس بات پر صرف کیجئے کہ کل کے دن آپکا تفصیلی پروگرام کیا ہوگا؟ آپ کیا کام کریں گے؟ کہاں جائیں گے؟ کس کس سے ملیں گے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس سلسلہ میں آپ "ڈائری" یا کیلنڈر کے یادداشت کے خانے سے کام لے سکتے ہیں۔

اگر آپ نے ایسا کر لیا تو آپ محسوس کریں گے کہ ایک نئی تازگی اور چستی آپکے اندر پیدا ہوگئی ہے اور آپ اپنے کو ہلکا پُھلکا محسوس کریں گے۔ کوشش کیجئے کہ آپ اپنے سوچے ہوئے تفصیلی پروگرام کے مطابق اپنے کام پورے کرسکیں اور پھر دوسرے دن شام کو جب آپ جائزہ لیں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ نے معمول سے زیادہ کام انجام دیئے ہیں۔ اور آپ کا ذہنی بوجھ بہت کم ہوگیا ہے۔ وقت کی قدر کرنیوالے اور اپنے کاموں میں ترتیب و تنظیم کا لحاظ رکھنے والے بہت سی پریشانیوں سے بچ جاتے ہیں۔

قیمتِ غمِ حیات کی تو دام دام لے!

لمحے کو زندگی کے لئے کم نہ جانئے　　لمحہ گزر گیا تو سمجھئے صدی گئی

اگر ایک انسان کے پاس ایک ہی روٹی ہو اور خود اس کو اور اس کے بچوں کو فاقہ درپیش ہو تو بچوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنے کی غلطی کبھی نہیں کرے گا، اگر ایک مسافر کے پاس پانی کی ایک ہی چھاگل ہو اور اس کو صحرا کا سفر درپیش ہو تو وہ اس پانی کو پاؤں دھونے پر کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کا ایک ایک قطرہ اپنی زندگی بچانے کیلئے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے گا۔ اگر کسی کے ترکش میں ایک ہی تیر ہو اور راستے میں اُسے شیر یا بھیڑیئے سے دوچار ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ یہ حماقت کبھی نہیں کرسکتا کہ وہ اس ایک ہی تیر کو گیدڑوں اور لومڑیوں کے شکار پر ضائع کر دے بلکہ وہ اس کو اصل خطرہ کی مدافعت کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کرے گا۔

لیکن حیرت ہے کہ وہی انسان جو اپنی ایک روٹی، اپنے ایک چھاگل پانی اور اپنے ترکش کے ایک تیر کے مصرف کو متعین کرنے میں اتنا محتاط ہے جب اس کے سامنے خود اپنی زندگی جیسی بیش بہا قیمتی چیز کے مصرف کے متعین کرنے کا سوال آتا ہے تو وہ بالکل ہی نادان بن جاتا ہے، وہ اشرفیاں تو لٹاتا ہے اور کوئلوں پر مہر کرتا ہے۔ جواہرات دیتا ہے اور سنگ ریزے خرید تا ہے، کانٹوں کو چنتا ہے اور پھولوں کو پھینک دیتا ہے جو ظاہر ہے کسی عقلمند اور دانا آدمی کا یہ کام نہیں۔

کاش انسان اپنے وقت کی قیمت کو پہچانتا۔
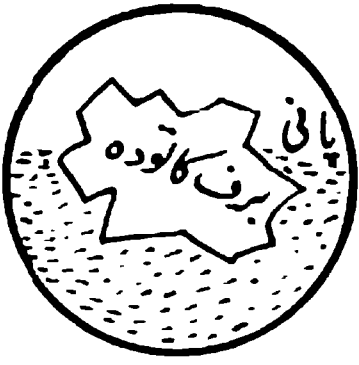
نظر نہ آنے والا نقصان!

اُوپر کی تصویر کو غور سے دیکھئے جس میں پانی اور برف کا تودہ دکھایا گیا ہے، سرد علاقوں میں بڑی مقدار میں پانی جم کر اس طرح کی برفانی چٹانوں کی شکل میں سمندر میں بہتا رہتا ہے، ان برفانی تودوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کا بیشتر حصہ نظروں سے اوجھل ہوتا ہے کیونکہ برفانی تودے کے ۹ حصوں میں سے آٹھ حصے پانی کی سطح کے نیچے ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں اور صرف ایک حصہ اوپر تیرتا رہتا ہے۔

اِسی طرح زندگی کے بہت سے معاملات ہیں جن کا وہ حصہ بہت تھوڑا ہے جو نظر آتا ہے اُس کے مقابلہ میں وہ حصہ زیادہ ہے جو نظر نہیں آتا، مثلاً ایک شخص ٹرین سے فرسٹ کلاس میں سفر کر رہا ہے، وہ جب اپنے خرچ کا اندازہ کرنا چاہے گا تو صرف ٹکٹ، کھانا اور قلی وغیرہ کے اخراجات کو شمار کرے گا اور وہ یہ بھول جائے گا کہ اس نے ایک اور چیز صَرف کی ہے اور وہ ہے پیداواری وقت، کیوں کہ ریل کے سَفر میں اس کے جتنے گھنٹے صَرف ہوئے ان میں وہ کوئی دوسرا کام کر سکتا تھا۔

فرض کیجئے، ایک شخص ہے جو ۶۵۰ روپے ماہانہ کماتا ہے۔ اگر مہینہ میں ۱۲۵ گھنٹے کام کے شمار کئے جائیں تو اس کے ایک گھنٹے کی قیمت پانچ روپے ہوئی، اب اگر ریل کے سفر میں وہ پورا ایک دِن گذارتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنا ۱۲۰ روپے کا وقت خرچ کیا۔ یہ نظر نہ آنے والے اخراجات ہیں، اس کے ساتھ ٹکٹ وغیرہ کے نظر آنے والے اخراجات کو جوڑ دیئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہوائی جہاز کا سفر اگرچہ بظاہر مہنگا ہے۔ مگر بعض اوقات وہ حقیقتاً کم خرچ ہوجاتا ہے، عام طور پر لوگ اسی خرچ کو جانتے ہیں جو بظاہر دکھائی دے مگر حقیقت یہ ہے کہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جو خرچ نظر آتا ہے اس سے زیادہ وہ خرچ ہوتا ہے جو نظر نہیں آتا، اگر آپ روزانہ اپنے پانچ گھنٹے اِدھر اُدھر گنوا دیتے ہیں اور کون ہے جو ایسا نہیں کرتا، تو آپ یہی سمجھیں گے کہ میں نے پانچ گھنٹے صَرف کئے۔ لیکن اگر آپ آئندہ پچیس سال تک صحت وطاقت کے ساتھ زندہ رہیں اور اس پورے عرصہ میں روزانہ پانچ گھنٹے اسی طرح ضائع کرتے رہیں تو جوڑیئے کہ آپ اپنی قیمتی زندگی کے کتنے گھنٹے گنوائیں گے، پورے ۴۵ ہزار گھنٹے۔

کتنے لوگ ہیں جو اس نظر نہ آنے والے نقصان کو جانتے ہوں؟

اے انسان! وقت کی قیمت پہچان

- میں اس بات کو بہت معیوب سمجھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی لایعنی زندگی بسر کرے، نہ وہ دنیا کیلئے کوئی عمل کرے نہ آخرت کیلئے۔ ——— (حضرت عمر فاروقؓ)
- فرصتِ عمر نعمتِ مغتنم ہے، ضائع کوئی لمحہ نہ ہونا چاہیئے، ساری عمر تحصیلِ کمال یا تکمیل ہی میں بسر ہونا چاہیئے۔ ——— (مولانا اشرف علی تھانویؒ)
- جو زمانہ گذر چکا وہ تو ختم ہو چکا اس کو یاد کرنا عبث ہے اور آئندہ زمانہ کی طرف امید کرنا بس امید ہی ہے، تمہارے اختیار میں تو وہی تھوڑا وقت ہے جو اس وقت تم پر گزر رہا ہے، بس اس کی قدر کرلو۔ (مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ)
- بچپن گیا تو اب کہاں؟ جوانی ختم ہوئی تو بہار گئی، بڑھاپا آیا تو پیامِ موت لایا، غرض عمرِ عزیز بہت محدود شئے ہے اور اس کی قدر و قیمت حسنِ استعمال پر موقوف ہے۔ ——— (مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ)
- زندگی کے جو لمحات بھی میسر ہوتے ہیں وہ اپنے فرائض اور اپنی ذمہ داریاں ساتھ لاتے ہیں۔ اس وجہ سے جو فرض رہ گیا وہ گویا ہمیشہ کیلئے رہ گیا، اگر اس کو اس کے اصلی وقت کے بعد پورا کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ اس کے مساوی یا اس سے بھی زیادہ بھاری دوسرے کسی فرض کو اس کی خاطر قربان کیا جائے۔ ——— (مولانا امین احسن اصلاحی)
- آدمی کو تھوڑے سے وقت میں بہت زیادہ کام کرنا ہے، آدمی اگر اس حقیقت کو جان لے تو وہ اپنے اوقات کے معاملہ میں بے حد سنجیدہ ہو جائے، نہ صرف غیر ضروری بلکہ کم ضروری کاموں سے بھی دور رہ کر وہ صرف انتہائی ضروری کاموں میں مشغول رہے۔ ——— (مولانا وحید الدین خاں)
- وقت کم ہے اور کام بہت، نہ مجھ میں یہ قوت ہے کہ سورج کو ٹھہرا کر دن کو بڑھا دوں نہ یہ طاقت کہ سورج کو نکلنے سے باز رکھ کر رات کو وسعت دے دوں۔ ——— (سر سید احمد خاں مرحوم)
- جو لوگ کاموں میں مصروف رہتے ہیں ان کے پاس اس کا وقت کہاں کہ دوسروں کی ٹوہ میں رہیں، ان پر نکتہ چینی کریں اور ان پر تہمت دھریں، جو لوگ اپنے فرائض کو ایمان داری کے ساتھ انجام دیتے ہیں، جو فرائض کا حق ادا کرتے ہیں ان کے ذہن اور زبان کے دامن لغویات اور خرافات سے لامحالہ بچے رہتے ہیں۔ ——— (جناب سید حامد، سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

یہ وقت کہاں جاتا ہے؟

میر اکبر حسین الہ آبادی نرے شاعر نہ تھے، مصلح، معلم اور مزکی بھی تھے، ان کے ایک ہونہار صاحبزادے ہاشم نامی تھے، لڑکپن میں ہی انتقال کر گئے، حضرت اکبرؔ ان سے بہت مانوس تھے اور حد درجہ چاہتے تھے، ایک روز ان سے پوچھا، میاں یہ تو بتاؤ یہ وقت جو چلا جاتا ہے آخر کہاں چلا جاتا ہے، روز کہا کرتے ہو کہ وقت گزر گیا، چلا گیا، وہ زمانہ رخصت ہو گیا ——— سوال کر کے پھر خود ہی بتایا کہ وقت اللہ کے پاس چلا جاتا ہے اور وہیں جمع ہو جاتا ہے، آج جمعہ گیا، کل سنیچر جائے گا اور پرسوں اتوار۔ یہ سب اسی طرح اللہ کے پاس جمع ہو جاتے ہیں، قیامت کے دن اللہ میاں وقت کو حکم دیں گے پھر سے آجا، بس یہ سارا وقت جو جمع ہو تا رہا ہے باہر نکل آئے گا اور جو کچھ وقت کے اندر کیا گیا ہے وہ سب آپ ہی آپ اس کے ساتھ باہر نکل آئے گا ——— خوب غور کر کے دیکھئے آپ جو کچھ بھی کرتے ہیں سب وقت ہی کے اندر تو کرتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں، چلتے ہیں، سوتے ہیں، پڑھتے ہیں، لکھتے ہیں سب کچھ وقت ہی کے اندر تو کرتے ہیں اگر وقت کے اندر واقعات کا گذر نہ ہو تو خود وقت کے گذرنے کے کوئی معنی ہی نہ رہ جائیں، پس وقت کا اعادہ جب کبھی بھی ہو گا تو مع اجزائے وقت کے ہو گا۔

اب ذرا حشر کے دن کا تصور کیجئے، آج کا دن وہاں پیش ہوا ہے اور آج کے دن کے پیشی کے ساتھ ہی ہماری ساری تباہ کاریاں جو ہم نے آج کے دن کی تھیں وہ وہاں بھرے مجمع میں دوست دشمن سب کے سامنے پیش کر دی جائیں گی، فلاں کی غیبت کی، فلاں کی زبان درازی کی، فلاں پر ہاتھ چلا بیٹھے، فلاں سے فلاں معاملہ میں جھوٹ بولے، فلاں مزدور کی مزدوری مار لی، فلاں وقت کی نماز ٹال گئے، یہ ساری زندگی جسے ہم اپنے ذہن سے مدت ہوئی نکال چکے تھے از سر نو بالکل تازہ ہو کر ہمارے سامنے آگئی ہے، کسی کا بیان اور کسی کی روایت نہیں ہے خود ہم اپنے تئیں ٹھیک وہی کرتے ہوئے پا رہے ہیں، جہنم کی سختیوں کو چھوڑ کر شدائد یوم حشر کا ذکر نہیں، فرشتوں کا عذاب الگ رہا۔ آج اپنی خود داری اور عزتِ نفس کا وظیفہ دن رات ورد زبان رہتا ہے کل کی اس عالمگیر رسوائی سے کوئی پناہ دے سکے گا؟ ———

(مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)

سمندر کی دو اشرفیاں

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے، لندن کے ایک کالج میں بہت سے طالب علم پڑھتے تھے، چینی بھی تھے، جاپانی بھی تھے، مصری بھی تھے، ہندوستانی بھی تھے، جرمنی بھی تھے اور فرانسیسی بھی تھے ایک روز کالج کے پروفیسر نے سب لڑکوں کو جمع کر کے پوچھا، بتاؤ اگر سمندر میں دو اشرفیاں گر پڑیں اور ڈوب جائیں اور ان کے نکالنے میں دس اشرفیاں خرچ ہوتی ہوں تو ان اشرفیوں کو نکالنا چاہیئے یا نہیں اور دو اشرفیوں کے لئے دس اشرفیاں خرچ کرنے چاہئیں یا نہیں؟

تمام ملکوں کے لڑکوں نے ایک زبان ہو کر کہا، دو اشرفیوں کے لئے دس اشرفیاں خرچ کرنا بڑی بے عقلی ہے مگر جرمن لڑکے نے کہا اگر دو اشرفیوں کو نکالنے میں دس ہزار اشرفیاں خرچ کرنی پڑیں تب بھی کچھ مضائقہ نہیں، سب لڑکے اس جواب سے حیران ہو گئے اور کہنے لگے یہ لڑکا بڑا ہی بے وقوف ہے ——— آخر میں استاذ جرمن لڑکے سے مخاطب ہوئے اور پوچھا تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟

لڑکے نے کہا۔ ——— دو اشرفیاں جو سمندر میں ڈوب گئیں وہ انسان کے قبضہ سے نکل گئیں اور ضائع ہو گئیں اور کسی کے کام کی نہ رہیں لیکن ان کے نکالنے میں جو دس ہزار اشرفیاں خرچ ہوں گی وہ انسان کے قبضہ سے باہر نہیں جائیں گی، کیوں کہ غوطہ خور وغیرہ جن کو یہ دو اشرفیاں نکالنے کی اجرت میں یہ دس ہزار اشرفیاں دی جائیں گی وہ ان دس ہزار اشرفیوں کو کھا نہیں جائیں گے بلکہ ہمارے ہی بازاروں میں ان کو خرچ کر دیں گے، گویا یہ دس ہزار اشرفیاں خود واپس ہو کر ہماری ہی جیب میں واپس آجائیں گی اور ان دس ہزار اشرفیوں کے طفیل وہ دو اشرفیاں بھی سمندر کی تہہ سے باہر نکل کر زندگی کے چلن میں شریک ہو جائیں گی جن کا سمندر کی تہہ میں پڑا رہنا انسانوں کے لئے کچھ بھی مفید نہ تھا۔

استاد جرمن طالبِ علم کے اس جواب سے بہت خوش ہوئے، شاباشی دی، اس کے دوسرے ساتھی نے بھی اس کے اس حسابی مزاج اور نکتہ رس ذہن پر رشک اور تعجب خیز مسرت کا اظہار کیا۔

آج فرد اور قوم کی سطح پر کتنے لوگ ہیں جو نفع و نقصان کے بارے میں اس باریک بینی کا ثبوت دیتے ہوں، وقت اور دولت کی اشرفیاں غفلت کے سبب ضائع ہو رہی ہیں مگر کسی کو فکر نہیں ■■

وقت، انسان کا اصل سرمایہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں بہت تھوڑے وقت کیلئے پیدا فرمایا ہے اور ہر انسان ایک مختصر سی زندگی لے کر آتا ہے، اس زندگی میں جتنا وقت وہ اللہ کی عبادت اور اس کی فرمانبرداری میں گذارے بہتر ہے، اپنے وقت کی قیمتی دولت کو لغو و بیہودہ اور فضول مشاغل میں برباد کرنا بڑی بدنصیبی کی بات ہے۔ ایک حدیث میں ہے "دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگ دھوکے میں مبتلا ہیں، ایک تندرستی اور دوسری فراغت۔" (بخاری)

حقیقت یہ ہے کہ تندرستی اور فراغت دونوں عظیم نعمتیں ہیں مگر بسا اوقات یہ نعمتیں اچانک چھین لی جاتی ہیں اُس وقت انسان کو اس کی قدر معلوم ہوتی ہے، ایک دوسری حدیث میں مزید وضاحت سے حضورؐ نے فرمایا: —— "پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو۔ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، بیماری سے پہلے تندرستی کو، فقر و افلاس سے پہلے مالداری کو، تفکرات میں پھنسنے سے پہلے فراغت کو اور موت سے پہلے زندگی کو" —— (ترمذی)

واقعہ یہ ہے کہ انسان کا اصل سرمایہ اور رأس المال اس کا وقت ہی ہے اور دنیا در حقیقت آخرت کی کھیتی ہی ہے، چنانچہ جو شخص اپنے سرمائے کو صحیح طور پر استعمال کرے گا وہ فائدے میں رہے گا اور جو اسے فضول و برباد کرے گا وہ گھاٹے اور نقصان میں رہے گا۔ حدیث میں ہے "جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اللہ کو یاد نہ کرے تو اس کی یہ نشست بڑی حسرت اور خسران کا سبب ہوگی اسی طرح جو شخص لیٹے اور اس میں اللہ کو یاد نہ کرے تو یہ لیٹنا اس کے لئے بڑی حسرت اور نقصان کا سبب ہوگا۔" (ابو داؤد) —— ایک اور حدیث میں ہے کہ آخرت میں اہلِ جنّت اگر کسی بات پر افسوس کریں گے تو وہ افسوس صرف ان لمحات پر ہوگا جو انہوں نے دنیا میں اس طرح گذارے ہوں گے کہ ان میں اللہ کو یاد نہ کیا ہوگا۔"

وقت کی قدر ہر سعادت و برکت کا دروازہ کھولتی ہے اور اس کی ناقدری بلاؤں مصیبتوں اور ناکامیوں کو دعوت دیتی ہے۔

معاشرت

يَاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ
قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا
خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ
نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ
بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ [الحجرات ۱۱]

اے ایمان والو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ ان سے
بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ ان
سے بہتر ہوں، اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک
دوسرے کو برے القاب سے پکارو ایمان کے بعد
گناہ کا نام ہی برا ہے، اور جو اب بھی
توبہ نہ کریں گے، وہی ظالم
ٹھہریں گے۔

ان خیارکم احاسنکم اخلاقا [بخاری]

درحقیقت تم میں کا سب سے بہتر وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے سب سے بہتر ہو،

معاشرتی زندگی ـــــــ ایک جامع ہدایت

"اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ کرو اور حسنِ سلوک رکھو۔ والدین کے ساتھ اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور پاس والے پڑوسی اور دُور والے پڑوسی اور ہم مجلس اور راہ گیر کے ساتھ اور جو تمہاری ملک میں ہے ان کے ساتھ، قطعاً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے (اور) شیخی کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا" ـــــــ (النساء آیت ۳۶)

معاشرتی زندگی کا نقطۂ آغاز ازدواجی زندگی ہے، چنانچہ اس سے پہلے چند رکوع میں ازدواجی زندگی کے احکام بیان کئے گئے ہیں اور اس کو خوشگوار اور پر لطف بنانے کی تاکید کی گئی ہے، اب اس آیت میں ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں، رشتہ دار پڑوسیوں، اجنبی پڑوسیوں، ساتھیوں، دوستوں، مسافروں، باندیوں، غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس بیان کو توحید کے ذکر سے شروع کیا گیا ہے، کیوں کہ قرآن کا تصور ہے کہ توحید زندگی کی بنیادی حقیقت ہے اور اسی سے انسانی زندگی کے ہر شعبہ کا آغاز ہونا چاہیے۔ ورنہ زندگی کی شاخوں میں باہمی ربط قائم نہیں ہوگا اور کسی بات کی بھی چول نہیں بیٹھے گی۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ بندوں کے حقوق کی ادائی کا عطف توحیدِ الٰہی پر ہے جس سے ظاہر ہے کہ "دینِ حق" دو چیزوں کا نام ہے، اللہ کی لاشریک بندگی اور بندوں سے حسنِ سلوک، اس تعلیم و ہدایت پر عمل کئے بغیر کسی صالح، پُرامن اور شائستہ معاشرہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اگر معاشرہ کا ہر فرد "حقوق مانگنے" کی بجائے "حقوق ادا کرے" تو اس کے حقوق خود بخود ملتے رہیں گے، آج اس کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی روشنی میں

انسانی تمدن و اخلاق کے چودہ بنیادی اصول

(۱) صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کی جائے اور اقتدار اعلیٰ میں اس کے ساتھ کسی کی شرکت تسلیم نہ کی جائے۔

(۲) تمدن میں خاندان کی اہمیت ملحوظ رکھی جائے، اولاد والدین کی فرماں بردار و خدمت گذار ہو اور رشتہ دار ایک دوسرے کے ہمدرد و مددگار ہوں۔

(۳) سوسائٹی میں جو لوگ غریب یا معذور ہوں یا جو لوگ اپنے وطن سے باہر مدد کے محتاج ہوں وہ بے وسیلہ نہ چھوڑ دیئے جائیں۔

(۴) دولت کو فضول ضائع نہ کیا جائے جو مالدار اپنے روپئے کو بُرے طریقے سے خرچ کرتے ہیں وہ شیطان کے بھائی ہیں۔

(۵) لوگ اپنے خرچ کو اعتدال پر رکھیں، نہ بخل کرکے دولت کو روکیں اور نہ فضول خرچی کرکے اپنے لئے اور دوسروں کے لئے مشکلات پیدا کریں۔

(۶) رزق کی تقسیم کا قدرتی انتظام جو خدا نے کیا ہے انسان اس میں اپنے مصنوعی طریقوں سے خلل نہ ڈالے، خدا اپنے انتظام کی مصلحتوں کو جانتا ہے۔

(۷) معاشی مشکلات کے خوف سے لوگ اپنی نسل کی افزائش نہ روکیں، جس طرح موجودہ نسلوں کے رزق کا انتظام خدا نے کیا ہے، آنے والی نسلوں کے لئے بھی وہی انتظام کرے گا۔

(۸) خواہشِ نفس کو پورا کرنے کے لئے زِنا کا راستہ بُرا راستہ ہے، لہذا نہ صرف زِنا سے پرہیز کیا جائے بلکہ اس کے قریب جانے والے اسباب کا دروازہ بھی بند ہونا چاہیئے۔

(۹) انسانی جان کی حرمت خدا نے قائم کی ہے، لہٰذا خدا کے مقرر کردہ قانون کے سوا کسی دوسری بنیاد پر آدمی کا خون نہ بہایا جائے نہ کوئی اپنے آپ کو قتل کرے، نہ کسی دوسرے کو قتل کرے۔

(۱۰) یتیموں کے مال کی حفاظت کی جائے جب تک وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہوں، ان کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔

(۱۱) عہد و پیمان کو پورا کیا جائے، انسان اپنے معاہدات کیلئے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

(۱۲) تجارتی معاملات میں ناپ تول ٹھیک ٹھیک راستی پر ہونا چاہیئے۔ اوزان اور پیمانے صحیح رکھے جائیں۔

(۱۳) جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کی پیروی نہ کرو، وہم اور گمان پر نہ چلو، کیوں کہ آدمی کو اپنی تمام قوتوں سے متعلق خدا کے سامنے جواب دہی کرنی ہے کہ اس نے انہیں کس طرح استعمال کیا ـــــــــــــــــــــــ

(۱۴) نخوت اور تکبر سے پرہیز کرو، غرور کی چال سے نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو، نہ پہاڑوں سے اونچے ہو سکتے ہو۔

یہ (۱۴) اصول جو معراج میں سورۂ بنی اسرائیل کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے تھے، ان کی حیثیت صرف اخلاقی تعلیمات ہی کی نہ تھی، دراصل یہ اسلام کا مینی فسٹو تھا اور وہ پروگرام تھا جس پر آپ کو آنے والے زمانے میں سوسائٹی کی تعمیر کرنی تھی۔ معراج میں یہ ۱۴ نکات اور اصول مقرر کرنے کے ساتھ ہی اللہ نے تمام پیروانِ اسلام کیلئے پانچ وقت کی نماز فرض کی تاکہ جو لوگ اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اُٹھیں۔ ان میں اخلاقی انضباط پیدا ہو، اور وہ خدا سے غافل نہ ہونے پائیں۔ ہر روز پانچ مرتبہ ان کے ذہن میں یہ بات تازہ ہوتی رہے کہ وہ خود مختار نہیں ہیں بلکہ ان کا حاکمِ اعلیٰ خدا ہے جس کو اپنے کام کا حساب دینا ہے۔

(ماخوذ' از نشری تقریر س)
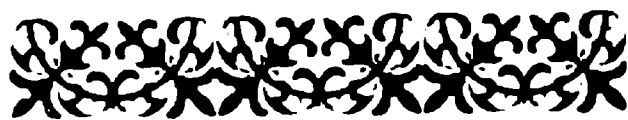
قرآنی ہدایات

ذیل میں معاملات و معاشرت سے متعلق چند آیتوں کا ترجمہ دیا جا رہا ہے، انہیں غور سے پڑھ کر اپنی زندگی کا جائزہ لیجئے اور اس کی روشنی میں جو کچھ داغ دھبے نظر آئیں انہیں دُور کر لیجئے:

○ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اُڑاؤ ——— (البقرہ ۱۸۸)

"اکلِ باطل" میں جُوا، غصب، حق تلفی وغیرہ کے ساتھ وہ مال بھی باطل ہی کے حکم میں آجاتا ہے۔ جو اس مال کے مالک سے بغیر اس کی خوش دِلی کے حاصل کیا جائے یا مالک اگرچہ اسے خوش دِلی سے دے رہا ہو لیکن خود شریعت نے اس مد کو ناجائز قرار دیا ہو۔ شادی بیاہ کے موقع پر کہیں تلک اور کہیں گھوڑے جوڑے وغیرہ کے نام پر جو رقم یا سامان لیا جاتا ہے وہ "اکلِ باطل" ہی میں داخل ہے۔

○ اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ کرو اور حسنِ سلوک رکھو والدین کے ساتھ اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور پاس والے پڑوسی اور دُور والے پڑوسی اور ہم مجلس اور راہ گیر کے ساتھ اور جو تمہاری مِلک ہے ان کے ساتھ، قطعاً اللہ ایسوں کو دوست نہیں رکھتا جو خود بیں ہیں، شیخی کرنے والے ہیں ——— (النساء ۳۶)

حُسنِ سلوک اور ادائے حقوق کی ایسی جامع تاکیدی اور بے نظیر تعلیم دنیا کی کسی دوسری آسمانی کتاب میں نہیں ملے گی، چہ جائیکہ اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور کا ذکر کیا جائے ——— پھر ہمارا عمل اس پر کہاں تک ہے؟

○ اور عورتوں کا (مَردوں پر بھی) حق ہے جیسا کہ عورتوں پر (مَردوں کا) حق ہے، موافق دستور شرعی کے ——— (البقرہ ۲۲۸)

○ "اور بیویوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گذر بسر کیا کرو" (النساء ۱۹)

شوہر کو یہ ایک اہم ہدایت دی گئی ہے جس کا اسے پاس و لحاظ رکھنا چاہیئے ایک حدیث کے بموجب شوہر کو چاہیئے کہ بیوی کی کسی ایک یا چند بُرائیوں کی وجہ سے دِل بُرا نہ کرے بلکہ اس کی خوبیوں اور اچھائیوں پر نظر رکھ کر عفو و درگذر سے کام لیتے ہوئے خوش اسلوبی سے گذر بسر کی کوشش کرے۔

اعمال کے خواص و اثرات

"اللہ آپ (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہرگز رُسوا نہ کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ اُٹھاتے ہیں، بے روزگاروں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، حق کے معاملہ میں جو حوادث پیش آتے ہیں ان میں پیش پیش رہتے ہیں۔" (بخاری جلد اول)

ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ نے ان چند جملوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تسلّی دی تھی جب کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پہلی وحی نازل ہونے کے بعد غارِ حرا سے گھبرائے ہوئے تشریف لائے اور نزولِ وحی کی عجیب وغریب کیفیت سے متاثر ہوکر اپنی جان کا خطرہ ظاہر فرمایا۔

موصوفہؓ نے مذکورہ اوصاف واعمال گِنا کر یہ استدلال کرنا چاہا ہے کہ جو شخص ان اوصاف کا حامِل اور اس قسم کے اعمال بجالانے والا ہو۔ اللہ کے دستور کے مطابق وہ رُسوا اور ذلیل نہیں ہوتا آپ میں چوں کہ یہ اوصاف واعمال پائے جاتے ہیں اس بنا پر آپ بھی ذلت ورُسوائی کے خطرات سے محفوظ ہیں ۔

اِس استدلال سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلاؤں کو دور کرنے، زندگی کی دشواریوں پر قابو پانے اور بقا کی جدوجہد میں کامیابی حاصِل کرنے کے لئے وہ اوصاف فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں جن کا تعلق دوسروں کو فائدہ پہنچانے سے ہے۔ جس طرح اچھے اوصاف واعمال کے خواص واثرات ہیں اسی طرح بُرے اعمال کے بھی ہیں جو کبھی جلدی اور کبھی دیر میں اور کبھی موت کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔ زندگی ایک تسلسل کا نام ہے جو موت پر ختم نہیں ہوتی بلکہ ایک دَور گذرنے کے بعد موت سے زندگی کا دوسرا دَور شروع ہوتا ہے، عذاب وثواب، جنت ودوزخ دَراصل اچھے بُرے اعمال و اَوصاف ہی کے نتائج ہیں۔

جنّت والے

امام نسائیؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک بار تین دن تک مسلسل ہوتا رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں یہ فرماتے کہ اب تمہارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہلِ جنت میں سے ہے، ہر بار یہ آنے والے انصار میں سے ایک شخص ہوتے۔

یہ دیکھ کر عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کو جستجو ہوئی کہ آخر وہ کونسا عمل کرتے ہیں جس کی بنا پر آپؐ نے ان کے بارے میں بار بار یہ بشارت سنائی ہے۔ چنانچہ وہ ایک بہانہ کرکے گئے اور تین روز تک مسلسل ان کے یہاں رات گذارتے رہے، ان کا خیال تھا کہ وہ شاید کوئی خاص عبادت کرتے ہوں گے جس کی وجہ سے اُن کو یہ مقام مِلا، مگر ان کی عبادت اور شب گذاری میں کوئی غیر معمولی چیز ان کو دکھائی نہ دی، آخر انہوں نے خود ہی ان سے پوچھا کہ بھائی! آپ کونسا ایسا عمل کرتے ہیں جس کی بنا پر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے آپکے بارے میں یہ عظیم بشارت سُنی ہے —— انہوں نے کہا، میری عبادت کا حال تو وہی ہے جو آپنے دیکھا، البتہ ایک بات شاید اس کا سبب بنی ہو، اور وہ یہ کہ:

لَا اجد فی نفسی غلاًّ لاحدٍ من المسلمین
ولا احسُدہٗ علیٰ خیرٍ اعطاہ اللہ تعالیٰ

یعنی "میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کوئی کینہ نہیں رکھتا اور نہ کسی ایسی بھلائی پر جو اللہ نے اسے دی ہو، اس سے حسد کرتا ہوں"

آپکے دل میں کسی سے نفرت ہو، غم و غصہ ہو، حسد اور بغض ہو۔ آپکے یہ جذبات اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ البتہ آپ خود مبتلائے اذیت رہیں گے، ذہنی سکون اور دل کا چین آپ کو ہرگز نصیب نہ ہوگا۔ یہ آپ کے لئے سزا ہے جو برابر آپ کو ملتی رہے گی۔ آپ کسی سے محبت کریں، اس کے بارے میں اچھا سوچیں اور یگانگت اور میل جول کی فضا پیدا کریں تو آپ کو اپنے ان جذبات کا فائدہ ہاتھوں ہاتھ ملے گا، آپ خوش رہیں گے، افکار اور پریشانیوں سے آپ کا دل خالی رہے گا اور ایک عجیب مسرت آپ کے حصہّ میں آئے گی، یہ آپ کا انعام ہے جو یقیناً آپ کو ملے گا۔

رِزق کی فراخی اور عُمر کی دَرازی کا نُسخہ

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو کوئی یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور کشادگی ہو اور دنیا میں اس کے آثارِ قدم تا دیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو) تو وہ اہل قرابت کے ساتھ صِلہ رحمی کرے"۔ ——— (بخاری۔ مسلم)

تشریح: اللہ کی کتاب قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں یہ حقیقت جابجا بیان فرمائی گئی ہے کہ بعض نیک اعمال کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی برکتوں سے نوازتا ہے۔

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ صلہ رحمی یعنی اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک وہ مبارک عمل ہے جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق میں وسعت اور عمر میں زیادتی اور برکت ہوتی ہے۔ صلہ رحمی کی دو ہی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اہل قرابت کی مالی خدمت کرے، دوسرے یہ کہ اپنے وقت اور اپنی زندگی کا کچھ حصہ ان کے کاموں میں لگائے، اس کے صِلہ میں رزق و مال میں وسعت اور زندگی کی مدت میں اضافہ اور برکت بالکل قرینِ قیاس اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت کے عین مطابق ہے۔

اسبابی نقطۂ نظر سے بھی یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے۔ یہ واقعہ اور عام تجربہ ہے کہ خاندانی جھگڑے اور خانگی الجھنیں جو زیادہ تر حقوق قرابت ادا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں آدمی کیلئے دلی پریشانی اور اندرونی کڑھن اور گھٹن کا باعث بنتی ہیں اور کاروبار اور صحت ہر چیز کو متاثر کرتی ہیں لیکن جو لوگ اہل خاندان اور اقارب کے ساتھ نیکی اور صِلہ رحمی کا برتاؤ کرتے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھتے ہیں ان کی زندگی انشراح و طمانیت اور خوشدلی کے ساتھ گذرتی ہے اور ہر لحاظ سے ان کے حالات بہتر رہتے ہیں اور فضلِ خداوندی ان کے شاملِ حال رہتا ہے۔

کیسے تھے یہ لوگ !

حضرت علیؓ ہمیشہ کوشش کرتے کہ سلام کرنے میں پہل کریں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار بھی یہی تھا کہ سلام میں پہل کیا کرتے تھے، جو سلام میں پہل کرے گا وہ زیادہ ثواب حاصل کرے گا، یہ بھی ضروری نہیں کہ دن میں ایک مرتبہ سلام کر کے آدمی سمجھ لے فرض ادا ہو گیا، صحابۂ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ ساتھ مل کر چلتے ہوئے اگر راستے میں کوئی درخت آجاتا، ٹیلہ ٹبہ مل جاتا، ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے تو جیسے ہی یہ آڑ نکل جانے کے بعد ملتے ایک دوسرے کو فوراً سلام کیا کرتے تھے، کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ سلام کو رواج دینے سے محبت پیدا ہوتی ہے اور خلوص و یگانگت کے ساتھ ایک آدمی دوسرے سے قریب ہوتا ہے۔ ایک دن حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کا آمنا سامنا ہوا لیکن خلافِ معمول حضرت علیؓ نے سلام میں کچھ دیر لگا دی، اتنی دیر کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو سلام میں پہل کرنے کا موقع مل گیا، اللہ کا منشا یہ تھا کہ یہ بات بھی ظاہر ہو جائے کہ ایسا کیوں ہوا؟

چنانچہ اللہ کے رسولؐ نے حضرت علیؓ سے وجہ پوچھی، حضرت علیؓ نے جواب دیا "یا رسول اللہ! میں نے کل رات خواب میں ایک محل دیکھا، پوچھا کہ یہ کس کیلئے ہے؟ مجھے جواب ملا کہ جو شخص اپنے ساتھی کو پہلے سلام کرے یہ اس کیلئے ہے، پھر فرمایا، میرا جی چاہا، اگر یہ بات ہے تو یہ محل کیوں نہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مل جائے۔ بس یہ خواہش تھی کہ میں نے سلام میں اتنا وقت لیا کہ پہل حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف سے ہو جائے، ویسے تو میرا معمول سلام میں پہل کرنے کا ہے ہی۔

اللہ اللہ! کیا شخصیتیں تھیں، محبت، اخلاص، ایثار ان ہی کے نام سے زندہ ہیں، حضرت ابو بکرؓ حضرت علیؓ سے کوئی تیس برس عمر میں بڑے تھے، اس لئے حضرت علیؓ ان کا بڑا احترام کرتے تھے، یہ اسی احترام اور محبت کا نتیجہ تھا کہ ایثار کا خیال ان کے دل میں آیا، ادھر حضرت ابو بکرؓ باوجود عمر کے اس فرق کے حضرت علیؓ کا بڑا احترام کرتے تھے کہ اُن سے ہمیشہ مشورہ لیتے اور ان کی رائے کو محبوب رکھتے تھے ــــ افسوس کہ بڑوں کی شفقت اور چھوٹوں کا احترام اٹھتا جا رہا ہے جس سے شکایتوں کا دروازہ کھلتا جا رہا ہے اور دل ایک دوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ ایثار کے بجائے استحصال کا جذبہ فروغ پا رہا ہے اور آج کا انسان خود غرضی کی تنگنائیوں میں بند نظر آرہا ہے جس کے نتیجہ میں وہ ہر اس حق و انصاف کو بھی اپنے قول و عمل سے پامال کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے اس کا مفاد ٹکراتا ہوا نظر آتا ہے، مذکورہ بالا واقعہ اس ذہنیت کے خلاف ایک عظیم چیلنج ہے۔ اور خلوص، محبت اور ایثار کے بھولے ہوئے سبق کو یاد دلاتا ہے۔ ●●

کثرتِ کلام اور لایعنی گفتگو کا بُرا اثر

تجربہ ہے کہ فضول گوئی اور زیادہ باتیں کرنے سے لذتِ عبادت جاتی رہتی ہے، یہ بھی تجربہ ہے کہ فضول گوئی سے نمازِ تہجد کے دوام میں رخنہ پڑتا ہے اسی لئے بزرگوں اور مرشدوں نے لایعنی گفتگو اور بلا ضرورت باتیں کرنے سے شدت کے ساتھ منع فرمایا کہ اس میں ظاہری اور باطنی بہت سے مفاسد اور قباحتیں ہیں، خاص کر لایعنی گفتگو کے سبب کسل اور سستی کا مرض پیدا ہوتا ہے جس کے سبب دین و دنیا کی منفعت سے آدمی محروم ہو جاتا ہے، خصوصاً کسل و سُستی کے سبب ذکر و اذکار اور نوافل کی توفیق نہیں ہوتی، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسل و سستی سے اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ "عشیرہ" یعنی یارانہ کی مجالس سے اپنے کو بچاؤ، حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ غیر نافع شئی کو چھوڑ دے، ظاہر بین کے نزدیک مجلسِ یارانہ اور کثرتِ کلام میں کوئی زیادہ قباحت اور خرابی نظر نہیں آتی لیکن اہل اللہ اور اہلِ باطن اس کی سمیّت اور اس مرضِ متعدی اور سریع النفوذ مہلکہ کے فساد سے پورے طور پر واقف ہیں، وہ اپنے تجربہ کی بنیاد پر مخلوقِ خدا کو ہمیشہ متنبہ کرتے رہے ہیں۔

○ حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ زبان کا گونگا رکھنا مستحکم قلعہ ہے اور عبادت کا مغز بھوکا پن ہے، دنیا کی دوستی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔

○ حضرت بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کا کمال ان چار چیزوں میں ہے کم کھانا، کم سونا، کم بولنا اور خلقت سے کم میل جول رکھنا ——○ حضرت محمد بن عبد الخالقؒ فرماتے ہیں کہ کثرتِ کلام حسنات کو اس طرح چوس لیتی ہے جیسے زمین پانی کو جذب کر لیتی ہے۔

○ حضرت ذو النون مصریؒ فرماتے جو شخص بے ضرورت کاموں میں مشغول رہا ہے وہ ضروری کاموں کو ضائع کر دیتا ہے۔ ——○ حضرت مولانا کرامت علی جونپوریؒ فرماتے ہیں کہ اس خاکسار نے خوب تجربہ کیا ہے کہ جب آدمی فضول کام میں گرفتار ہوتا ہے تب اس کی سابق پرہیزگاری بھی جاتی رہتی ہے، سو جب آدمی سے کوئی فضول کام ہو پڑے تو فی الفور توبہ کرے اور پھر فضول کام کے پاس نہ جائے ——●●

مفلِس کون؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اپنے صحابہؓ سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو مفلِس کسے کہتے ہیں؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہم تو مفلس اسی کو کہتے ہیں جس کے پاس مال واسباب اور روپیہ پیسہ نہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میری امت میں اصل مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اس حال میں آئے کہ اس کے پاس نماز، روزہ اور زکوٰۃ جیسے نیک اعمال کا ذخیرہ تو ہو لیکن ساتھ ہی اس کے نامۂ اعمال میں یہ بھی ہو کہ اس نے کسی کو گالی دی، کسی پر تہمت لگائی، کسی کا مال کھایا، کسی کا خون بہایا اور کسی کو مارا پھر ایک ایک مظلوم کو اس کے حق کے بدلے میں اس کی نیکیاں دے دی جائیں اور اگر سارے مطالبات پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو پھر حق داروں کی برائیاں لے کر اس پر لاد دی جائیں اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے"۔

(مجمع الفوائد)

اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت حاصل کرنے کے لئے اور سچا مسلمان بننے کے لئے جس طرح نماز روزہ وغیرہ عبادات ضروری ہیں، اسی طرح شرعی ہدایات کے مطابق معاملات اور معاشرت کی اصلاح و درستی کا بھی اہتمام ضروری ہے، ورنہ نماز روزہ اور دوسرے نیک کام سب خطرے میں پڑ جائیں گے۔
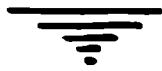
بدگمانی پھیلانیوالے

دوستوں میں نفرت پھیلانا، ان میں بدظنی قائم کرنے کی کوشش کرنا، ایک بھائی کی طرف سے دوسرے بھائی کے دل میں میل پیدا کرنا، میاں بیوی کے دِل میں رنجش کے بیج بونا، مالک اور آقا کے تعلقات خراب کرنا، ایک ادارہ اور جماعت کے افراد میں بدمزگی اور تلخی پیدا کرکے اپنا الّو سیدھا کرنے کی سعی کرنا وہ بدترین حرکت ہے جس کا کرنے والا اسلامی سوسائٹی میں بد سے بدتر ہے اور انسانوں کے درمیان نفرت و دشمنی کا بیج بوکر شیطان کا کام کرتا ہے، اسلامی نظامِ معاشرت میں ایسوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے ــــــــــ

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"جو شخص کسی کی عورت یا کسی کے نوکر کو بہکائے اور دھوکہ دے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

ــــــــــ (ابوداوٗد)

اس وعید میں وہ عورتیں بھی آتی ہیں جو اِن کے اُن کے گھروں میں جاکر میٹھی میٹھی باتیں کرتی ہیں، اور عورتوں سے اپنے مطلب کی بات سُن کر اس کا پروپیگنڈہ کرتی ہیں اور شوہر اور دوسرے لوگوں کی نظر میں اس طرح عورت کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

اسی طرح جو مَرد بیٹھکوں میں جاکر محلّہ بھر کے لوگوں کی گھریلو باتیں کرتے ہیں ہیں اور ہر طرح کی باتیں کرتے ہیں وہ مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں اور آپس میں لڑاکر تماشہ دیکھنے والے ہیں۔

شہروں میں تو مالکوں اور ملازموں کے درمیان ایسی حرکت کرنے والے بہت ہوتے ہیں جو اپنی دشمنی نکالنے یا اپنے آدمی کو رکھنے کیلئے بے گناہ ملازم کی شکایت کرتے کراتے ہیں۔

کچھ ناعاقبت اندیش ایک ادارہ یا جماعت کے افراد میں بھی لگائی بجھائی کا مذموم سلسلہ جاری رکھتے ہیں ایسے تمام لوگوں کو اپنی حرکت سے باز آنا چاہیئے اور انسانوں کی خیرخواہی اور بھلائی کرنے میں عین سعادت مندی سمجھنا چاہیئے۔

افواہ طرازی

سورۂ حجرات کی آیت (۶) میں مسلمانوں کو جو ہدایت دی گئی ہے وہ معاشرتی زندگی میں نہایت اہمیت کی حامل ہے، اس ہدایت کا حاصل یہ ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ اِدھر تم سے کسی نے بات کی اور اُدھر تم نے اُسے سچ مان لیا، بالخصوص ایسے معاملات میں تو تمہیں بہت ہی احتیاط کرنی چاہیئے جن کا تعلق قومی اور اجتماعی نقصان سے ہو، ان معاملات میں بسا اوقات ذراسی بے احتیاطی بے حد سنگین اور خطرناک غلطیوں کا باعث بن جاتی ہے، اس لئے تم پر لازم ہے کہ جب بھی کوئی ایسی خبر سُنو، اسے مان لینے سے قبل خوب اچھی طرح اس کے بارے میں تحقیق کرلیا کرو۔

افواہ پھیلانے والوں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ان کا آغاز سرگوشیوں، کانا پھوسیوں سے کیا کرتے ہیں، ان کا مجرم ضمیر انہیں ذمہ دارانہ انداز میں پورے اعتماد کے ساتھ برسرِ عام بات کرنے کی اجازت نہیں دیتا، یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ ہمیشہ رازدارانہ لب ولہجہ کے ساتھ دوسرے کے کانوں میں بات کرتے اور اس طرح دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآنِ حکیم نے اس طرزِ کلام کو شیطانی فعل قرار دیتے ہوئے معاشرے میں سرگوشی اور کانا پھوسی کرنے والوں کی سخت مذمت کی ہے۔ (سورۂ المجادلہ آیت: ۱۰)

سرگوشی کے علاوہ افواہ جھوٹ بھی ہوتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان اور سب کچھ ہوسکتا ہے مگر جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ یہی نہیں کہ افواہ پھیلانے والا جھوٹا ہوتا ہے بلکہ جو آدمی تحقیق و تصدیق کے بغیر اسے صحیح مان کر آگے پھیلانا شروع کردیتا ہے اسلام کے نزدیک وہ بھی جھوٹا ہوتا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ ایک آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ جو بات سُنے اُسے بغیر تحقیق اور تصدیق کے دوسروں سے بیان کرنا شروع کردے۔

قرآنِ حکیم مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ یونہی کسی بات کے پیچھے نہ ہولیا کریں، فرمایا:

"اور جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ ہولیا کر، کیوں کہ کان، آنکھ اور دل ان سب سے قیامت کے دن پوچھ ہوگی۔" (سورۂ بنی اسرائیل آیت: ۳۶)

افواہ عموماً سرگوشی اور جھوٹ کے ساتھ غیبت اور بہتان پر بھی مبنی ہوتی ہے اور اسلامی شریعت میں ان دونوں کو بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوا ہے: "اے ایمان والو! بدگمانی سے اکثر و بیشتر بچو، بیشک کئی بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں، اور کسی کے معاملات کی کھوج کرید نہ کرو اور ایک دوسرے کو بیٹھ پیچھے بُرا نہ کہو۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے، پس اس سے نفرت کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔" (الحجرات آیت: ۱۲)

قرآنِ حکیم اور ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ اسلام افواہ بازی اور افواہ طرازی کا سخت مخالف ہے وہ کسی مسلمان کے لئے کسی حالت میں بھی یہ بات پسند نہیں کرتا کہ وہ اس نجاست سے آلودہ ہو، اس گناہ کی شدت اور اس کا نقصان اس صورت میں تو کئی گنا بڑھ جاتا ہے جب ملّت ہنگامی دَور سے گذر رہی ہو اور اس کا دشمن اس کے دَروازے پر دستک دے رہا ہو، ایسے حالات میں افواہیں پھیلانا یقیناً دشمن کے ہاتھ مضبوط کرنا ہے، ایسے لوگ عوام کے حوصلے پست کرکے "جذبۂ جہاد" (وسیع معنی و مفہوم میں) کو مجروح کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم ایسے لوگوں سے خبردار رہیں اور معاشرے میں ایسا شعور اور احساس بیدار کردیں کہ وہ ایسے عناصر کا وجود ہی برداشت کرنے سے انکار کردے۔

مسلمان کی پردہ پوشی

شعبی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر فاروق رضؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیان کیا کہ میری ایک بیٹی تھی، میں نے زمانۂ جاہلیت میں اسے زندہ درگور کر دیا تھا مگر مرنے سے پہلے اسے قبر سے نکال لایا اور اس نے ہمارے ساتھ زمانۂ اسلامی پایا اور اسلام لے آئی جب وہ اسلام لے آئی تو اس نے ایک ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جس سے اس پر حدود اللہ عائد ہوتی تھی۔ اس لڑکی نے چھری اٹھائی تاکہ اپنے آپ کو ذبح کر دے، اتنے میں ہم نے اس کو پکڑ لیا اور وہ اپنی گردن کی بعض رگیں تراش بھی چکی تھی، ہم لوگوں نے اس کا علاج کیا یہاں تک کہ وہ اچھی ہوگئی، اس کے بعد پھر وہ توبہ کی طرف متوجہ ہوئی اور بڑی اچھی توبہ کی، جب قوم میں سے اس کا رشتہ آیا تو میں نے اس کی وہ حالت جس پر وہ پہلے تھی، ان کو بتا دی۔

یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضؓ نے فرمایا، جس چیز کی اللہ پاک نے پردہ پوشی کی ہے تو اس کے ظاہر کرنے کا قصد کرتا ہے؟ خدا کی قسم! اگر تو نے کسی شخص سے بھی اس کی حالت کا اظہار کیا تو میں تجھے سزا دوں گا جو تمام شہر والوں کے لئے باعثِ عبرت ہو جائے۔ جا اس کا نکاح کر جس طرح کہ ایک پاکدامن مسلمان عورت کا نکاح کیا جاتا ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب کی جستجو نہ کرو، کیوں کہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب کی تلاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب کی تلاش کرتا ہے اور جس کے عیب کی تلاش اللہ تعالیٰ کرے اس کو اس کے گھر کے اندر بھی رسوا کر دیتا ہے۔ (دار قطنی)

بہرحال عیوب کی پردہ پوشی اور انسان کی عزتِ نفس کا خیال، اعلیٰ انسانی اقدار میں سے ہے، سماجی زندگی میں بہر طور اس کا خیال رکھنا چاہیئے۔

اِتّحاد کی برکتیں!

ایک حدیث ہے:

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں دو شریکوں کے ساتھ تیسرا ہوتا ہوں جب تک ان کا ایک ساتھی دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرے۔"

مطلب یہ ہے کہ کوئی گروہ اسی وقت تک خدا کی مدد کا مستحق رہتا ہے جب تک اس کے افراد باہم ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں۔ اس کے برعکس جب وہ ایک دوسرے کے بدخواہ بن جائیں اور ان کے درمیان خیانت کی فضا پیدا ہو جائے تو خدا کی مدد اُن سے اُٹھ جاتی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا سے تعلق کا معیار بندوں سے تعلق ہے، اگر خدا کے ساتھ کسی کا تعلق درست ہے تو لازماً بندوں کے ساتھ بھی اس کا تعلق درست ہوگا، جس کا تعلق بندوں کے ساتھ درست نہ ہو سمجھنا چاہیے کہ خدا کے ساتھ بھی اس کا تعلق درست نہیں۔ خواہ وہ بظاہر کتنا ہی زیادہ خدا کی باتیں کرتا ہو ——— دین وملت کا کوئی بھی کام ہو اگر اس کو مشترکہ طور پر انجام دینے والے افراد چاہتے ہیں کہ یہ کام پروان چڑھے اور خدا کی نصرت شاملِ حال رہے تو اس کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ یہ افراد باہم مربوط ومتحد رہیں، ایک دوسرے کا احترام ملحوظ رکھیں۔ شکوہ شکایت اور غیبت سے اپنا دامن پاک رکھیں، ورنہ اللہ کی نصرت ورحمت منہ موڑ لے گی۔

سینما

خلقت چلی ہے اس بُتِ کافر ادا کے ساتھ

شام ہوئی رات کا اندھیرا چھایا اور یہ آپ کے شہر میں غول کے غول کدھر نکل پڑے؟ یہ خلقت انبوہ در انبوہ کہاں کیلئے نکل پڑی؟ ان میں بڑے بھی چھوٹے بھی، امیر بھی غریب بھی، ادھیڑ بھی بچے بھی، عورتیں بھی مرد بھی، مائیں بھی، لڑکیاں بھی، باپ بھی بیٹے بھی، بھائی بھی بہنیں بھی، شوہر بھی بیویاں بھی، سیٹھ صاحب بھی، منیجر صاحب بھی اور مل کے سب مزدور بھی، موٹریں بھی اور تانگے بھی، سیکلیں بھی اور پیدل بھی، کالجوں کے طالب علم بھی اور کارخانوں میں کام کرنے والے بھی، صاحب بھی اور صاحب کے خانساماں اور بٹلر بھی، تعداد ان میں سب سے زیادہ، آبادی کے لحاظ سے سب سے زیادہ آپ ہی کی قوم و ملت والوں کی یہ سب کے سب آخر کدھر؟ — کیا سینما شریف سے آپ واقف نہیں؟ آپ کے شہر میں ایک چھوڑ کئی کئی سینما ہیں، شامیں وہیں بسر ہوں گی، راتوں کا خاصا بڑا حصہ وہیں گذرے گا، سگریٹ کے دھوئیں وہیں چھوڑے جائیں گے، بیڑیاں وہیں پی جائیں گی، پان وہیں چبائے جائیں گے، گلوں میں ہار پڑیں گے، چائے کے دَور چلیں گے، آئسکریم کی قدردانی ہوگی، گانا سُنا جائے گا، آنکھوں کو حسن عریاں کے نظاروں سے محظوظ کیا جائے گا، مغرب اور عشار کے وقت آئیں گے اور چلے جائیں گے اور زندہ دل قوم کی ٹولیوں کی ٹولیاں چراغ جلے سے آدھی رات تک اپنی زندہ دلی، آرٹ نوازی اور شب بیداری کا ثبوت دیتے رہیں گی۔

سنتے ہیں کہ اس کے قبل تھیٹر اور تھیٹریکل کمپنیوں کا دور رہ چکا ہے اور صاحب کے ورود سے قبل ناچ، مجرے کی محفلوں اور زنانہ و مردانہ طائفوں کا دور دورہ تھا لیکن توبہ کیجیے ان بے چاروں کو بھی یہ عروج بخت کبھی نصیب ہوا تھا؟ آج جس آزادی اور بے تکلفی سے گھر گھر یہ چرچے ہو رہے ہیں اور جس فنی مہارت کے ساتھ باپ بیٹوں کے درمیان یہ تبصرے ہو رہے ہیں کہ فلاں اداکار مٹکتا خوب ہے اور فلاں ایکٹرس بھاؤ خوب بتاتی ہے۔ یہ دن ان پرانے اُستادوں،

سازندوں، بھانڈوں، ڈوم ڈھاڑیوں، ڈیرہ داروں کے نصیب میں کب آتے تھے ؏
جیسی اَب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

کبھی آپ نے یہ حساب لگایا ہے کہ سارے ہندوستان نہ سہی صوبہ بھر میں بھی نہ سہی اکیلے آپ ہی کے شہر میں اتنا روپیہ آپ کی جیبوں سے نکل نکل کران تماشہ والوں کی تجوریوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے؟ کبھی اندازہ کیا ہے کہ سال بھر میں نہ سہی مہینہ بھر میں نہ سہی، صرف ایک شب میں کتنی دولت آپ اس کارِ خیر میں لٹاتے رہتے ہیں؟

شب برات کی آتشبازیاں اور حلوے، محرم کے جلوس اور تعزیئے، فلاں عرس کے میلے اور فلاں جلوس کے باجے گاجے، یہ ساری بدعتیں مل کر بھی پردۂ سیمیں والی ایک بڑی بدعت کا مقابلہ کرسکتی ہیں، جو کبھی نہیں سال کے بارھوں مہینے اور مہینہ کے تیسوں دن آپ پر مسلط رہتی ہے؟ ——————— اور مضرتیں، ہلاکتیں، بربادیاں کیا نرے مال کی حد تک محدود ہیں؟ آنکھوں کی صحت پر جگمگاتی تصویروں سے متعلق ڈاکٹروں کا کیا بیان ہے؟ مجمع کی سگریٹ نوشی کا اثر سینہ اور پھیپھڑے پر کیا پڑ کر رہتا ہے؟ قتل اور ڈاکہ اور سفاکی اور جرائم سے متعلق کون سے سبق ہیں جو اس مدرسہ میں جاکر نہیں سیکھے جاسکتے؟ اخلاق کا کوئی شیرازہ ان روزمرہ کے حیا سوز نظاروں کے بعد گھروں میں باقی رہ سکتا ہے؟ خانگی پاکیزگی کے تخیل تک اس مسلسل ہیجان آفریں فضا کے بعد قائم رہ سکتا ہے؟

لڑنے اور جھگڑنے کے لئے بیسیوں اور دوسرے مسائل موجود ہیں، کیا یہ ممکن نہیں کہ اس ایک نکتہ پر نرم اور گرم اصلاحی اور انقلابی پارٹیاں فراخ دلی کے ساتھ جمع ہوجائیں۔

(مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)

بچے اور ٹیلی ویژن

"ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ بالغوں کی بہ نسبت بچہ ٹیلی ویژن کے بُرے اثرات کا شکار بہت جلد ہوتا ہے وہ ٹی وی کے ڈراموں اور فلموں کو حقیقت سمجھ لیتا ہے، بچے ٹی وی کی خاطر نیند کا خاصا وقت قربان کر دیتے ہیں، یہ بچوں کی صحت کے لئے نہایت مضر ہے، صبح کو بچے وقت پر جاگتے نہیں، اسکول ماسٹروں نے ہمیں بتایا ہے کہ اکثر بچے کلاس روم میں اونگھتے رہتے ہیں وہ ہوم ورک بھی کر کے نہیں لاتے، ایسے بچوں کی تعداد بھی کم نہیں جو کلاس روم میں بیٹھے تصوروں میں کھوئے رہتے ہیں، پڑھائی میں ان کا دھیان ہوتا نہیں۔

بچوں کی نفسیات سمجھنے والے تین حضرات اور خاتون نے بتایا ہے کہ جن بچوں کے ذہنوں پر ٹی وی کا طلسم طاری ہوتا ہے وہ ہر اس کام سے اور ہر اس انسان سے نفرت کرتے ہیں جو انہیں اس طلسم سے اور تصوروں سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ انہیں والدین سے، اسکول کے ماسٹروں سے، پڑھائی سے اور مذہب سے بھی نفرت ہو جاتی ہے، اس نفرت کا زیادہ نقصان دہ پہلو یہ ہے کہ بچہ اس نفرت کا اظہار نہیں کر سکتا، نتیجۃً دبائی ہوئی نفرت اس کے کردار کو دیمک کی طرح کھاتی رہتی ہے۔ وہ مزاج کا چڑچڑا اور غصیلا ہو جاتا ہے، اس کے اثرات اس کے جسم پر بھی پڑتے ہیں اور نفسیات پر بھی۔ ایسے بچے ایسے جسمانی امراض کے مریض بن جاتے ہیں جن کے اسباب نفسیاتی ہوتے ہیں۔ انہیں "PSYCHOSOMATIC" امراض کہتے ہیں مگر اناڑی معالج اسباب سمجھنے کی بجائے علامت کو پیش نظر رکھتے ہیں اور دوائیوں سے جسم کو مزید نقصان پہنچاتے ہیں۔

رومانی ڈرامے اور فلمیں دیکھ دیکھ کر بچہ جنسی لحاظ سے وقت سے پہلے بالغ ہو جاتا ہے اور جنسی انحراف کا عادی ہو جاتا ہے، جوانی میں داخل ہونے تک وہ جسمانی لحاظ سے بیکار ہو جاتا ہے یہ جسمانی تباہی اسے نفسیاتی مریض بنا دیتی ہے، بچوں کی نفسیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ بچوں کے لئے کہانیاں پڑھنا اور اپنے ہاتھوں کچھ نہ کچھ بناتے رہنا مثلاً کاغذ کے جہاز، دیا سلائیوں کی خالی ڈبیوں سے فرنیچر اور مکان اور مٹی یا گوندھے ہوئے آٹے سے جانور وغیرہ بنانا، اس کی صلاحیتوں

اور تخیل کو ابھارنے کے لئے ضروری ہوتا ہے مگر ٹی وی نے انہیں کہانیوں کی کتابوں اور دیگر مشاغل سے ہٹا دیا ہے۔ اَب بچے اپنا تصور اور تخیل پیدا نہیں کرتے، ان کی تخلیقی صلاحیت پر ٹی وی کا قبضہ ہوگیا ہے۔ اَب اگر بچوں سے کہا جائے کہ اسکول کی سالانہ تقریب پر کچھ نہ کچھ بنا کر لائیں تو وہ نہیں بنا سکتے، بنانے کے لئے انہیں کوئی چیز سوجھتی ہی نہیں، بچوں میں جسمانی اور ذہنی مستعدی بھی نہیں رہی۔ ان ماہرین نے کہا ہے کہ پہلے بچے رات میں سونے سے پہلے ماں باپ کے ساتھ ہنستے کھیلتے ان سے کہانیاں سنتے اور ان سے وہ باتیں پوچھتے تھے جو انہیں معلوم نہیں ہوتی تھیں، اس طرح بچہ سیکھتا اور اس کا دماغ سوچنے کے قابل بنتا تھا، اب والدین اور بچوں کا مِل بیٹھنا ٹی وی کی نذر ہوگیا ہے اور بچے کے سیکھنے کے ذریعہ پر ٹی وی غالب آگیا۔

کنیڈا کے بورڈ آف ایجوکیشنل کے سروے میں لکھا ہے کہ "ٹی وی نے بچوں کے اندر ایک ٹائم بم رکھ دیا ہے جو لڑکپن کے آخر اور جوانی کے آغاز میں پھٹے گا"۔ کمیشن نے لکھا ہے "پیشتر اس کے کہ ٹی، وی آپ کے بچے پر قابو پالے آپ ٹی وی پر قابو پالیں"۔

(حکایت، ڈائجسٹ لاہور کے ایک سروے رپورٹ سے ماخوذ، مرتبہ عنایت اللہ)

ٹیلیویژن اور ویڈیو — خدا کیلئے ان سے بچ کر گزرجا

جرمن ڈاکٹر نے خبردار کیا ہے کہ اسکول جانے والی عمر کے بچوں کو ٹیلی ویژن دیکھنے کی اجازت کسی حال میں نہ دینی چاہئے کیوں کہ اس کے دیکھتے رہنے سے ان میں حصولِ علم کی طلب جاتی رہتی ہے اور وہ اپنی معصومیت بھی کھو بیٹھتے ہیں اور حقائق کی گہرائی تک پہنچنے کی صلاحیت ان میں رفتہ رفتہ ختم ہو جاتی ہے۔ بچوں کے ذہن پر ٹیلی ویژن کے جو مضر اثرات پڑتے ہیں ان کی ایک نمایاں مثال دیتے ہوئے ڈاکٹر نے کہا کہ ایک بچہ سے جو ٹیلی ویژن دیکھتا رہتا ہے جب یہ بتایا گیا کہ اس کے دادا کی موت واقع ہو گئی تو اس نے بے ساختہ سوال کیا کہ دادا جان کو گولی کس نے ماری؟ قتل وجرائم کے مناظر ٹیلی ویژن پر دیکھتے رہنے ہی کا نتیجہ تھا کہ بچہ یہ سوال کر بیٹھا۔

ذہنی ودماغی صلاحیتوں پر اثر ڈالنے کے ساتھ ٹیلی ویژن کا جو اثر بچوں کی عام صحت خصوصاً بصارت پر پڑتا ہے وہ سب پر روشن ہے لیکن افسوس جس خطرہ کو محسوس کر کے مغرب کے ماہرین فن بچوں کے لئے اس کے استعمال کو ممنوع قرار دے دیں، ہمارے ملک میں اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اسے زیادہ فروغ دینے کی کوشش سرکاری سطح پر کی جا رہی ہے اور اس پر فخر کیا جا رہا ہے کہ شہروں کی طرح دیہاتوں میں حکومت ٹیلی ویژن کا انتظام کرتی جا رہی ہے۔"

——— (صدقِ جدید لکھنؤ، ۲۴ر اگست ۱۹۸۴ء)

"آج کل ٹیلی ویژن پر ملکی اور غیر ملکی فلمیں دکھائی جا رہی ہیں جن میں بوس وکنار، چوما چاٹی، لپٹ جھپٹی سب ہوتی ہے، کیا ایسے مناظر کا گھر میں دکھایا جانا اور باپ بیٹی، ماں بیٹے، ساس اور داماد وغیرہ کا ایک ساتھ مل کر دیکھنا اچھی بات ہے؟ کیا تہذیب اور اخلاق ایسے مناظر دیکھنے کی اجازت دیتے ہیں؟ ——— اب تو وی سی آر (ویڈیو) بھی اس برائی کے طوفان میں اضافہ کر رہا ہے۔"

——— (نشیمن۔ بنگلور ۱۶ر ستمبر ۱۹۸۴ء)

مُسلم گھرانے کی ایک بڑی آفت

ایک بڑی آفت اور مصیبت جو مسلم گھرانوں میں نازل ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ ناولوں اور افسانوں کی کتابیں اور فلمی رسالے جو بے حیائی سکھانے والے ہوتے ہیں اور جن میں اکثر ننگی تصویریں بھی چھپی ہوتی ہیں گھر گھر پڑھی جاتی ہیں (الا ماشاء اللہ) ان کو پڑھ کر گندے خیالات اور خراب باتیں لڑکوں اور لڑکیوں کے دل و دماغ میں جگہ پکڑ لیتی ہیں، پیسہ بھی ضائع ہوتا ہے، وقت بھی خراب جاتا ہے اور ناجائز و نامناسب قصّے اور داستانیں پڑھ کر دل گندے اور دماغ ناپاک بن جاتے ہیں۔ پھر اس کے نتیجے میں بڑی بڑی خرابیاں ظاہر ہوتی ہیں، بدچلنی، بے حیائی، بدکاری کے واقعات جو دیکھے جاتے ہیں۔ گندی کتابیں اور رسالے ہی ان کا سبب ہوتے ہیں، لوگ یہ جانتے ہیں کہ مضر غذا صحتِ جسمانی کے لئے مضر ہوتی ہے، پھر نہ جانے کیوں اس حقیقت سے چشم پوشی کر لیتے ہیں کہ مضر مطالعہ صحتِ روحانی کے لئے مضر ہوتا ہے۔ کیا اس سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ آیت ہمیں چونکانے کیلئے کافی نہیں؟

"اور انسانوں ہی میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو "کلامِ دلفریب" (لَهْوَ الْحَدِيث یعنی تمام بُری اور بیہودہ باتیں) خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے علم کے بغیر بھٹکا دے اور اس راستہ کی دعوت کو مذاق میں اڑا دے۔ ایسے لوگوں کے لئے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔" (لقمان)

خدا کے لئے لَهْوَ الْحَدِيث سے اپنے گھروں کو پاک رکھئے تاکہ آپ کے گھر میں اللہ کی رحمت کا نزول ہو اور عذاب مہین سے بچ سکیں۔ دینی اور اخلاقی کتابوں کے گھر میں رکھنے اور پڑھنے اور پڑھانے کا اہتمام کیجئے۔ حدیث میں ہے:

"بلاشبہ حیا اور ایمان ایک ساتھ ہوتے ہیں، جب ایک رخصت ہوتا ہے تو دوسرا بھی چل دیتا ہے۔"

مُسلم خواتین سے

○ دین کے حکموں اور طریقوں کو آپ خود سیکھئے اور ان پر عمل کیجئے، اپنے بچوں اور بچیوں کو بھی سکھائیے اور عمل کرائیے، سیکھنے اور سکھانے کیلئے زبانی تعلیم اور کتابی تعلیم ہر دو طریقے اختیار کیجئے۔ دیندار، پرہیز گار عالموں کے مواعظ سے بھی استفادہ کیجئے، اپنی پڑوسن کو بھی دین سکھائیے۔

○ نماز سے غفلت نہ برتئے، خوب پابندی سے دل لگا کر پڑھئے، جہاں تک ہو سکے اللہ کی یاد میں لگی رہو، کم از کم صبح شام سو سو مرتبہ تیسرا کلمہ، درود شریف اور استغفار پڑھ لیا کیجئے۔ سوتے وقت آیۃ الکرسی اور الحمد شریف ایک ایک بار اور سبحان اللہ، الحمد للہ ۳۳، ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھنے کا معمول رکھئے، روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کا ایک یا دو بار اہتمام کیجئے۔

○ بندوں کے حقوق کا خاص خیال رکھئے، کسی کا کوئی حق اپنے ذمہ نہ رکھئے، کسی کی برائی اس کے سامنے یا پیٹھ پیچھے بیان نہ کیجئے کہ جس سے اس کی تحقیر و تذلیل ہو، البتہ حکمت کے ساتھ اس کی اصلاح کی کوشش کیجئے، کسی کو طعنہ بھی نہ دیجئے نہ اس پر لعنت کیجئے، نہ جھگڑا مول لیجئے، ہر ایک کو اپنی طرف سے راحت پہنچانے کی بھرپور کوشش کیجئے۔ پڑوسیوں کی راحت کا خصوصیت کے ساتھ خیال رکھئے، ان کے ساتھ مِل جُل کر رہیئے، ان کے بچوں کے ساتھ پیار و محبت کا برتاؤ کیجئے، آپس میں ہدیہ لیا دیا کیجئے، اپنے ملازم اور ملازمہ کے ساتھ بھی اکرام و احسان کا معاملہ کیجئے۔

○ ماں باپ کو نہ ستائیے، نہ ان کے سامنے تڑخ کر بولئے، ہر ممکن ان کی خدمت کیجئے نیک اور اچھے کاموں میں ان کی اطاعت کیجئے۔ ساس اور سسر کو بھی ماں باپ کا درجہ دیجئے شوہر کو راضی رکھئے، ان کی ناشکری نہ کیجئے، ان کے لئے زیب و زینت اختیار کیجئے، فرمائشات سے انہیں تنگ اور پریشان نہ کیجئے، سسرال کے تمام لوگوں کے ساتھ حسب مراتب و درجات سلوک کیجئے۔

○ پیروں اور بزرگوں سے عقیدت و محبت ایک اچھی چیز ہے مگر غلو سے کام لے کر انہیں خدا کا درجہ نہ دیجئے کہ یہ شرک کی بدترین شکل ہوگی ـــــــ اپنی ہر مراد اللہ

سے مانگئے اور اسی سے لَو لگائیے ۔ اپنی مختلف حاجتوں کے تحت درگاہوں کی آمد و رفت اور غیر اللہ کی نذر و نیاز سے اپنے عقیدۂ و ایمان کو خطرہ میں نہ ڈالئے، پیشہ ور عاملوں کے پاس بھی آنا جانا کوئی ٹھیک نہیں، عملِ سفلی اور جادو حرام ہے ۔ اس صورت میں ایمان باقی نہیں رہتا ۔ اس لئے اسے نہ خود سیکھئے نہ اس کے کسی جاننے والے کے ذریعہ کسی سے اپنا انتقام لیجئے، کیوں کہ اللہ ہی زبردست انتقام لینے والے ہیں ۔

○ لباس میں سادگی اختیار کیجئے، باریک اور چست لباس زیبِ تن نہ کیجئے، پنڈلیوں اور ٹخنوں کو بھی چھپائے رکھئے، پوری آستین کا کرتا یا قمیص پہنئے جو اتنا لمبا ہو کہ پیٹ اور پیٹھ نہ کھلے، زیادہ زیور کی فکر میں نہ پڑئیے ۔ کپڑے اور زیور شیخی یا نمائش کے لئے نہ پہنئے، پردہ کا خیال رکھئے، ماموں، پھوپھا، چچا اور خالہ کے بیٹوں اور دیور سے بھی پردہ کیجئے، مَردوں کو تاکنے جھانکنے کی عادت نہ ڈالئے، جہاں تک ہو سکے گھر سے باہر نہ نکلئے، اگر کسی ضرورت سے باہر جانا ہو تو برقع اوڑھ کر نکلئے ۔ برقع پر بیل بوٹے کاڑھے ہوئے نہ ہوں، نہ اس کا رنگ شوخ اور جاذبِ نظر ہو، چہرے سے نقاب ہٹا کر نہ چلئے، سینما تھیٹر نہ دیکھئے نہ بچوں اور بچیوں کو اس کی اجازت دیجئے ۔ ناول، افسانے مورتی اور تصاویر گھر میں نہ آنے دیجئے ۔ ——— یہ بھی یاد رکھئے کہ شوہر کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے زیب و زینت کا اظہار جائز نہیں ۔

○ حَلال کھائیے، حَلال پہنئے ۔ حرام کمائی سے شوہر اور عزیزوں کو بچائیے، آمدنی سے زیادہ خرچ نہ بڑھائیے ۔

اگر آپ

اِن ہدایات پر سچے دل اور اخلاص نیت کے سَاتھ عمل کریں گی تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ اس کراہتی دنیا میں چین و سکون نہ پائیں اور اخروی زندگی فلاح و کامیابی سے ہم کنار نہ ہو ——— اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

پردہ عورت کا ایک فطری تقاضا

عورت کے احترام و تقدس کا جو معیار اسلام نے پیش کیا ہے اس کا لازمی تقاضا ہے کہ عورت کو پردے میں رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کی حیثیت معاشرے میں متعین کرنے کے بعد اسلام نے پردے کے احکام بھی نافذ کئے تاکہ عفت و عصمت کے تقاضوں کو بطریقِ احسن پورا کیا جاسکے۔

اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو پردہ اور عورت لازم و ملزوم ہیں، مشاہدے اور مطالعے، تجربات و واقعات سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ پردہ عورت کا ایک فطری تقاضا اور ضرورت ہے جس کو پورا کرنا انسانی قدروں پر قائم ہونیوالے ہر معاشرے کا بنیادی فرض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قبل از اسلام بعض غیر اسلامی معاشرے کے اندر بھی پردہ موجود تھا، خود ہندوستان کے اندر البیرونی کی کتاب "کتاب الہند" کے حوالے سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ ہندو عورتیں بھی پردہ کرتی تھیں۔

پردے کے واضح احکام کے ساتھ ہی اسلام نے بعض دوسرے احکام کا اہتمام کیا جس سے پردے کا ماحول پیدا ہوتا ہے، ان میں سب سے پہلے شرم و حیا کی تلقین کی ہے، شرم و حیا نیک سیرت انسان کی ایک ایسی صفت ہے جو اسے لغزش اور کوتاہی کے موقع پر سہارا دیتی ہے، یہ شرم و حیا ہی کا اثر ہے کہ انسان اپنے جسم کے ان تمام حصوں کو پردے میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے جو جنسی میلان میں ہیجانی کیفیت پیدا کرنے کی وجہ بنتے ہیں، اس لئے اسلام نے شرم و حیا کو ضروری اور لازمی قرار دیا ہے، آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ شرم اٹھ جانے کے بعد جو جی میں آئے کرو۔

شرم و حیا کے بعد دوسری اہم بات جو پردے کے ماحول کے لئے ضروری ہے وہ بدنگاہی پر پابندی ہے۔ یہ بدنگاہی فحاشی و عریانی کے لئے عظیم محرک ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مومن مرد اور مومن عورتوں کو حکم فرمایا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (سورۂ نور)

اسی ضمن میں عورتوں کو بن سنور کر نکلنے سے بھی منع کیا گیا ہے اور اگر ضرورت کے تحت باہر نکلیں تو اس صورت میں چند آداب و قواعد کا پابند کیا گیا ہے مثلاً خوشبو نہ لگائیں اور شرعی سفر بغیر محرم کے نہ کریں۔

ہم بچانا چاہتے ہیں اُن کو چشمِ غیر سے!!

اس ڈیڑھ سو سال کے عرصہ میں قرآن مجید کی بہترین تفسیر عربی زبان میں کونسی تصنیف ہوئی ہے؟ یہ سوال اہل علم کے حلقہ میں کیا جائے تو جواب عجب نہیں کہ بالکل متفقہ طور پر ملے کہ علامہ آلوسی بغدادی کی "روح المعانی"۔ تو اسی تفسیر میں سورہ نور کی ایک آیت کے ذیل میں درج ہے کہ:

"میرے نزدیک جس زیبائش کے اظہار سے روکا گیا ہے، اس میں وہ کپڑا بھی شامل ہے جسے آج کل کی خوشحال خواتین اپنے لباس کے اوپر پہن کر گھروں سے باہر نکلتی ہیں، یہ ایک رنگا رنگ کا برقع ہوتا ہے۔ ریشم کا بنا ہوا اور اس پر سونے چاندی کا کام کیا ہوا جس سے آنکھیں جگمگا اٹھیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ شوہروں کا اپنی بیویوں کو (یا باپ بھائی کا اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو) ایسے برقع کو پہن کر غیروں کے مجمع میں جانے کی اجازت دینا بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔" (روح المعانی جلد ۶ صفحہ ۵۶)

لیجئے عورت بے پردہ نہیں ہے، پردہ اور برقع میں ہے لیکن اتنی سی بات پر کہ برقع خود شوخ اور بھڑکیلا ہے، فاضل مفسر اسے بے غیرتی کی بات قرار دیتے ہیں اور تاسف سے کہتے ہیں کہ وقد عمت البلاء بذٰلک یعنی یہ وبا عام ہو چکی ہے تو اب جہاں سرے سے برقع ہو نہ نقاب، کھلے ہوئے چہرے ہوں اور کھلے ہوئے سر، جسم کا جتنا حصہ ڈھکا ہوا ہو وہ بھی جاذبِ نظر بلاؤزوں اور طرح طرح کی رنگین اور خوشنما ساڑیوں میں، خوشبوؤں کی مہک آ رہی ہو اور لباس سے مقصود جسم کو چھپانا نہیں بلکہ مرد کی رغبت کے مقامات کو اور نمایاں کرنا ہو، آنکھوں سے شرم اور دلوں سے جھجک رخصت ہو چکی ہو، ساتھ نوجوان لڑکوں اور مردوں کا ہو، دین و اخلاق کی گرفتوں سے آزاد، ماحول ایسا جس میں خوفِ خدا اور خوفِ آخرت قابلِ مضحکہ اور یہ بے حیائی عیب نہیں بلکہ بجائے خود ایک ہنر اور آرٹ، تو ارشاد ہو کہ اس صورتِ حال کے باب میں ان مفسر صاحب کا فتویٰ کیا ہوتا؟ انہیں مفسر صاحب کا نہیں کسی بھی مفسر کا، محدث کا، فقیہ کا، ایمان عزیز رکھنے والے مسلمان کا؟ خود قرآن کا حکم باہر نکلنے والیوں کیلئے کیا ہے؟ ارشاد ہے "اپنے پیر زمین پر اس طرح زور زور سے نہ رکھیں کہ ان کی مخفی زیبائش دوسروں پر ظاہر ہو" (النور ۳۱)۔ کیا مناسبت "کالج گرل" کی ایک ایک ہنسی ایک ایک قہقہہ کو ان شرماتی، لجاتی، سکڑی سکڑائی نیچی نگاہوں والی پھونک پھونک کر قدم رکھنے والیوں سے؟

ہم بچانا چاہتے ہیں ان کو چشمِ غیر سے
کیوں کہ ہم واقف ہیں اس دنیا کے شر و خیر سے

ازدواجی زندگی

خوشگوار کب بنتی ہے؟

ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے اور بنائے رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ میاں بیوی دونوں ہی اپنے اپنے منصبی فرائض کا حقیقی احساس وشعور پیدا کریں، اور اپنے اپنے دائرے میں رہتے ہوئے پورے خلوص، دل سوزی اور مستعدی سے اپنے اپنے حصّے کی ذمہ داریاں انجام دیں۔

اگر دونوں میں سے ایک نے بھی اپنے فرائض میں کوتاہی کی تو خوش گوار گھریلو زندگی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ ——— بیوی کے لئے ضروری ہے کہ شوہر کی اطاعت، آبرو کی حفاظت، شوہر کی رضاجوئی، اس کی شکر گذاری اور احسان مندی، شوہر کے گھر بار اور مال کی حفاظت، گھر کی ہر چیز میں صفائی، سلیقہ اور شوہر کے لئے زیبائش اور آرائش کا خاص اہتمام کرے اور ان فرائض میں کوتاہی نہ ہونے دے۔ ——— اور شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک عفوودرگذر، خوش اخلاقی اور محبت اور خرچ میں کشادگی کا معاملہ رکھے، اسلامی خطوط پر بیوی کی تربیت کرے، ایک سے زائد بیوی ہو تو تمام بیویوں کے ساتھ برابری کا سلوک رکھے۔

بعض بیویوں کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ شوہر کو اپنے کنٹرول میں رکھیں اور شوہر اپنے والدین اور بھائی بہن تمام کو نظر انداز کرکے اپنی تمام آمدنی ان کے حضور حاضر کرے، یہاں تک کہ بے چارہ شوہر بس کے کرایہ اور سائیکل میں ہوا بھرانے کے پیسے تک کیلئے محتاج ہوجائے اور دوسروں سے مانگنا پڑے اسی طرح بعض شوہر اپنی بیویوں پر بے جا سختی کرتے ہیں اور ان سے ہمیشہ ناک بھنوں چڑھائے رہتے ہیں، گنجائش کے باوجود کھانے پینے اور پہنانے کے معاملے میں تنگی کرتے ہیں۔ اس سے ازدواجی زندگی میں تلخی پیدا ہوتی ہے، خوش گوار اور پرمسرت ازدواجی زندگی کے لئے ایک دوسرے کے جذبات، احساسات اور ضروریات کا خیال رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔

طلاق ـــــــ اس سے بچئے

طلاق بُری چیز ہے۔ اور ایک ساتھ تین طلاق دینا تو حرام ہے، قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ناگزیر صورت میں اگر طلاق کی نوبت پیش ہی آجائے تو طلاق یکمرتبہ نہیں بلکہ متعدد دفعہ اور وقفوں میں دینی چاہیئے (سورۂ بقرہ) اس میں بہت ساری مصلحتیں ہیں ایک بڑی مصلحت یہ کہ دوبارہ لوٹانے کا موقع حاصل رہتا ہے ـــــــ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے متعلق اطلاع ملی کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیدی ہیں تو آپؐ غصہ میں کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ کیا میرے رہتے ہوئے اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جائے گا۔ (نسائی)

ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کیا کہ میرے والد نے بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دیدی ہیں، جواب میں ارشاد ہوا کہ بیوی تین طلاقوں سے بائنہ ہوگی اور ۹۹۷ طلاقوں کا گناہ تمہارے باپ کی گردن پر رہا۔

امام طحاوی نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے آکر کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالی ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا تیرے چچا نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور گناہ کا کام کیا۔ نیز شیطان کی پیروی کی۔

علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ کے پاس جب کوئی شخص تین طلاق دیکر آتا تو اسے پیٹتے اور اس کی طلاق کو نافذ کر دیتے ـــــــ ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سَو طلاقیں دیدی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تین طلاقوں کے بعد تجھ سے آزاد ہوگئی اور ستانوے طلاق کے ذریعہ تو نے اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑایا۔ (موطا امام مالکؒ)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا شیطانی کام ہے اس سے بچنا ہر مسلمان کیلئے لازم ہے۔

مُسلمانو! بات بات پر طلاق نہ دیا کرو، ملتِ اسلامیہ کو شرمندگی اور ذلت سے بچاؤ تاکہ کل قیامت میں تم کو شرمندہ نہ ہونا پڑے اور یہاں کی زندگی میں بھی تمہارے لئے نت نئے مسائل کھڑے نہ ہوں ـــــــ

ـــــــــــــــــــــــ

(جاری کردہ: آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

رخصتی کے وقت بیٹی کو نصیحت

یمن میں حارث بن عمرو الکندی نام کا ایک بادشاہ تھا، اسے عوف کندی کی لڑکی کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ حسن صورت اور حسن سیرت دونوں میں ممتاز ہے۔ بادشاہ نے نکاح کا پیغام دیا، لڑکی کے والدین نے قبول کر لیا۔ جب دلہن کو رخصتی کے وقت پالکی میں بیٹھا کر خاوند کے گھر لے جانے کا مرحلہ آیا تو اس کی ماں امانت بنت حارث نے اسے چند نصیحت کیں، اس نے کہا:

اے بیٹی! اگر نصیحت کسی کے عقل و خرد یا اعلیٰ نسب کی وجہ سے چھوڑ دی جاتی تو میں ضرور اسے چھوڑ دیتی اور تجھ سے چھپاتی، مگر یہ عقلمند کے لئے یاد دہانی کے طور پر اور بے سمجھ کیلئے بطور تنبیہ کی جاتی ہے، اس لئے میں تجھے نصیحت کر رہی ہوں۔

اے میری بیٹی! اگر عورت اپنے والدین کی دولتمندی اور ان کی والہانہ محبت کی وجہ سے مستغنی ہوتی تو سب سے زیادہ میں اپنے خاوند سے لاپروا اور مستغنی ہوتی مگر ایسا نہیں ہے بلکہ جس طرح عورتوں کیلئے مرد پیدا کئے گئے ہیں بالکل اسی طرح عورتیں مردوں کیلئے پیدا کی گئی ہیں، دونوں ایک دوسرے کے لئے ناگزیر ضرورت ہیں، اس ضرورت کا احساس ہی انہیں آپس میں مربوط رکھتا اور خلوص و محبت کا پابند بناتا ہے۔

اے بیٹی! تو ایک مانوس ماحول اور وطن سے دور ایک ایسے ماحول کی طرف جا رہی ہے جسے تو نہیں جانتی اور ایک ایسے ساتھی کے ہاں تجھے جانا ہے جس کے ساتھ تو مانوس نہیں ہے۔ جب کہ وہ تیرا مالک بن جائے گا لہذا تو اس کی وفاداری اور اطاعت گذاری میں باندی کی طرح بن جانا، اس طرح وہ محبت و جان نثاری میں تمہارے لئے غلام کی طرح ہو جائے گا۔

اس سلسلہ میں تو میری دس باتیں یاد رکھنا:

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ تو اپنے خاوند کے ساتھ قناعت اور سادگی سے زندگی گذارنا۔

(۲) دوسری بات یہ کہ اسکی بات کو غور سے سننا اور اس کی اطاعت کرنا کیونکہ قناعت میں دل کو راحت پہنچتی ہے اور اطاعت و فرمانبرداری میں مالک (خاوند) خوش ہوتا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ تجھ سے خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی بات سرزد نہ ہو۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ تیرا خاوند تجھے صاف ستھری اور خوشبو کی حالت میں دیکھے ——

اے میری بیٹی! تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ خوشبو کی عدم موجودگی میں پانی سب سے خوشبودار ہے، اس سے نہا اور بناؤ سنگار کر اور حسن پیدا کرنے کیلئے تیرے پاس سرمہ موجود ہے اس سے زیادہ کوئی چیز اچھی نہیں۔

(۵) پانچویں بات یہ ہے کہ اس کے کھانے کے وقت کا خیال رکھ۔

(۶) چھٹی بات یہ ہے کہ سونے کے وقت اس کے آرام کا خیال رکھ، کیونکہ بھوک کی شدت ناقابل برداشت ہوتی ہے اور نیند سے اچانک جاگنا غصہ کا سبب ہوتا ہے۔

(۷) ساتویں بات اس کے مال کی نگہداشت اور اسکی عدم موجودگی میں اپنی آبرو کی حفاظت کرنا ہے۔

(۸) آٹھویں نصیحت یہ ہے کہ اس کے رشتہ داروں اور خاندان کا لحاظ رکھنا —— کیوں کہ مال کی نگہداشت حسنِ ترتیب، آبرو کی حفاظت حسنِ عفت اور رشتہ داروں اور خاندان کی رعایت حسنِ انتظام اور فراخ دلی اور فراخ چشمی کی علامت ہے۔

(۹) نویں یہ کہ اس کے رازوں کو ظاہر نہ کرنا۔

(۱۰) اور دسویں یہ کہ اس کے حکم کی نافرمانی نہ کرنا —— کیونکہ اگر تو نے اس کے راز کو ظاہر کر دیا تو اسکی سزا سے نہ بچ سکے گی اور اگر نافرمانی کی تو اسکے غصہ کو بھڑکا دے گی۔

اے بیٹی! جب وہ ناخوش ہو تو خوش ہونے سے اور جب وہ خوش ہو تو غم کا اظہار کرنے سے بچنا، کیوں کہ پہلی چیز کوتاہی کی علامت ہے اور دوسری سے کدورت کا اظہار ہوتا ہے۔

اور تجھے اچھی طرح معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ تمام چیزیں تو اپنے خاوند سے اس وقت تک حاصل نہ کر سکے گی جب تک کہ تو ان تمام معاملات میں جنہیں تو پسند یا ناپسند کرتی ہے اپنے خاوند کی خواہش اور رضا کو اپنی مرضی اور خواہش پر ترجیح نہ دے۔ اللہ تعالیٰ تیرے لئے بہتری کرے اور تجھے اپنی رحمت سے نوازے —— چنانچہ وہ اپنے خاوند کے ہاں پہنچی اور والدہ کی نصیحتوں کے مطابق عمل کیا تو خاوند کا اعتماد حاصل کر لیا اور بڑی عزت پائی ——

چھلکا پھینکنا بھی ایک فن!

از: حضرت مولانا سیّد اصغر حسین میاں مفسر و محدث دارالعلوم دیوبند

ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا سیّد اصغر حسین میاں صاحب کے گھر تشریف لے گئے تو میاں صاحبؒ نے مفتی صاحب کی تواضع آم سے کی، جب آم چوسنے سے فراغت ہوگئی تو مفتی صاحب گٹھلیوں اور چھلکوں سے بھری ہوئی ٹوکری اٹھاکر باہر پھینکنے کے لئے چلے، حضرت میاں صاحب نے دیکھا تو پوچھا: "یہ ٹوکری لے کر چلے کہاں؟ مفتی صاحب نے فرمایا "چھلکے باہر پھینکنے جارہا ہوں" میاں صاحب نے ارشاد فرمایا "پھینکنے آتے ہیں یا نہیں؟" مفتی صاحب نے جواب دیا: "حضرت یہ چھلکے پھینکنا کونسا خصوصی فن ہے جس کے سیکھنے کی ضرورت ہو؟" میاں صاحب نے فرمایا: ہاں، تم اس فن سے واقف نہیں، لاؤ مجھے دو۔" خود ٹوکری اٹھاکر پہلے چھلکے گٹھلیوں سے الگ کئے، اس کے بعد باہر تشریف لائے اور سڑک کے کنارے تھوڑے فاصلے سے معین جگہوں پر چھلکے رکھ دیئے اور ایک خاص جگہ گٹھلیاں ڈال دیں، مفتی صاحب کے استفسار پر ارشاد فرمایا کہ" ہمارے مکان کے قرب وجوار میں تمام غرباء و مساکین رہتے ہیں، زیادہ تر وہی لوگ ہیں جن کو نانِ جویں بھی مشکل ہی سے میسر آتی ہے۔ اگر وہ پھلوں کے چھلکے یکجا دیکھیں گے تو ان کو اپنی غریبی کا شدت سے احساس ہوگا اور بے مائیگی کی وجہ سے حسرت ہوگی اور اس ایذار دہی کا باعث میں بنوں گا، اس لئے متفرق کرکے ڈالتا ہوں، اور وہ بھی ایسے مقامات پر جہاں جانوروں کے گلّے گذرتے ہیں، یہ چھلکے ان کے کام آجاتے ہیں اور گٹھلیاں ایسی جگہ رکھی ہیں جہاں بچے کھیلتے کودتے ہیں، وہ اِن گٹھلیوں کو بھون کر کھالیتے ہیں، یہ چھلکے اور گٹھلیاں بھی بہرحال ایک نعمت ہیں، ان کو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں" حضرت میاں صاحب کے اندر مہمان نوازی اور غرباء پروری کی صفت اتنی تھی کہ گھر میں آئے ہوئے آم اکثر انہیں کے نذر ہوجاتے خود کبھی کوئی آم چکھ لیتے۔

(دارالعلوم دیوبند نمبر، ماہنامہ الرشید لاہور، ص: ۲۷۱)

ہم نشینی کے آداب

کوئی شخص کسی کا مصاحب اور ہم نشین ہو تو اسے چاہیئے کہ کوئی ایسا مشورہ نہ دے جس کا انحصار محض جذباتیت اور خوش کن پالیسی پر ہو بلکہ مشورہ سنجیدہ اور معقول دے جس میں فہم و بصیرت کی پوری جھلک موجود ہو اور جو دینی اصول اور شرعی احکام کے مغائر نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ ہر شخص کو اپنے مصاحب اور ہم نشین سے ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہیئے تاکہ اس کا ہم نشین نادانی اور غفلت سے یا اپنے ذاتی مفاد اور مزید تقرب اور نزدیکی حاصل کرنے کیلئے غلط مشورہ دے کر اسے ہلاکت اور تباہی کے غار میں نہ ڈھکیل دے۔

تیسرے یہ کہ اپنے مخالفوں اور دشمنوں کا بھی مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ استقبال کرنا انسانی اعزاز و اکرام کا اسے بھی حق دینا اور بھلائی کے ساتھ پیش آنا۔ یہ انسان کے بڑے ہونے کی علامت ہے اور یہ انسانیت کا جوہر بھی ہے۔ جس سے نہ صرف ایسے انسانوں کی آہستہ آہستہ مقبولیت اور ہر دل عزیزی بڑھتی ہے بلکہ اس کے حسنِ سلوک سے ایک نہ ایک دن کٹر سے کٹر مخالف اور دشمن بھی اپنی مخالفت اور دشمنی سے باز آجانے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس حکیمانہ بات کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

"اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی۔ تم (مخالف کو) ایسے طریقے سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے) کہ وہ شخص جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا تمہارا گرمجوش دوست ہے اور یہ بات انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں"۔ ——— (حم سجدہ، آیت ۳۵ ۳۴)

ایک چوتھی بات یہ کہ مصاحب اور ہم نشین کو خود بھی اعلیٰ کردار کا حامل ہونا چاہیئے۔ اور اسی صورت میں اچھا گھر، اچھا ماحول، اچھا ادارہ، اچھی جماعت اور اچھی حکومت کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔

ایک اخلاقی سلوک نے شرابی کی زندگی بدل دی!

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے پڑوس میں ایک بڑا رنگین مزاج موچی رہتا تھا، دن بھر جوتیاں بناتا اور رات کو دوست واحباب کے ساتھ شراب و کباب اُڑاتا۔ وہ اکثر ایک شعر گایا کرتا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں نے اس شخص کو ہاتھ سے کھو دیا جو لڑائی اور رخنہ بندی کے کام آتا تھا، پڑوسی کے غل غپاڑے سے امام اعظمؒ کی عبادت اور سکون میں خلل پڑتا لیکن انہوں نے کسی سے اس بات کی شکایت نہ کی۔

ایک دن ان کا صبر و سکوت رنگ لایا وہ یوں کہ کوتوال شہر گشت کرتے کرتے اس گلی میں آپہنچے اور راگ رنگ دیکھ کر موچی کو حوالات میں بند کر دیا، اگلی رات پڑوس میں خلافِ معمول خاموشی پاکر امام اعظمؒ سخت حیران ہوئے اور صبح دم اپنے احباب سے پوچھا کہ میرے شب بیدار ہمسایہ کے گھر گذشتہ رات بے طرح خاموشی چھائی رہی، خیر تو ہے؟ لوگوں نے اصل واقعہ بیان کر دیا۔ ہمسایہ کی گرفتاری سے انہیں بہت صدمہ ہوا، اسی وقت کوفہ کے گورنر سے ملنے کے لئے دارالامارت جا پہنچے، گورنر استقبال کو آئے، تعظیم سے اپنے پاس بٹھایا اور قدم رنجہ فرمانے کی وجہ دریافت کی۔ رہائی کی درخواست کی جو فوراً ہی منظور ہوئی۔ راستے میں امام صاحبؒ نے وہی شعر دہرایا جو موچی اکثر گایا کرتا تھا اور ازراہِ مذاق پوچھا، کیوں ہم نے تمہیں ضائع نہیں کیا نا؟ موچی نے ندامت سے کہا نہیں۔ آپ نے ہمسائیگی کا حق ادا کیا اور اس روز کے بعد موچی نے شراب کو کبھی ہاتھ نہ لگایا۔ بلکہ عیش و عشرت سے تائب ہو کر امام صاحبؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر فقیہ بن گیا۔

واقعہ ہے کہ اگر انسان اپنے حقوق کی ادائی پر نظر رکھے اور بُرائی کو شدت سے نہیں بلکہ اخلاق اور حکمت سے دور کرنے کی کوشش کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے اس کے حقوق کی ادائی پر مجبور نہ ہوں اور بُرائی کی جگہ اچھائی نہ لے، آج معاشرہ میں اس حقیقت کو سمجھنے اور سمجھانے کی سخت ضرورت ہے، کاش اس ضرورت کی ہم تکمیل کر سکتے۔

اپریل فول ــــــــ اسلامی نقطۂ نگاہ سے!

"اپریل فول" جس قوم کی زبان کی یہ اصطلاح ہے اسی قوم میں اس کو "دن" کے طور پر منانے کا رواج ہے یعنی اصلاً یہ کرسچنوں کی رسم ہے جسے افسوس ہے کہ دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی صادق و مصدوق نبیؐ کی امت کے اکثر افراد بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر "یہ دن" مناتے ہیں اور دوسروں سے جھوٹ بول کر انہیں دھوکا دیتے ہیں ــــــــ حالانکہ اسلام دین فطرت ہے جس نے اس طریق کو قطعاً پسند نہیں کیا۔ اس کی نظر میں یہ فعل جھوٹ ہے اور جھوٹ بولنا حرام ہے، اسلام نے صراحتاً ایسے مذاق سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے جو دوسروں کیلئے تکلیف دہ اور پریشان کن ہو، اس سلسلہ میں چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیے:

- اس آدمی کیلئے ہلاکت ہے جو لوگوں کو ہنسانے کیلئے جھوٹ بولتا ہے۔ (ابوداؤد)
- کوئی بندہ پورا مؤمن نہیں ہو سکتا جبتک کہ وہ جھوٹ کو بالکل ترک نہ کردے، خواہ ہنسی مذاق میں ہو خواہ لڑائی جھگڑے میں، خواہ انداز جھوٹ کا ہو اگرچہ واقعہ میں سچ ہو۔ (مسند احمد)
- یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات اس طرح کہو کہ وہ تمہیں سچا جان رہا ہو حالانکہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ (ابوداؤد)
- کسی مسلمان کیلئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو ہنسی مذاق میں بھی پریشان کرے یا اس کا سامان چھپا کر رکھ دے۔ (مسند احمد)

ان تمام حدیثوں سے "اپریل فول" اور اس طرح کے دیگر مذاقوں کی تردید ہوتی ہے اور اس کی روشنی میں مسلمانوں کے فکر و عمل کی راہ متعین ہوتی ہے، یہ عجیب بات ہے کہ لوگوں کی طبیعت روزانہ سینکڑوں جھوٹ بول کر اور دھوکہ دے کر بھی سیر نہیں ہوتی کہ اس کیلئے باضابطہ ایک دن (DAY) منایا جاتا ہے، کسی کو آپ جھوٹا اور فریبی کہہ دیں تو وہ چراغ پا ہو جائے اور آپ کی جان پر ٹوٹ پڑے لیکن یہ عیب "اپریل فول" کی شکل میں آئے تو عین ہنر قرار پائے اور روکنے ٹوکنے والے کو خود فول (بے وقوف) قرار دیا جائے۔ عبرت کی نظر رکھنے والے دیکھیں کہ اخلاقی پستی کس کس خوشنما لفظ کے ذریعہ راہ پا رہی ہے اور گناہ کیوں کر ثواب کی جگہ حاصل کر رہا ہے ــــــــ یہ واضح رہے کہ اسلام کوئی خشک مذہب نہیں ہے، اس میں ظرافت کی حلاوت کی بھی گنجائش ہے اور خوش طبعی کی چاشنی بھی، البتہ ایسی تمام صورتوں میں کوئی بات یا عمل غلط، خلافِ واقعہ اور پریشان کن نہ ہو۔

مُعاملات کے آداب

● معاملہ میں فریب نہ دینا، خیانت نہ کرنا، وعدہ خلافی نہ کرنا اور معاملہ کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھنے کی پوری کوشش کرنا۔ ● خرید و فروخت اور تقاضائے حق کے وقت نرمی کا برتاؤ کرنا۔

● ادائے قرض کی فکر کرنا اور اس میں جلدی کرنا (خاص کر جب پیسہ موجود ہو تو فوراً ادا کر دے ورنہ ظلم میں شمار ہوگا اور ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے سخت گنہ گار ہوگا۔ ● عیب چھپا کر نہ بیچنا بلکہ اس کو واضح کر دینا اور مال بیچنے میں جھوٹی قسمیں نہ کھانا۔ ● معاملہ کر کے پچھتانے سے بہتر ہے اسے آپسی گفتگو سے توڑ دینا۔ ● دوسروں کیلئے جھکا کر تولنا اور منافعہ مناسب لینا اور یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ دوسروں کی ضرورتوں کو پوری کرا رہا ہے۔ ● قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دینا (یعنی قرض دینے والے کے مطالبہ کئے بغیر، ورنہ مطالبہ کی صورت میں سُود ہو جائے گا) اور جس کا قرض ہے اُسے دُعا بھی دینا (اس طرح بَارَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ)

● کسی کو قرض ثواب کی نیت سے دینا (حدیث سے واضح ہے کہ جب تک کسی کا قرض کسی کے پاس ہے، تو قرض دینے والے کو اس کی ادائیگی کے وقت تک روزانہ قرض کے مماثل صدقہ کرنیکا ثواب ملتا ہے۔)

● تنگدست قرضدار کو مہلت دینا یا معاف کر دینا۔ ● ضرورت کے وقت غلہ یا اس طرح کی کوئی چیز چھپا کر اسٹاک میں ہرگز نہ رکھنا۔ ● دوسرے سے قیمت طے ہوگئی ہو تو اس پر قیمت نہ لگانا (ہاں اگر وہ اجازت دے یا چھوڑ دے تو جائز ہے) ● خریدنے کی نیت نہ ہو تو دام لگا کر دوسروں کو دھوکہ میں نہ ڈالنا (خریدنے کی نیت سے ہراج یا نیلام کی صورت جائز ہے) ● امانت میں خیانت نہ کرنا، کسی کی امانت ہو تو تحریری طور پر اس کی تفصیلات رکھنا، کسی کو دینا یا کسی سے لینا ہو تو اُسے بھی لکھ لینا چاہیئے۔ ● کھوٹا سکہ یا نوٹ نہ چلانا (یہ حرام ہے، اگر یہ معلوم ہو کہ کھوٹا سکہ فلاں نے دیا ہے تو واپس کر دے بصورتِ دیگر اس طرح اسے ضائع کر دے کہ دوسرا استعمال نہ کر سکے)

● کوئی اہم معاملہ ہو تو گواہوں کے ساتھ تحریری دستاویز بنا لینا۔ ● مزدور اور ملازم کو اس کی محنت کے لحاظ سے اُجرت دینا اور اجرت دینے میں دیر یا ٹال مٹول نہ کرنا۔

خدمتِ خلق
اور
پیامِ انسانیت

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ
نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ
اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
الْمُفْسِدِيْنَ (القصص: ۷۷)

اور جو کچھ اللہ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کر اور دنیا سے بھی اپنا حصّہ فراموش مت کر، اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ حسنِ سلوک کیا ہے تو بھی بندوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آ، اور روئے زمین پر فساد مت پھیلا، بیشک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا،

واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ
(متفق علیہ)

جب تک بندہ، بندہ کی مدد میں لگا رہتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا رہتا ہے،

دیدیجیئے خوشدلی سے ہر ایک کا حق

سورۃ الذاریات آیت (۱۹) سے واضح ہے کہ جو لوگ تقویٰ اور ایمان والے ہیں ان کا معاملہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی اللہ نے ان کو دیا ہے خواہ تھوڑا یا بہت، اس میں وہ صرف اپنا اور اپنے بال بچوں ہی کا حق نہیں سمجھتے ہیں بلکہ ان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ہمارے اس مال میں ہر اس بندۂ خدا کا حق ہے جو ہماری مدد کا محتاج ہو، وہ بندوں کی مدد خیرات کے طور پر نہیں کرتے ہیں کہ اس پر ان سے شکریہ کے طالب ہوں اور ان کو اپنا زیرِ بار احسان ٹھہرائیں بلکہ وہ اُسے ان کا حق سمجھتے ہیں اور اپنا فرض سمجھ کر ادا کرتے ہیں، پھر ان کی یہ خدمتِ خلق صرف انہیں لوگوں تک محدود نہیں رہتی ہے جو خود سائل بن کر ان کے پاس مدد مانگنے کیلئے آتے ہیں بلکہ جس کے متعلق بھی ان کے علم میں یہ بات آجاتی ہے کہ وہ اپنی روزی پانے سے محروم رہ گیا ہے اس کی مدد کیلئے وہ خود بے چین ہو جاتے ہیں۔

کوئی یتیم بچہ جو بے سہارا ہو گیا ہو، کوئی بیوہ جس کا کوئی ذمہ دار نہ ہو، کوئی معذور جو اپنی روزی کے لئے ہاتھ پاؤں نہ مار سکتا ہو، کوئی شخص جس کا روزگار چھوٹ گیا ہو یا جس کی کمائی اس کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو رہی ہو، کوئی شخص جو کسی آفت کا شکار ہو گیا ہو اور اپنے نقصان کی تلافی خود نہ کر سکتا ہو. کوئی بیمار جس کے پاس دوا اور علاج کا انتظام نہ ہو. غرض کوئی حاجتمند ایسا نہ ہو جس کی حالت اس کے علم میں آئی ہو اور وہ اس کی دستگیری کر سکتے ہوں اور پھر بھی انہوں نے اس کا حق مان کر اس کی مدد کرنے سے دریغ کیا ہو۔

یہاں یہ بات اور جان لینی چاہیئے کہ اہلِ ایمان کے اموال میں سائل اور محروم کے جس حق کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد زکوٰۃ نہیں ہے جسے شرعاً ان پر فرض کر دیا گیا ہے بلکہ یہ وہ حق ہے جو زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی ایک صاحبِ استطاعت مؤمن پر حق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔" بندۂ مؤمن کو کامل طریقہ پر زکوٰۃ دیتے ہوئے اس حق کی ادائی کی بھی فکر ہونی چاہیئے۔ ہر حق اور ہر ایک کے حق کو ادا کرنا ہی باعث برکت، موجب سعادت اور ذریعۂ نجات ہے۔

انسانیت ان کے نام سے زندہ ہے!

ایک دفعہ ایک صحابی رسولؐ جریر بن عبداللہ نے اپنے غلام کو ایک گھوڑا خرید لانے کا حکم دیا۔ وہ تین سو درہم میں گھوڑا خرید لایا اور گھوڑے کے مالک کو رقوم دلوانے کے لئے ساتھ لایا، حضرت جریرؓ کو طے شدہ دام بھی بتلائے گئے اور گھوڑا بھی پیش کر دیا گیا، آپ نے اندازہ کیا کہ گھوڑے کی قیمت تین سو درہم سے کہیں زیادہ ہے، چنانچہ گھوڑے کے مالک سے کہا کہ آپ کا یہ گھوڑا تین سو درہم سے زائد قیمت کا ہے، کیا آپ چار سو درہم میں فروخت کریں گے؟ اس نے کہا، جیسے آپ کی مرضی۔ پھر فرمایا، آپ کے گھوڑے کی قیمت چار سو درہم سے بھی زیادہ ہے۔ کیا آپ پانچ سو درہم میں بیچیں گے؟ اس نے جواب دیا، میں راضی ہوں' اسی طرح حضرت جریرؓ گھوڑے کی قیمت میں سو سو درہم کا اضافہ کرتے چلے گئے اور بالآخر آٹھ سو درہم میں گھوڑا خرید لیا اور رقم مالک کے سپرد کر دی۔

کسی نے پوچھا، جب مالک تین سو درہم پر راضی تھا، آپ نے اسے آٹھ سو درہم کیوں دیا؟

حضرت جریرؓ نے جواب دیا، گھوڑے کے مالک کو قیمت کا صحیح اندازہ نہ تھا، میں نے اسے پوری قیمت ادا کر دی ہے، کیوں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ ہمیشہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا، میں نے اس وعدہ کا ایفار کیا ہے۔

روایت ہے کہ یونس بن عبیدؒ کے پاس مختلف داموں کے کپڑے تھے، ایک قسم تھی جس کے ہر جوڑے کا دام چار سو تھا اور دوسری قسم کا دام دو سو فی جوڑا تھا، یہ نماز کیلئے گئے اور اپنے بھتیجے کو دکان پر چھوڑ گئے، اسی اثنار میں ایک اعرابی آیا اور اس نے چار سو کی قیمت کا ایک جوڑا مانگا، لڑکے نے اسے دو سو والے جوڑے دکھائے۔ وہ اسے پسند آگئے اور وہ راضی خوشی ان کو خرید کر لے گیا، وہ یہ کپڑا ہاتھ میں لئے جا رہا تھا کہ راستہ میں یونس کا سامنا ہو گیا۔ وہ کپڑا پہچان گئے اور اعرابی سے پوچھا کہ کتنے میں خریدا ہے؟ جواب دیا کہ چار سو میں۔ یونس نے کہا، لیکن یہ تو دو سو سے زائد کا نہیں۔ اس نے کہا، میں نے اسے راضی خوشی خریدا ہے، مگر یونس اُسے اپنی دکان پر لے گئے اور دو سو درہم واپس کر دیئے، پھر انہوں نے اپنے بھتیجہ کو ڈانٹا اور کہا۔ تجھے شرم نہیں آئی، تجھے خدا کا خوف نہ لاحق ہوا۔ صد فی صد نفع لیتا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی نہیں برتتا

بات وہ کہیئے بھلا ہو جس سے خلق اللہ کا!

حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاںؒ (وفات ۱۳۸۴ء) مغربی پاکستان میں مشہور اولیاء اللہ کی آخری کڑی تھے، یہ سلسلہ شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ (۱۰۷۲ ـــــ ۱۰۰۹ء) سے شروع ہوتا ہے اور حضرت مخدوم پر ختم ہو جاتا ہے۔ شہر بہاولپور سے قریب اوچھ میں ان کا مزار ہے، انہوں نے زندگی کا بڑا حصہ بلخ، بخارا، ایران، شام، مصر اور عرب کی سیر میں گذارا جس کی وجہ سے ان کو "جہاں گشت" بھی کہا جاتا ہے، اس سفر میں انہوں نے (۳۶) حج کئے اور بڑے بڑے بزرگوں اور عالموں کی صحبت اٹھائی۔

حضرت مخدوم سے سلطان محمد تغلق کو خاص عقیدت تھی، اس کے بعد اس کا بھتیجا فیروز تغلق جب تخت نشیں ہوا تو اسے بھی حضرت مخدوم سے بڑی ارادت تھی، آپ بھی عوام کے فائدے کیلئے اس سے تعلقات قائم کئے ہوئے تھے، ان تعلقات کی وجہ سے وہ عام لوگوں کی ضرورتیں بادشاہ کے ذریعہ اسی طرح پوری کرواتے تھے جیسے شیخ رکن الدینؒ، سلطان علاءالدین خلجی سے پوری کرواتے تھے۔

ایک مرتبہ فیروز شاہ کے وزیر اعظم خانِ جہاں نے ایک سرکاری ملازم کے بیٹے کو کسی بات پر قید کر دیا، اس کا باپ حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس پہنچا، وزیر اعظم آپ کا مخالف تھا لیکن اس کے باوجود جب اس لڑکے کے باپ نے درخواست کی تو آپ خاں جہاں کے پاس سفارش لے کر گئے، لیکن خاں جہاں نے اندر ہی سے کہلا بھیجا کہ نہ میں شیخ سے ملوں گا اور نہ ہی ان کی سفارش مانوں گا، ان سے کہدو کہ میرے دروازے پر نہ آئیں۔ کہتے ہیں کہ شیخ انیس[۱۹] مرتبہ وزیر کے گھر گئے اور ہر دفعہ یہی جواب سنا۔ انیسویں مرتبہ وزیر نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ اے سید! کیا تم میں ذرہ برابر بھی غیرت نہیں کہ میں نے اتنی مرتبہ انکار کیا ہے اور تم پھر بھی چلے آتے ہو؟ اس پر مخدوم جہانیاں نے جواب دیا:-

اے عزیز! میں جتنی مرتبہ آتا ہوں اس کا ثواب مجھے مل جاتا ہے لیکن ایک مظلوم کا مقصد پورا نہیں ہوا، میں چاہتا ہوں کہ اس مظلوم کو تمہاری قید سے رہائی دلواؤں تاکہ اس کا نیک اجر تمہیں بھی ملے۔

وزیر اعظم نے جب یہ جواب سنا تو اس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ فوراً گھر سے باہر آگیا اور نہ صرف ان کی سفارش قبول کی بلکہ ان کے عقیدتمندوں میں داخل ہو گیا۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان ہونا!

- جس انسان نے ہماری راہ میں کوشش کی، ہم اس کو اپنا راستہ بتا دیں گے۔ (قرآنِ کریم)
- ہم کسی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔ (قرآنِ کریم)
- جس انسان کو میرا ذکر سوال کرنے سے روک لے میں اسکو سوال کرنیوالوں سے زیادہ دیتا ہوں۔ (حدیثِ قدسی)
- خدا نے انسان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سب سے بہتر خوش خلقی ہے۔ (حضرت محمدؐ)
- وہ انسان بے دین ہے جس میں دیانتداری نہیں اور وہ بھی جس میں عہد کی پابندی نہیں۔ (حضرت محمدؐ)
- وہ انسان ہم میں سے نہیں جس نے بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر رحم نہ کیا۔ (حضرت محمدؐ)
- بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔ (حضرت محمدؐ)
- بہادر ہے وہ انسان جو غصہ کو شکست دیدے۔ (حضرت محمدؐ)
- انسان کی عزت و عافیت اسی میں ہے کہ وہ جنگ و جدل سے دُور رہے۔ (حضرت سلیمانؑ)
- کوئی انسان شرارت سے پائدار نہیں رہ سکتا۔ (حضرت سلیمانؑ)
- وہ انسان جو اپنی جان کی نگہبانی کرتا ہے، ہر بلا سے محفوظ رہتا ہے۔ (حضرت سلیمانؑ)
- جوانمردی اور حقیقی سخاوت یہ ہے کہ انسان دوسروں کی تکلیف اپنے سر لے۔ (حضرت ابوبکرؓ)
- انسان ضعیف ہے، تعجب ہے کہ وہ کیوں کر خدائے قوی کی نافرمانی کرتا ہے۔ (حضرت ابوبکرؓ)
- بدبخت ہے وہ انسان جو خود مر جائے مگر اس کا گناہ نہ مرے۔ (حضرت ابوبکرؓ)
- جو انسان اپنا راز پوشیدہ رکھتا ہے گویا اپنی سلامتی کو اپنے قبضے میں رکھتا ہے۔ (حضرت عمرؓ)
- انسان کیلئے کم کھانا صحت، کم بولنا حکمت اور کم سونا عبادت ہے۔ (حضرت عمرؓ)
- اسراف اس کا بھی نام ہے کہ جس چیز کو انسان کی طبیعت چاہے کھائے۔ (حضرت عمرؓ)

فرشتوں سے بہتر ہے انسان ہونا مگر اس میں ہوتی ہے محنت زیادہ

حاؔلی

دس ہزار فرشتے

حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ حج کے ارادے سے نکلے، آپ بغداد کی ایک دکان پر زادِ راہ خرید فرما رہے تھے کہ ایک بڑھیا کو کوڑے سے مُردہ مرغی اُٹھا کر اور چادر میں چھپا کر لے جاتے ہوئے دیکھا شیخ بے قرار ہو گئے۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کے گھر گئے، دستک دی، بڑھیا سے اس کی وجہ پوچھی، وہ بولی: "اے مسافر! اپنی راہ لے، تو کیوں میرا راز فاش کراتا ہے، میرے بچّے تین وقت کے فاقے سے نڈھال ہو چکے ہیں، اَب ان کی زندگی بچانے کیلئے اضطرار کی حالت میں یہ مُردہ مُرغی اُٹھا کر لائی ہوں"۔ شیخ نے یہ سُن کر اپنی بغل سے حج کا تمام سرمایہ نکال کر بڑھیا کے سپرد کر دیا اور اپنے ساتھیوں کے قافلہ سے علیحدہ ہو کر گھر چلے گئے ـــــــ شیخ کے قافلے والے جب حج کر کے لوٹے تو شیخ سے ملنے آئے اور انہیں قبولیتِ حج کی مبارکباد پیش کی۔ خدا آپ کا حج قبول کرے، آپ کا حج مبارک ہو، شیخ حیران ہو گئے کہ یہ لوگ مجھے مبارکبادکیوں دے رہے ہیں، میں تو حج کے بغیر واپس آگیا تھا، اسی حیرانی کے عالَم میں سو گئے۔ ہاتفِ غیبی نے آواز دی کہ اے ابن عربی! تم تعجب کیوں کرتے ہو؟ ہم نے تمہاری شکل وصورت کے دس ہزار فرشتے حرم میں بھیج دیئے تھے تاکہ وہ تمہاری طرف سے حج کریں، کیوں کہ تم نے ایک غریب شریف زادی کو فاقہ کی مصیبت سے نجات دلائی تھی۔

اسلام میں نفلی عبادات، نفلی نماز اور نفلی حج کی اہمیت و برکت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ خدا کے برگزیدہ بندے جو مزاجِ دین اور منشائے شریعت سے واقف ہیں وہ اس طرح کی نفلی عبادات کے مقابلہ میں مخلوقِ خدا کی خدمت اور کسی بندے یا بندی کی کسی ضرورت کی تکمیل کو مقدم اور ضروری سمجھتے ہیں، ایسا کرنا ایک حدیث کے بموجب دس سال کے اعتکاف سے افضل اور بہتر ہے اور ایسا شخص خدا کی مدد اور نصرت کا مستحق قرار پاتا ہے، آج کے مادّی دَور اور خود غرضانہ ماحول میں اس حقیقت کو اپنی سیرت میں سب سے زیادہ پیوست کرنے کی ضرورت ہے تاکہ بیکسوں، محتاجوں، معذوروں، یتیموں، بیواؤں اور مصیبت زدوں کی خاطر خواہ دادرسی ہو سکے۔

اعلیٰ ظرفی کی مثال!

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سرسیّد احمد خاں کا ایک واقعہ (الافاضات الیومیہ، جلد ۱)
اِن الفاظ میں بیان کیا ہے :۔

ایک انگریزی تعلیم یافتہ شخص ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے پریشان تھا، کیا سوجھی کہ ایک بڑے انگریز افسر کے پاس پہنچا اور کہا کہ میں سرسیّد کا داماد ہوں، مجھ کو ملازمت کی ضرورت ہے، وہ انگریز بہت ہی خاطر سے پیش آیا اور کہا کہ آپ ٹھہریں۔ اس کو ٹھہرا کر اس کی لاعلمی میں ایک تار سرسیّد کو دیا کہ فلاں شخص اس نام کا ہمارے پاس ملازمت کے خیال سے آیا ہے اور اپنے آپ کو آپکا داماد کہتا ہے، کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟

جواب میں سرسیّد نے اس انگریز کو لکھا، بالکل صحیح ہے۔ ضرور آپ ملازمت کیلئے کوشش فرمادیں۔ میں آپ کا ممنون ہوں گا، اس شخص کو ملازمت مل گئی۔

ایک روز اتفاقاً اس انگریز نے اس شخص سے یہ واقعہ (سرسیّد سے تحقیق حال کا) بیان کر دیا، یہ بہت ہی شرمندہ ہوا اور کچھ عرصہ کے بعد یہ شخص علی گڑھ آیا اور سرسیّد سے مل کر معافی کی درخواست کی اور کہا کہ میں وہی ہوں جس نے اپنے آپ کو آپکا داماد بتا کر ملازمت لی ہے۔ یہ گستاخی بضرورت تھی۔

سرسیّد نے جواب میں کہا کہ گو یہ بات اس وقت غلط تھی مگر اب صحیح ہو جائے گی۔ داماد کہتے ہیں بیٹی کے شوہر کو۔ اس کی ایک صورت تو یہ تھی کہ میری بیٹی آپ کی بیوی ہوتی، سو یہ تو نہیں ہو سکتا۔ مگر دوسری صورت ممکن ہے وہ یہ کہ آپ کی بیوی کو میں اپنی بیٹی بنا لوں، سو میں آپ کی بیوی کو اپنی بیٹی بناتا ہوں اور وہ میری بیٹی اور میں اس کا باپ۔

یہ توجیہ وقتی ہی نہ تھی بلکہ تازندگی باپ بیٹی اور داماد کا سا برتاؤ رکھا، بُلانا، لینا دینا سب اسی طرح رکھا۔ (تہذیب الاخلاق)

سار ی دنیا کا ہمدرد بننا آسان ہے مگر قوم کا ایک مصیبت زدہ فرد جس سے ٹھیس پہنچی ہو اس کے معاملہ کو اپنا معاملہ بنا لینا بہت مشکل ہے، یہ وہی شخص کر سکتا ہے جو قوم کا سچا خیر خواہ ہو اور اسی کے ساتھ بڑے دل والا بھی۔ (ماخوذ)

میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قندؔ

از: مجاہد ملّت حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہارویؒ، ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند،

" جو حالات ہمارے سامنے ہیں کہ انسان خود انسان کے خون کا پیاسا ہے، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ان کو کن الفاظ سے تعبیر کریں۔ وحشت اور درندگی کا لفظ بھی کافی نہیں ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ وحشت اور درندگی اس حالت سے شرم کر رہی ہے، شیر اور بھیڑیئے جو سب سے زیادہ وحشت ناک درندے مانے جاتے ہیں وہ دوسرے جانوروں کا خون چوس کر درندگی کا پیاس بجھاتے ہیں لیکن اپنے بچّوں کو وہ بھی نہیں پھاڑتے ——— یہ حضرت انسان ہیں کہ خود اپنے ہم جنس بچوں اور عورتوں اور کمزور انسانوں کو ذبح کرتے ہوئے نہیں شرماتے، عوام کی وحشت اور دَرندگی کا علاج حکومت کا فرض ہے لیکن اس کا کیا علاج جب معالج خود اور امن کے ذمہ دار وحشت زدہ ہو جائیں۔

ہندوستان ہمارا وطن ہے، یہ ہماری روایات کا مخزن اور ہماری تہذیب و ثقافت کا گہوارہ ہے، اس کی دَر و دیوار پر ہماری ہزار سالہ تاریخ کے نشانات کندہ ہیں، اگر پنڈت جواہر لال نہرو کو یہاں رہنے کا حق حاصل ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ انہیں جیسا ہمارا حق بھی اس سرزمین پر نہ ہو۔ ہم اس ملک میں رہنے والے مسلمانان، اس لئے نہیں ہیں کہ کسی کی چاپلوسی کریں یا یہ سمجھیں کہ اس سے ہندو خوش ہوگا یا پنڈت نہرو خوش ہوں گے۔ اگر مسلم زعماء کے دل میں ایک منٹ کے لئے بھی یہ خیال گذرے تو میں کہوں گا کہ اس سے بڑی بزدلی اور نفاق نہیں ہو سکتا۔

یہ ملک جس طرح اکثریت کا ہے اسی طرح اقلیت کا بھی۔"

(ماخوذ "بیس بڑے مسلمان"
تذکرہ مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ)

فریضۂ عالمِ دین

اسلام وہ مذہب ہے کہ جس دن وہ دین بنا اسی دن وہ سیاست بھی تھا اس کا منبر، اس کا تخت، اس کی مسجد، اس کی عدالت، اس کی توحید نمرودوں اور فرعونوں، قیصروں اور کسراؤں کی شاہنشاہی کے مٹانے کا پیغام تھی صحابہ اور خلفاء کی پوری زندگیاں، ان مرقعوں سے بھری پڑی ہیں، اور وہی اسلام کی سچی تصویریں ہیں، اور جب تک علماء، علماء رہے وہی ان کا اسوہ تھا، آج جب ہم پھر نئے سرے سے اپنا گھر بنانا چاہتے ہیں اور پچھلی غلطیوں کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ضرورت ہے کہ اسی نقشِ قدم پر چلیں جو ہمارے اسلاف نے ہمارے لئے چھوڑا ہے۔

آج علماء کا کام صرف پڑھانا، مسئلے بتانا اور فتوے دینا سمجھا جاتا ہے لیکن اب وقت ہے کہ اپنے اسلاف کے وقت کو پھر دہرائیں، اور دکھیں کہ ان کا کام صرف علم و نظر تک محدود نہیں، بلکہ سعی و عمل اور عملی خدمت بھی ان کے منصب کا ایک اہم فرض ہے، ہر آبادی جہاں وہ رہیں وہ ان کی سعی اور خدمت سے آباد رہے، وہاں کے جاہلوں کو پڑھانا، نادانوں کو سمجھانا، غریبوں کی مدد کرنا، وہاں کی ضرورتوں کو پورا کرنا، وہاں کے بھولے بھٹکوں کو راہ دکھلانا، مسلمانوں کو ان کی کمزوریوں سے آگاہ کرنا۔ ضرورت کے موقع پر آگے بڑھنا اور علم و عمل کی کوشش سے ان کو فائدہ پہونچانا ایک عالمِ دین کا فرض ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحؒ

دعوت و تذکیر

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ [حٰمٓ السجدة: ۲۲]

اور اس سے بہتر بات کس کی ہے جو دوسروں کو اللہ کی طرف بلائے اور خود نیک عمل کرے اور کہے کہ میں تو فرماں برداروں میں سے ہوں،

نضر الله امرأ سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه

(ابوداؤد)

اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص کو بارونق اور پھلتا پھولتا رکھے جس نے میری بات سنی، اور اس کو محفوظ رکھا، اور پھر اس کو دوسروں تک پہونچایا۔

سورۂ فاتحہ
اخوّت و ہمدردی کا انقلاب آفریں درس

از: متکلم اسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مہتمم دارالعلوم دیوبند

سورۃ الحمد ایک ایسی محترم سورۃ ہے جو ہر نماز میں ضرور پڑھی جاتی ہے اور بارگاہِ اَحدیت میں جس درخواست کے پیش کرنے کے لئے ہم دن رات میں پانچ بار حاضر ہوتے ہیں وہ یہی مخلصانہ درخواست ہے جس کا نام ہم نے فاتحہ یا الحمد یا سبعِ مثانی وغیرہ رکھا ہے۔

میں امام رازی (۵۴۴ھ ۶۰۶) کی تفسیر کبیر میں اسی محترم سورۃ کا مطالعہ کر رہا تھا جب میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ پر پہنچا تو یہ سوال نظر سے گذرا کہ نَعْبُدُ کو جمع متکلم کے صیغہ کے ساتھ لانے میں کیا راز ہے؟ درانحالیکہ اس کا متکلم واحد ہے۔ یعنی بجائے اس عبارت کے کہ (تیری ہی عبادت کرتے ہیں ہم) یہ کیوں نہ کہا گیا کہ (تیری ہی عبادت کرتا ہوں میں) باوجودیکہ کہنے والا صرف ایک شخص تھا۔

اس سوال کے حل کرنے میں حق یہ ہے کہ امام ممدوح اور دیگر مفسّرین نے کافی دقیقہ رسی اور نکتہ آفرینی کا زور دکھلایا ہے لیکن یہاں میں اس لطیف توجیہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو امام رازی کے تعمقِ نظر کا کامل ثبوت ہے ——— امام ممدوح تحریر فرماتے ہیں کہ ہماری شریعتِ مطہرہ نے ہم کو یہ مسئلہ بتلایا ہے کہ اگر کوئی شخص بہت سی چیزوں کو ایک ہی معاملہ کے ساتھ فروخت کر ڈالے اور بعد میں ظاہر ہو کہ مبیع میں کچھ حصہ بے عیب اور کچھ عیب دار ہے تو مشتری کو ایسی حالت میں یہ اختیار ہوگا کہ وہ اس سارے مبیع کو رکھ لے یا سارے کو واپس کر دے، اس کو یہ اجازت نہیں کہ فقط عیب دار حصّہ کو لوٹا کر بے عیب حصّہ اپنے پاس روک لے۔

ٹھیک اسی طرح جب عبادت کرنے والا اپنی عبادت کو ناقص سمجھ کر خداوند ذوالجلال کے سامنے پیش کرنے سے شرماتا ہو تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ اپنی عبادت کے ساتھ اور سبھوں کی عبادت کو بھی شامل کر لے تاکہ اگر خدا رد کرے تو سب کو رد کرے اور قبول کرے تو سب کو قبول کرے اب یہ ظاہر ہے کہ اس مجموعۂ عبادت میں انبیاء، اولیاء اور جملہ صالحین کی عبادات شامل ہیں جن کا

مقبول ہونا ضروری ہے ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کا کرمِ بے پایاں اس کی ہرگز اجازت نہ دے گا کہ وہ ایک مبیع میں سے کھرا کھرا الگ کر کے کھوٹے کو ہمارے حوالے کر دے! یہی نکتہ ہے جس کی وجہ سے جمع متکلم کا صیغہ اختیار کیا گیا اور ہر ایک عابد کی زبان سے یوں کہلایا کہ "اے اللہ ہم سب مل کر تیری عبادت کرتے ہیں"

امام صاحب ممدوح کی اس دقیقہ شناسی نے محض یہی نہیں کہ کلام پاک میں اَعْبُدُ کے بجائے نَعْبُدُ کہنے کا راز معلوم کرا دیا بلکہ نہایت دلنشیں پیرایہ میں یہ بات بھی جتلا دی کہ خداوند ربّ العزت مسلمانوں میں کس درجہ تک اتفاق و اجتماع دیکھنا چاہتا ہے، یہاں تک کہ تمام دینی و دنیوی معاملات کے ساتھ ہر مسلمان اور خصوصاً اس زمانے کے مسلمانوں کی عبادات نماز روزہ وغیرہ بھی جب ہی خدا تعالیٰ کے یہاں قبول کی جا سکتی ہیں جب کہ وہ بہ ہیئت اجتماعی پیش کی جائیں۔

کیا اس مضمون کو سننے کے بعد بھی کوئی اَلْحَمْدُ پڑھنے والا ایسا نکلے گا جو کلمۂ الاسلام کی تفریق کو گوارا کرے یا تمام مسلمانانِ دنیا میں باہمی اخوت و ہمدردی پیدا ہونے کی تدابیر نہ سوچے یا اپنے مظلوم بھائیوں کو تا استطاعت جائز امداد پہنچانے میں سستی اور غفلت سے کام لے۔

ابو الفتح بستیؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

وَکُنْ عَلَی الدَّهْرِ مِعْوَانًا لِذِی اَمَلٍ ۔۔۔ یَرْجُوْ نَدَاكَ فَاِنَّ الْحُرَّ مِعْوَانٌ

ہمیشہ اُن امیدواروں کی مدد کرتا رہ جو کہ تیری دریا دلی کی توقع رکھتے ہیں کیونکہ شریف وہی ہے جو دوسروں کا مددگار بنے

اَحْسِنْ اِذَا كَانَ اِمْكَانٌ وَمَقْدِرَةٌ ۔۔۔ فَلَنْ يَّدُوْمَ عَلَی الْاِنْسَانِ اِمْكَانٌ

جس وقت قدرت و امکان ہو تو احسان کرنے سے نہ چوک کیونکہ انسان کو ہمیشہ یہ قدرت بھی حاصل نہیں رہتی۔

(ماہنامہ سلطان العلوم دیوبند، بابتہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ)

ایسے مومنوں کو خوشخبری سُنا دیجئے

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ التوبہ ۱۱۲ (سچے ایمان والوں کے اوصاف یہ ہیں) توبہ کرنیوالے، عبادت کرنے والے، اللہ کی حمد و ثنا کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے اور لوگوں کو نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی مقرر کی ہوئی حدبندیوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور (اے پیغمبر ایسے) مومنوں کو خوشخبری سُنا دیجئے (سورۂ توبہ ۱۱۲)

اللہ کے جو بندے اپنے مالک پر ایمان لائے اور اس کے ہاتھ بک جاتے ہیں ان میں ایمان کی وجہ سے چند حدبندیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن کی بدولت وہ اعلیٰ درجہ کے انسان بن جاتے ہیں، مذکورہ آیت میں مومنوں کی مندرجہ ذیل صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے:

○ اَلتَّآئِبُوْنَ: یعنی یہ لوگ گناہوں اور کمزوریوں سے توبہ کرتے ہیں، برائیوں سے منہ پھیر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں، نیک کاموں اور اعلیٰ مقصدوں کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔

○ اَلْعَابِدُوْنَ: اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں۔ اسلام میں جو عبادتیں مقرر ہیں اُن کو بڑے اخلاص اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ اُن میں ہر وقت بندگی کا شعور بیدار رہتا ہے جس کی وجہ سے اُن کی زندگی، اُن کی باتیں اور اُن کے اعمال سب کے سب بندگی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔

○ اَلْحَامِدُوْنَ: ان کے دل و دماغ اللہ تعالیٰ کی صفات اور کمالات کی معرفت سے معمور رہتے ہیں اور ان کی زبانیں اسی کی حمد و ستائش کے ترانے گاتی ہیں۔

○ اَلسَّآئِحُوْنَ: روزہ رکھنے والے جو کھانے پینے کی خواہشات کو روک کر اور دنیا سے ایک گونہ بے تعلق ہو کر اپنی اپنی صلاحیت کے لحاظ سے روحانی اور ملکوتی عالموں کی سیر کرتے ہیں، بعض مفسرین کے نزدیک اس سے ہجرت کرنے والے، دین کی راہ میں جدوجہد کرنے والے اور علم کی تلاش

میں ملک ملک پھرنے والے مراد ہیں۔

○ الرّاکِعُوْنَ السّاجِدُوْنَ : یعنی نماز پڑھنے والے جو فرض نمازوں کا خاص طور پر اہتمام کرتے ہیں اور نفل نمازیں بھی بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔

○ اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ : یعنی اپنی حالت درست کرنے کے بعد ان میں اللہ کے بندوں کی خیر خواہی اور اصلاح کا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ دین کی راہ میں جدو جہد کرتے ہیں اور دین کی جو روشنی ان کو ملی ہے اس سے دوسروں کے دل و دماغ کو بھی روشن کرتے ہیں۔

○ اَلْحٰافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ : یعنی اپنے نفسوں کو قابو میں رکھتے ہیں، احکام کی پابندی کرتے ہیں اور حلال و حرام، جائز و ناجائز کی جو حدیں اللہ نے مقرر کر دی ہیں ان کی سختی سے حفاظت اور نگہبانی کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے :

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ : اور اے پیغمبر! ایسے مومنوں کو اللہ کی رضا، جنت اور دنیوی فلاح و بہبودی کی خوشخبری سنا دیجئے۔

پھر کتنے لوگ ہیں جو اپنے لئے اس خوشخبری کا استحقاق رکھتے ہیں؟۔

فردوس کے وارث

سورہ مومنون کی ابتدائی آیتوں میں فلاح پانے والے مؤمنین کی چھ صفات بیان کی گئی ہیں جن کا حاصل یہ ہے:

○ وہ جب نماز پڑھتے ہیں تو خشوع و خضوع کا اہتمام کرتے ہیں، اس طرح کہ ان کا دل اللہ کی یاد میں کھویا ہوا رہتا ہے اور پورے طور پر اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں، دوران نماز دل کی اس کیفیت کا اظہار ان کے خارجی عمل سے بھی ہوتا ہے کہ وہ بازو اور سر جھکائے ہوئے ہوتے ہیں۔ نگاہیں پست ہوتی ہیں، اِدھر اُدھر نہیں دیکھتے اور نہ کپڑے اور داڑھی سے کھیلتے ہیں، نہ انگلیاں چٹخاتے ہیں، قرأت میں ٹھہراؤ اور ترتیل ہوتی ہے، رکوع اور سجود سکون و اطمینان کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

○ فضول و بیکار مشغلوں میں وقت ضائع نہیں کرتے، کوئی دوسرا شخص لغو اور نکمی بات کہے تو ادھر سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ان کو وظائف عبودیت سے اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ ایسے بے فائدہ جھگڑوں میں اپنے کو پھنسائیں ؎

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو	چوں بگذشت بر عارف جنگ جو
گر ایں مدعی دوست بشناختے	بہ پیکار دشمن نہ پرداختے،

○ زکوٰۃ یعنی مالی حقوق ادا کر کے اپنے بدن، نفس اور مال کو پاک رکھتے ہیں۔

○ اپنی منکوحہ عورت یا شرعی باندی کے سوا کوئی اور راستہ قضائے شہوت کا وہ اختیار نہیں کرتے ہیں۔

○ امانت اور قول و قرار کی حفاظت کرتے ہیں، خیانت اور بد عہدی نہیں کرتے نہ اللہ کے معاملے میں، نہ بندوں کے۔

○ نمازیں اپنے اوقات پر بہ پابندی جماعت ظاہری اور باطنی جملہ حقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ کاروبار اور بندوں کے معاملات میں پڑ کر عبادتِ الٰہی سے غافل نہیں ہوتے۔

ان صفات کا تذکرہ کرنے کے بعد آخر میں ارشاد ہوا ہے:

"یہی لوگ وہ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

(مستفاد از فوائد عثمانیؒ بر حاشیہ ترجمہ: شیخ الہند)

۵ لاکھ میں ۵

ایک دفعہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ (پ ۸۰ھ م ۱۵۰ھ) کے دل میں خیال آیا کہ چند حدیثیں منتخب کر دی جائیں جو انسانی زندگی کے لئے رہنما اصول اور عمل کیلئے بنیادی دستور ہوں، چنانچہ آپ نے ۵ لاکھ احادیث کے ذخیرے میں سے ذیل کی ۵ حدیثیں منتخب فرمائیں۔

۱:— سب انسانی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، انسان کو اس کی نیت ہی کے مطابق پھل ملتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

۲:— مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان کو اذیت نہ پہنچے۔ (الادب المفرد)

۳:— تم مومن اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم اپنے بھائی کیلئے وہی نہ چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو۔ (بخاری و مسلم)

۴:— آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں اور لایعنی عمل سے دور رہے۔

(ابن ماجہ، ترمذی)

۵:— حلال و حرام واضح ہیں مگر ان کے درمیان بعض مشتبہ اور مشکوک چیزیں ہیں جو ان سے بچے گا وہ اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کرلے گا۔ (مسلم)

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: ————————

"پہلی حدیث عبادات کی درستی کے لئے کافی ہے، دوسری اور تیسری حدیث سے بندہ کے حقوق کی سمجھ پیدا ہوتی ہے اور حق رسائی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے ——— چوتھی حدیث سے عمر عزیز کے اوقات کی حفاظت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور پانچویں حدیث سے ایسے مسائل جن میں شک و تردد ہو۔ ان کے لئے ایک واضح راستہ متعین ہوتا ہے، غرضیکہ پانچوں حدیثیں ایک عاقل آدمی کیلئے استاد و شیخ کا درجہ رکھتی ہیں"

(بستان المحدثین ص ۱۱۹)

پانچویں نہ بنو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے!

ایک حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم علم کے جاننے والے بنو، یا علم کے سیکھنے والے، یا علم کو سننے والے یا علم سے محبت کرنیوالے اور پانچویں نہ بنو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے

اس حدیث میں علم سے مراد وہ علم ہے جو آدمی کو اللہ اور اللہ کی باتوں سے باخبر کرے، لوگوں میں کوئی پڑھا لکھا ہوتا ہے، کوئی جاہل، کوئی ذہین ہوتا ہے کوئی غبی، اس لئے آدمیوں کی مختلف حالتوں کے اعتبار سے آپؐ نے چار درجے مقرر کر دیئے اور فرمایا کہ ہر حال میں تم کو ان چار درجوں میں سے کسی ایک درجہ پر ہونا چاہیے۔

یا تو تم وہ شخص بنو جس نے خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کر کے دین خداوندی کو بخوبی سمجھ لیا ہو اور اس کیلئے وہ ضروری محنت و ریاضت کر لی ہو جو آدمی کو صحیح معرفت تک پہنچاتی ہے۔ اگر یہ مقام تم کو حاصل نہ ہو تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ تم اپنی اس کمی سے آگاہ ہو اور اس کو پورا کرنے کے لئے علم حقیقی کو سیکھنا شروع کر دو، قرآن و سنت کے طالب علم بن جاؤ، اگر تم اپنے حالات کے لحاظ سے یہ بھی نہ کر سکو تو تیسرا درجہ یہ ہے کہ تمہارے اندر اس واقعہ کا اعتراف پیدا ہو جائے کہ تم نہ صاحب علم ہو نہ طالب علم، ایسی حالت میں تمہارے لئے صحیح رویہ یہ ہے کہ تم سننے والے بن جاؤ۔ جہاں کہیں خدا کی باتیں ہوں تم وہاں خاموشی سے بیٹھو اور جو کچھ بتایا جا رہا ہو اس کو غور سے سنو۔ پھر اگر کوئی اس درجہ پر بھی نہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ اپنی اس محرومی کا احساس کرے اور اس احساس محرومی کا کم سے کم تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے دل میں ان لوگوں کے لئے محبت اور تعاون کا جذبہ پیدا کرے جو اس متاع علم میں اپنا حصہ بنائے ہوئے ہیں جس سے وہ اپنا حصہ نہ پا سکا۔ یہ چوتھا درجہ ہے جہاں کوئی مومن اس دنیا میں ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد جو پانچواں درجہ ہے وہ ہدایت کا نہیں بلکہ گمراہی کا درجہ ہے، وہ یہ کہ آدمی علم کی حقیقت سے باخبر نہ ہو، اس کے باوجود بحث و نزاع کرے۔ وہ علم دین کے بجائے کسی اور علم کا متعلم بن جائے، وہ سننے اور سیکھنے کیلئے ان مجالس کا انتخاب کرے جہاں دین کی باتیں نہیں ہوتیں حتیٰ کہ اس کے دل میں محبت و احترام بھی ان لوگوں کے لئے ہو جائے جو علم دین کے مالک تو نہیں ہیں البتہ دوسری قسم کے

مہارتوں میں کمال رکھتے ہیں، اسی طرح وہ علم دین کی اشاعت میں دامے' درمے' قدمے' سخنے تعاون نہ کرے ——————

یہ انسان کی پانچویں حالت ہے جو اپنے آپ کو اس حال پر پائے۔ اس کو سمجھنا چاہئے کہ وہ ہلاک ہوگیا الّا یہ کہ وہ واپس لوٹے اور مذکورہ چار میں سے کوئی ایک بننے کی کوشش کرے۔ (الرسالہ۔ دہلی)

مومن —————— بہترین تمثیل

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، مومن کی مثال سونے کی اس ڈلی کی سی ہے جس کے مالک نے اس کو تپایا پھر نہ تو اس کا رنگ بدلا اور نہ وزن گھٹا، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے مؤمن کی مثال ٹھیک اس شہد کی مکھی کی سی ہے جس نے عمدہ پھول چوسے، اچھا شہد بنایا اور جس شاخ پر وہ بیٹھی نہ تو اپنے وزن سے اس کو توڑا نہ خراب کیا۔ (مسند امام احمد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ایک مثال دے کر مؤمن کی چند صفتیں بیان فرمائی ہیں اس کی پہلی صفت یہ ہے کہ اس میں کھوٹ بالکل نہیں نکلتا۔ جتنا اس کو آزماؤ اتنا ہی وہ اور کھرا نکلتا ہے۔ وہ اس نقلی سونے کی طرح نہیں ہوتا، جس کا تپانے سے رنگ بدل جائے یا اس کا وزن گھٹ جائے۔ اس کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ شہد کی مکھی کی طرح صاف ستھری غذا کے سوا کوئی حرام اور مشتبہ کھانا نہیں کھاتا۔ اس کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ شہد کی مکھی کی طرح جہاں بیٹھتا ہے، کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا۔

مقروض کو مہلت دینے کا انعام

حضرت حذیفہ رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-
"تم سے پہلے جو (مسلمان) گذرے ہیں ان میں سے ایک (مسلمان) کے پاس (مرنے کے بعد) فرشتے پہنچے۔ انہوں نے پوچھا، تم نے دنیا میں کوئی اچھا کام کیا ہے؟ اس نے کہا، نہیں۔ فرشتوں نے کہا، یاد کرو، حافظہ پر زور ڈالو، کوئی کام کیا ہو تو بتاؤ؟
اس نے کہا، میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے ملازموں کو ہدایت کرتا تھا کہ تنگدست قرضدار وقت مقررہ پر قرضہ واپس نہ کرسکے تو اسے مزید مہلت دے دینا اور اگر قرضدار قرض واپس کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو اس کے ساتھ نرمی سے پیش آنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا، اس کی غلطیاں معاف کی جاتی ہیں، اب تم اس سے باز پرس نہ کرو۔

(صحیح بخاری)

اَدائے قرض کی دُعا

حضرت ابو وائل رضؓ کا بیان ہے کہ حضرت علی رضؓ کے پاس ایک غلام آیا اور عرض کیا میں نے اپنے آقا سے مکاتبت (ایک مقررہ رقم پر آزادی کا معاہدہ) کا معاملہ کرلیا ہے مگر معاوضہ نہیں دے پا رہا ہوں میری مدد فرمائیے۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا، میں تمہیں وہ دُعا کیوں نہ بتادوں جو خدا کے رسول صلعم نے مجھے سکھائی ہے۔ اگر تم پر جبل اُحد کے برابر بھی قرض ہو گا تو خدا اُسے ادا کرنے کا ضرور انتظام فرمادے گا۔ غلام نے کہا ضرور سکھائیے۔ آپؓ نے یہ دُعا سکھائی:-

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

(اے خدا مجھے حلال روزی عطا فرما، حرام سے بچا اور اپنے فضل و کرم سے تو مجھے اپنے علاوہ ہر ایک سے بے نیاز کردے۔)

جہنم کا توشہ

حضرت رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ کسی ناجائز طریقہ سے حرام مال کمائے اور اس میں سے للہ صدقہ کرے تو اس کا وہ صدقہ قبول ہو اور اس میں سے خرچ کرے تو اس میں (منجانب اللہ) برکت ہو۔ اور جو شخص حرام مال (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ جائے تو وہ اس کے لئے جہنم کا توشہ ہی ہوگا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بدی سے بدی کو نہیں مٹاتا بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے، یہ حقیقت ہے کہ گندگی گندگی کو نہیں دھو سکتی۔ (مسند احمد)

تشریح: حدیث کا حاصل اور مدعا یہ ہے کہ حرام مال سے کیا ہوا صدقہ قبول نہیں ہوتا اور حرام کمائی میں برکت نہیں ہوتی اور جب کوئی آدمی ناجائز و حرام طریقہ سے کمایا ہوا مال مرنے کے بعد وارثوں کیلئے چھوڑ گیا تو وہ آخرت میں اس کے لئے وبال ہی کا باعث ہوگا اس کو حرام کمانے کا بھی گناہ ہوگا اور وارثوں کو حرام کھلانے کا بھی۔ (حالانکہ وارثوں کیلئے حلال مال چھوڑ جانا ایک طرح کا صدقہ ہے اور اس پر یقیناً اجر و ثواب ملنے والا ہے) آگے جو فرمایا گیا ہے "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَمْحُو السَّیِّئَ بِالسَّیِّئِ"، اس میں حرام مال کا صدقہ قبول نہ ہونے اور مرنے کے بعد باعثِ وبال ہونے کا سبب بیان فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صدقہ اگر صحیح اور پاک دل سے ہو تو وہ گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بن جاتا ہے لیکن اگر حرام اور ناپاک مال سے صدقہ کیا گیا تو وہ نجس اور ناپاک ہے، وہ گناہوں کی گندگی کو دھونے کی اور گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جس طرح گندے اور ناپاک پانی سے ناپاک کپڑا پاک و صاف نہیں کیا جا سکتا۔

فلاح ونجاح کی سات باتیں

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) جوشخص کسی مومن کی دنیا کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکالیف میں کمی فرمائے گا۔

(۲) جوشخص کسی تنگ دست پر آسانی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی فرمائے گا۔

(۳) جوشخص کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی عیب پوشی فرمائے گا۔

(۴) جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں رہتا ہے۔

(۵) جوشخص علم کی تلاش میں کوئی راستہ طے کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمائے گا۔

(۶) اللہ کے گھر (مسجدوں) میں سے کسی گھر میں جب لوگ جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں اُسے پڑھتے پڑھاتے ہیں تو ان پر سکون واطمینان نازل ہوتا ہے، رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، ملائکہ ان پر سایہ کرتے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے ملائکہ مقربین میں یاد فرماتے ہیں۔

(۷) جس شخص کا عمل اُسے پیچھا کردے گا اس کا حسب نسب اُسے آگے نہیں کرسکتا۔

(صحیح مسلم)

توفیق دے خدا تو یہ نعمت بھی کم نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَشَدُّ بَلاءِ الْاَنْبِیَآءِ... الخ سب سے زیادہ آزمائش اللہ کے نبیوں کی ہوتی ہے، پھر ان کی جو درجہ میں ان کے قریب ہوتے ہیں۔ پھر ان کی جو ان سے قریب ہوتے ہیں۔ (ترمذی)

انسان کی اندرونی زندگی کا معاملہ نہایت عجیب و غریب ہے۔ کسی صلاحیت کو ظاہر کرنے کے لئے کس قسم کی آزمائش درکار ہے اس کا سمجھنا آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بُری نہیں پیدا کی۔ جن بعض طاقتوں کو ہم بُری سمجھتے ہیں اُن کے اندر نہ معلوم کارکردگی کی کتنی اور کیسی کیسی صلاحیتیں پوشیدہ ہیں، اگر آزمائش کے ذریعہ ان طاقتوں کے بعض گوشوں کو دباکر دوسرے بعض کو ابھار دیا جائے تو ایسی صلاحیت نمودار ہوتی ہے کہ وہ کسی اور ذریعہ سے نہیں ہو سکتی۔ اس نظام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں اور انسان ناشکری کرنے لگتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں بندوں کی بے شمار مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں اور آزمائش میں تو اتنی بڑی مصلحت ہوتی ہے کہ اگر وہ ظاہر کر دی جائے تو انسان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں، ہر طرف اللہ ہی اللہ نظر آنے لگے۔

یاد رکھیئے دنیا کی ہر ترقی آزمائش کی مرہونِ منت ہے اور کمال کی ہر بلندی اس کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ بڑے خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جو آزمائش سے نوازے گئے اور پھر انہیں اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق دی گئی۔

دیکھنا پڑتا ہے اندازِ نگاہِ یار کو

عروہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے معاویہ بن قرہ نے اپنے باپ کے حوالے سے بیان کیا کہ "میں (قرہ معاویہ کے باپ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلۂ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر ہوا اور ہم لوگ آپؐ پر ایمان لائے، اس وقت حضورؐ کے پیراہنِ مبارک کے بٹن کھلے ہوئے تھے (قرہ کہتے ہیں) کہ میں اپنا ہاتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کے اندر لے گیا اور مہر نبوت کو چھُوا۔ عروہ جو اس حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے ہمیشہ معاویہ اور ان کے لڑکے کو اس حال میں پایا کہ ان کے بٹن کھلے رہتے تھے، جاڑے کے موسم میں بھی اور گرمی کے موسم میں بھی۔" (ابن ماجہ)

یہ حدیث بتاتی ہے کہ صحابۂ کرامؓ اپنے رسولؐ کے طریقوں کی کتنی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے، وہ منطق اور فلسفہ نہیں جانتے تھے، انہیں تو صرف اِس سے غرض تھی کہ ان کا محبوب کیا کرتا ہے۔ ورنہ وہ خوب جانتے تھے کہ آدمی کے بٹن کسی وقت کھلے رہتے ہیں اور کسی وقت بند رہتے ہیں۔ لیکن حضرت قرہ کی حاضری کے وقت اتفاق سے آپ کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ بس یہ ادا ان کی نگاہوں میں بس گئی اور ایسی بسی کہ وہ اور اُن کے لڑکے اور پوتے تادمِ حیات جاڑے اور گرمی کے موسم سے بے نیاز اپنے کرتے کے بٹن کھلے ہی رکھے، حالانکہ یہ ان کے لئے کوئی ضروری نہیں تھا مگر سچی محبت ہو جانے کے بعد محبوب کی پیروی میں ضروری اور غیر ضروری کی تقسیم فضول ہوتی ہے، وہاں تو بس محبوب کا عمل، نمونہ اور انداز دیکھا جاتا ہے۔ بقولِ جگر مرادآبادی ؎ دیکھنا پڑتا ہے اندازِ نگاہِ یار کو۔

آپ اس ربیع الاول کے مہینہ میں سیرۃ النبیؐ کے جلسے منعقد کرتے ہیں، کیجیے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ فیصلہ ضرور کیجیے کہ سینما بینی سے مکمل پرہیز کریں گے، ریڈیو کو گانے باجے سُننے کیلئے استعمال نہیں کریں گے اور نہ اپنے بچوں کو اس کا موقع دیں گے۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع کریں گے۔

میرے لئے یہی کافی ہے

حضرت صعصعہ بن معاویہ مشہور شاعر فرزدق کے چچا تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپؐ نے ان کو سورۂ زلزال سنائی یہاں تک کہ آپؐ اس آیت تک پہنچے فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃٍ شراً یرہٗ۔ حضرت صعصعہ نے اس کو سن کر کہا "اس کے بعد میں کچھ اور سنوں تب بھی میرے لئے یہ کافی ہے۔" (رواہ امام احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ نئے اسلام لانے والوں کو کسی صحابی کے سپرد کر دیتے تاکہ وہ ان کو دین کی باتیں سکھا دیں۔ اسی طرح ایک صحابی کو آپؐ نے حضرت علیؓ کے سپرد کیا تھا، وہ چند دن آئے اور اس کے بعد غائب ہو گئے، رسولؐ نے جب کئی دن تک ان کو مسجد میں نہیں دیکھا تو حضرت علیؓ سے اُن کے متعلق دریافت فرمایا۔ انہوں نے کہا کئی دن سے وہ میرے پاس نہیں آئے۔ آپؐ نے لوگوں سے کہا کہ ان کا پتہ کر کے بتائیں، آخر ایک روز ان کی ایک شخص سے ملاقات ہوگئی۔ وہ لکڑی کا گٹھا سر پر لئے بیچنے جا رہے تھے۔ انہوں نے ان سے کہا "رسولؐ آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے، چل کر ملاقات کر لو۔" چنانچہ وہ جلد جلد بازار گئے اور لکڑی کا گٹھا بیچ کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے کئی روز سے نہ آنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا "میں اس لئے نہیں آیا کہ میری تعلیم پوری ہوگئی۔ آپؐ نے فرمایا چند ہی دن میں تمہاری تعلیم کیسے پوری ہوگئی؟ انہوں نے کہا میرے سامنے قرآن کی یہ آیت آئی: فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیراً یرہٗ ومن یعمل مثقال ذرۃٍ شراً یرہٗ (جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر برائی کریگا وہ اس کو دیکھ لیگا)

اس آیت کو ماننے کے بعد اب میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ جب بھی کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو یہ خیال آجاتا ہے کہ قیامت میں اس کا انجام کس صورت میں سامنے آئے گا تو اس کو کرتا ہوں اور اگر اس اعتبار سے کھٹک پیدا ہوتی ہے تو رُک جاتا ہوں، پھر وہ کام مجھ سے نہیں ہوتا۔ رسولؐ نے فرمایا "پھر تو تمہارے لئے یہی کافی ہے۔"

انسان کو "ربِّ زِدنی علماً" کے تحت مزید علم کی تلاش جاری رکھنی چاہئے۔ مگر علم سے مقصود محض معلومات کا ذخیرہ جمع کرنا نہ ہو، بلکہ حضرت صعصعہؓ کا جذبہ ہو کہ علم کا حصول عمل کی نیت سے ہو اور یہ جذبہ ہو تو ایک بات ہی بسا اوقات انسان کی زندگی میں صالح انقلاب لانے کیلئے کافی ہوتی ہے۔

دانشمندانہ سوالات، حکیمانہ جوابات

فخرِ دو عالم سرورِ کونین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی مرتبت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے دنیا و آخرت کے بارے میں چند انتہائی اہم اور ضروری باتوں کی نسبت ہادیِ اکبر اور رہبر کامل سے دانشمندانہ سوالات کئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حکیمانہ جوابات ارشاد فرمائے ——— وہ لوگ جو صالح اور بامقصد زندگی گذارنا چاہتے ہیں ان کے لئے سوال و جواب کی شکل میں یہ مکالمہ "چراغِ راہ" کی حیثیت رکھتا ہے، ذیل میں اس مکالمہ کو ملاحظہ فرمائیے :-

اس شخص نے دربارِ رسالت میں عرض کیا : یارسول اللہ میں چاہتا ہوں کہ سب سے بڑا عالم بن جاؤں ———

آپ نے فرمایا ——— خدا سے ڈرتے رہو، سب سے بڑے عالم بن جاؤ گے، خدا کا خوف اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے انسان پر علم و حکمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

عرض کیا ——— میری خواہش ہے کہ سب سے بڑا انسان بن جاؤں۔

آپ نے فرمایا ——— سب سے بہتر وہ شخص ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے، تمہیں چاہیئے کہ سب کیلئے نفع بخش بن جاؤ۔ ———

عرض کیا ——— میری تمنا ہے کہ عادل و منصف بنوں۔

آپ نے فرمایا ——— دوسروں کیلئے وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔

عرض کیا ——— میں بارگاہ الٰہی میں سب سے زیادہ مقرب بننا چاہتا ہوں۔

آپ نے فرمایا ——— سب سے زیادہ ذکرِ الٰہی کرو، اللہ کے مقرب بن جاؤ گے۔

عرض کیا ——— میری آرزو ہے کہ میں نیکی اور احسان کرنے والا بنوں۔

آپ نے فرمایا ——— نماز اس طرح پڑھا کرو جیسے تم نماز میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم اس طرح پڑھو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہو۔

عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ میرا ایمان مکمل ہو جائے۔

آپؐ نے فرمایا: اپنے اخلاق اور عادات کو سنوار لو، ایمان مکمل ہو جائے گا۔

عرض کیا: خدا کا اطاعت گذار بننا چاہتا ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: اپنے فرائض ادا کرتے رہو گے تو تمہارا شمار اطاعت گذاروں میں کیا جائے گا۔

عرض کیا: میں اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملنا چاہتا ہوں کہ تمام گناہوں سے پاک صاف رہوں۔

آپؐ نے فرمایا: غسلِ جنابت کی برکت سے گناہوں سے پاک اُٹھو گے۔

عرض کیا: میری آرزو ہے کہ میدانِ حشر میں نور کے ساتھ اُٹھایا جاؤں۔

آپؐ نے فرمایا: اگر تم ظلم نہیں کرو گے تو قیامت میں نور کے ساتھ اٹھو گے۔

عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ میرے گناہ کم ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: استغفار کثرت سے پڑھا کرو، گناہ کم ہو جائیں گے۔

عرض کیا: میں سب لوگوں سے بزرگ تر بننا چاہتا ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: مصیبت کے اوقات میں خدا کی شکایت نہ کرو، سب سے بزرگ تر بن جاؤ گے۔

عرض کیا: میں چاہتا ہوں میرے رزق میں زیادتی ہو۔

آپؐ نے فرمایا: ہمیشہ پاک طاہر رہا کرو، رزق میں برکت ہوگی۔

عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا دوست بن جاؤں۔

آپؐ نے فرمایا: جو چیزیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو پسند ہیں ان کو اپنے لئے بھی پسند کر لو اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو ناپسند ہیں ان سے نفرت کرو گے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے دوست بن جاؤ گے۔

تین درہم میں جنّت

مسلم معاشرہ میں آجکل عام طور پر اسلامی آداب سے غفلت برتی جاتی ہے جس کے نتیجہ میں فرائض و واجبات میں بھی کوتاہی ہو رہی ہے۔ بڑے اعمال کا وہی انسان اہتمام کرسکتا ہے جو چھوٹے اعمال کا بھی اپنی زندگی میں پابند ہو، اِس سِلسلہ میں محدّثِ کبیر امام ابو داؤدؒ (۲۷۵ــــ۲۰۲ھ) کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے امید کہ نصیحت حاصِل کرنے والے نصیحت حاصِل کریں گے۔

لکھا ہے کہ ایک دفعہ امام ابو داؤدؒ دریا کے کنارے کھڑے تھے اور کنارے پر پانی کم تھا۔ ایک جہاز دو تین سو قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا، کنارے پر آ نہیں سکتا تھا، جہاز میں ایک شخص کو چھینک آئی اور اس نے الحمدللہ کہا اور اتنے زور سے کہا کہ ان کے کان میں آواز آئی، اس کے ساتھ ہی ان کے ذہن میں وہ حدیث تازہ ہوگئی جس میں آنحضرت صلعم نے یرحمک اللہ سے جواب دینے کا حکم فرمایا ہے، لیکن ظاہر ہے اس حکم کا تعلق مجلس سے ہے یہ نہیں کہ اگر کوئی بازار میں الحمدللہ کہے تو گھر سے جواب دینے کیلئے جایا جائے، مگر یہ لوگ نیکیوں پر حریص تھے۔

چنانچہ الحمدللہ کی آواز آتے ہی امام ابو داؤد کے اندر نیکی اور خیر کی ہوس پیدا ہو جاتی ہے۔ جہاز دور تھا اور یہ خیال آیا کہ میرے جواب کی آواز یہاں نہیں پہنچ سکتی تو تین درہم میں کشتی کرایہ پر لی، بیٹھ کر وہاں پہنچے اور چڑھے اور فرمایا یرحمک اللہ، پھر واپس ہوگئے۔

واقعہ نگار نے لکھا ہے کہ غیب سے کان میں آواز آئی، "اے ابو داؤد! آج تین درہم میں تم نے جنت خرید لی" ــــــــــــــــــ حالانکہ امام نے کتنی حدیثیں لکھیں کتنے تہجد پڑھے اور کتنے جہاد کئے ہوں گے مگر جنت کی خریداری میں بڑے بڑے اعمال کا ذکر نہیں بلکہ ذکر آیا تو یرحمک اللہ کہنے کا جو بظاہر معمولی عمل ہے، کیوں آیا؟

اس لئے کہ کشتی لے کر جہاز پر جانا اور یرحمک اللہ کہنا نہ فرض تھا نہ واجب مگر یہ لوگ آداب پر عمل کے حریص تھے تاکہ فرائض پر عمل میں کوتاہی نہ آئے اور اس وقت امام ابو داؤد کی یہ ادا خدا کو اتنی پسند آئی کہ جنت کا فیصلہ فرما دیا۔

چار باتیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص میں چار امور موجود ہوں اللہ اس پر جہنم حرام فرما دے گا اور اسے شیطان سے محفوظ رکھے گا، جو اپنے نفس پر قدرت رکھے رغبت[1] کی حالت میں، خوف[2] کی حالت میں، شہوت[3] کی حالت میں اور غصہ[4] کی حالت میں۔ اور جس شخص میں یہ چار باتیں ہوں اس پر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں نچھاور کریں گے اور اسے جنت میں داخل کر دیں گے جو مسکین[1] کو ٹھکانا دے، جو کمزور[2] پر رحم کھائے، جو غلام[3] پر نرمی کرے اور جو والدین[4] پر خرچ کرے

(ترمذی)

پہلی چار باتوں کا مدار "ضبطِ نفس" پر ہے اور انسان کا اپنے نفس پر قدرت حاصل ہونا ہے کہ وہ رغبت، خوف، شہوت اور غصہ کی حالت میں راہِ حق سے ہٹنے نہ پائے، جو شخص اِن چاروں حالتوں میں نفس پر قدرت حاصل کر لے وہ جنت کا حقدار ہے۔

یہ چاروں امور جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری دی ہے، کہ ان کو ضبط کرنیوالا جنتی ہے، ان چاروں کی جائے ظہور نفس کی گہرائیوں میں پیدا ہونیوالی شوریدگی ہے اور ان چاروں نفسیاتی حالتوں میں دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اور اضطراب بڑھ جاتا ہے۔ غصہ کی حالت میں تو اس کیفیت کی علامت بڑی واضح ہوتی ہیں کہ آدمی کا چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھوں میں سُرخی آ جاتی ہے اور اس کے اندر سے سلگنے کی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے اور اس بارے میں فرمانِ نبیؐ ہے کہ "غصہ انگارہ بن کر آدمی کی آنکھوں میں دہکتا ہے" جو شخص ان حالتوں کی آگ میں اپنے نفس پر قابو رکھے گا وہ گویا اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا لیتا ہے۔

دوسری چار باتوں کا مدار "جذبۂ ترحم" ہے۔ اور یقیناً جو شخص مسکین کو ٹھکانا دے، کمزور پر رحم کرے، غلام اور خادم پر نرمی کرے اور والدین پر خرچ کرے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اللہ اس پر اپنی نعمتیں نچھاور کرے اور جنت میں داخل کر دے۔

اے میرے بندو!

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ قدسی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

○ اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر بھی اس بات کو حرام کرلیا ہے کہ میں کسی پر ظلم کروں اور میں نے تمہارے اوپر بھی حرام کردیا ہے کہ تم ایک دوسرے پر ظلم کرو، اسلئے ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے بچو۔ ○ اے میرے بندو! تم سب کے سب گم کردہ راہ ہو، سوائے اس کے جسے میں راہ دکھاؤں، پس تم مجھ سے ہدایت طلب کرو، میں تمہیں سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔

○ اے میرے بندو! تم سب کے سب بھوکے ہو سوائے اس کے جسے میں کھلاؤں، پس مجھ سے ہی رزق طلب کرو، میں تم کو دوں گا۔ ○ اے میرے بندو! تم سب کے سب ننگے ہو سوائے اس کے جسے میں پہناؤں، پس مجھ سے لباس مانگو، میں تمہیں لباس عطا کروں گا۔ ○ اے میرے بندو! تم رات دن گناہ کرتے ہو اور میں تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کرتا ہوں پس تم مجھ سے معافی مانگو، میں تمہیں معاف کردوں گا۔ ○ اے میرے بندو! تمہارے بس میں نہیں ہے کہ مجھے کوئی نقصان پہنچا سکو اور نہ تم مجھے کوئی فائدہ ہی پہنچا سکتے ہو۔ ○ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے لوگ اور تمام انس و جن تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار انسان کی طرح بھی ہو جائیں تو اس سے میری سلطنت میں ذرا سا بھی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ ○ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے لوگ اور تمام انسان اور تمام جن تم میں سب سے زیادہ گنہگار انسان کی طرح بھی ہو جائیں تو میری سلطنت میں اس سے کوئی نقص نہیں آسکتا۔ ○ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے لوگ اور تمام انسان اور تمام جن ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور ان میں سے ہر ایک مجھ سے سوال کرے اور میں ہر ایک کو اس کے مطالبے کے مطابق دیتا جاؤں تو میرے خزانوں میں اتنی کمی بھی واقع نہیں ہو سکتی جتنی سمندر میں سوئی ڈبو کر نکال لینے سے اسکے پانی میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

○ اے میرے بندو! تمہارے اعمال میرے پاس محفوظ ہیں، جب تم میرے پاس آؤ گے تو میں ان کا پورا پورا بدلہ تمہیں دوں گا پس اس وقت جو بھلائی پائے وہ کہے "الحمدللہ" اور جو بھلائی کے سوا کچھ اور پائے تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

حضرت علیؓ کا بیان

حضرت حسنؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (حضرت علیؓ) سے پوچھا کہ اپنے ہم نشینوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کیسی تھی؟ ——— انہوں نے کہا:

"ہمیشہ خندہ پیشانی سے رہنے والے، نرم اخلاق والے، سہولت کی زندگی بسر کرنیوالے تھے، نہ درشت خو تھے، نہ بدمزاج، نہ بیہودہ بکنے والے، نہ عیب جوئی کرنے والے، جس چیز کی خواہش نہ ہوتی اس سے تغافل برتتے، نہ اس کا عیب بیان کرتے نہ اس سے رغبت ظاہر فرماتے، تین چیزیں آپؐ نے خود ترک فرما دی تھیں۔

(۱) شک کرنا۔ (۲) مال کثیر جمع کرنا۔ (۳) غیر مفید باتیں کرنا۔

تین چیزوں سے آپؐ نے لوگوں کو چھوڑ دیا تھا:

(۱) کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے۔ (۲) کسی کو عار نہیں دلاتے تھے۔ (۳) کسی کی پوشیدہ بات کا تجسس نہیں کرتے تھے۔ صرف وہی کلام کرتے جس میں آپؐ کو ثواب کی امید ہوتی تھی، جب گفتگو فرماتے تو اہل مجلس اس طرح خاموش ہو جاتے جیسے ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہیں، پھر جب آپؐ خاموش ہو جاتے تو لوگ بات کرتے، مسافر و غریب کی بات کرنے یا سوال کرنے میں اس کی بے ادبی پر صبر فرماتے' اس وقت اصحاب اسے دور ہٹانا چاہتے تو آپؐ فرماتے: جب کسی ضرورتمند کو دیکھو کہ کچھ طلب کرتا ہے، تو اس کی مدد کرو، سوائے تلافی کرنے والے کے اور کسی کی مدح و ثنا قبول نہیں کرتے تھے، آپ کسی کی بات کو قطع نہ کرتے تاوقتیکہ وہ خود ہی قطع نہ کر دے، حلم و صبر کے جامع تھے۔ آپؐ کو نہ تو کوئی چیز غضب ناک کرتی نہ بیزار ——— احتیاط صرف چار باتوں پر منحصر تھی:

(۱) نیکی کے اخذ کرنے میں کہ اس کی پیروی کریں۔

(۲) بدی کے ترک کرنے میں کہ اس سے باز رہیں۔

(۳) بہبود اُمت کے امور میں عقل سے غور و فکر میں۔

(۴) اُن امور کے قائم کرنے میں جن سے اُمت کی دنیا و آخرت جمع ہو۔

(ابن سعد)

ہم سب کی توجّہ کیلئے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ۔ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو : ———— (۱) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے ۔

(۲) صحت کو بیماری سے پہلے ۔
(۳) خوشحالی کو تنگ دستی سے پہلے ۔
(۴) فراغت کو مشغولیت سے پہلے ۔
(۵) زندگی کو موت سے پہلے ۔

یہ حدیث فکرمند بناتی ہے کہ آدمی نیک اعمال کرنے میں ٹال مٹول کا رویہ اختیار نہ کرے بلکہ جو حالات اور جو وسائل بھی حاصل ہوں آخرت کیلئے سرگرم عمل ہو جائے ۔ آج جو حالات ہیں ہو سکتا ہے وہ کل نہ رہیں ۔ آج جو حاصل ہے اس کو غنیمت سمجھے اور کل کے انتظار میں آج کا میسر موقعہ ہرگز نہ کھوئے ۔ ہو سکتا ہے کہ کل وہ موقعہ حاصل نہ رہے ۔ زندگی کا سفر برابر جاری ہے ، آج جو جوان ہے ، کل لازماً اسے ادھیڑ اور بوڑھا بھی ہونا ہے ۔ صحت کے ساتھ بیماری اور مختلف قسم کی معذوری بھی لگی ہوئی ہے ۔ دولت بھی آنی جانی ہے ۔ فرصت کا موقعہ بھی نہایت قابل قدر ہے ۔ معلوم نہیں کہ کل کس طرح کی مصروفیت میں پھنس جائے اور پھر موت تو ہر وقت سر پر منڈلا رہی ہے ۔

اس لئے آج جو نیکی کمانے اور عمل خیر کرنے کا موقعہ حاصل ہے اسے کل کی اُمید پر ٹالنا دانائی نہیں ۔ کیا کہا جا سکتا ہے کہ کل یہ موقع رہے یا نہ رہے ۔ اس لئے جو کچھ آدمی کر سکتا ہے ، وہ آج ہی کرے بلکہ فوراً ہی کرنا شروع کر دے اور اپنی آخرت بنانے کی فکر سے کسی لمحے غافل نہ رہے ۔
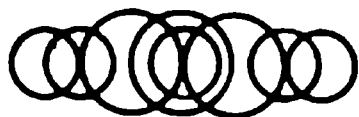
سیرت کا سبق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ اصولاً زندگی کے تین شعبوں پر مبنی ہے تعلق مع اللہ، تعلق مع الخلق اور تعلق مع النفس۔

(۱) تعلق مع النفس کے سلسلہ میں پاک دامنی و پاک نفسی، عفت و عصمت، حیا و انکسار، غیرت وحمیت، ہمت و شجاعت، صبر و سماحت، حلم و ضبط، اعتماد و توکل، زہد و قناعت، مجاہدہ و ریاضت، تحمل شدائد و مصائب اور خدا ترسی وغیرہ کے اعلیٰ ترین ملکات اور اخلاق حمیدہ آپ کی فطرت صالحہ کے خمیر تھے۔

(۲) اِدھر تعلق مع الخلق کے سلسلہ میں خدمتِ خلق اللہ، صلہ رحمی، مظلوم کی نصرت و اعانت، نادار کے لئے جود و سخا، ضرورت مندوں کیلئے ایثار و عطا، محتاجوں کو راحت رسانی اور راہگیروں سے کفِ اذیٰ (ایذا رسانی سے بچنا) عفو و درگذر، محبت و شفقت، دلسوزی و ہمدردی، تعلیم و تربیت ارشاد و تزکیہ وغیرہ آپ کی پاک طبیعت کے فطری جوہر تھے۔

(۳) اور تعلق مع اللہ کے سلسلہ میں عبادت و ریاضت، مجاہدہ و مراقبہ، کسرِ شہوات ولذات، تقرب و انابت، توبہ و استغفار، تہجد و شب بیداری، ذکر اور فکر وغیرہ آپ کی پاک فطرت کی افتاد تھی ———— لیکن ان تینوں تعلقات میں تعلق مع اللہ ہی دونوں تعلقات کی استواری کی روح تھی جو نفس اور آپ کے تعلقات کو صحیح نہج پر قائم کرتی ہے، اگر نفسِ انسانی کو تعلق مع اللہ سے آشنا اور اس کے تقاضوں کا خوگر نہ بنایا جائے تو تعلق مع اللہ اور تعلق مع النفس صحیح بنیادوں پر کبھی قائم نہیں رہ سکتا، آج بھی جو لوگ اللہ سے منقطع ہو کر ان تعلقات کو خوشنما بنانے کی فکر میں ہیں وہ طرح طرح کی لغزشوں کا شکار اور نفسانی جذبات میں گرفتار ہیں جن کی مہلک لغزشوں سے دنیا فتنہ و فساد کا گھرانہ بنی ہوئی ہے۔

یاد رکھئے! خلق کی خدمت بلا عبادت انانیت ہے۔ خدمتِ نفس بلا خدا ترسی نفسانیت

ہے اور گوشہ گیری کی عبادت بلا خدمتِ خلق رہبانیت ہے اور ریاست بلا عبادت، ملوکیت و استبدادیت ہے اور ظاہر ہے کہ نہ رہبانیت و گوشہ گیری حضورؐ کی سیرت ہے، نہ ملوکیت نہ نفسانیت آپ کی سیرت ہے نہ انانیت، کیوں کہ یہ اکہری چیزیں الگ رہ کر جیسے مجموعی سیرت نہیں بن سکتیں، ایسے ہی اپنی روح سے الگ ہو کر اس روح کے خلاف خود رو نقشوں اور رسوم کے ساتھ اجزائے سیرت بھی نہیں کہلائی جاسکتیں کہ انہیں جزوی سیرت کہا جاسکے، البتہ جب اس خدمتِ خلق اور خدمتِ نفس کے خانوں میں خدمتِ حق یعنی اخلاق و عبادت کا رنگ بھر دیا جائے اور یہ سب اجزاء اپنے مطلوبہ نقشوں کے ساتھ عبادت کے محور پر جمع ہو جائیں تو پھر اس جامع سیرت کا عکس پیدا ہو جائے گا جس میں انسان اپنی ہر نقل و حرکت کا مرجع و محور اپنے رب کو بنا لے گا۔

(حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند)

دیکھنا یہ ہے مزاجِ یار تو برہم نہیں!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسلام کی ابتدا غربت سے ہوئی اور پھر ایک وقت آئے گا کہ وہ پھر غریب ہو جائے گا، پس خوشخبری ہو غربار کے لیے۔

حدیث میں غریب کا لفظ اُردو محاورے کے مطابق مفلس کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اجنبی اور نامانوس ہے۔ ہر وہ شخص یا کام یا چیز غریب ہے جس سے لوگ آشنا نہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کو جب اول اول پیش کیا گیا تو عموماً لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ ایک نرالی بات کہی جارہی ہے، ہم تو اس سے بالکل مانوس نہیں ہیں۔ پس اسلام ابتدا میں بالکل اجنبی تھا اور لوگ اس کو ایک نرالی اور ناموافق چیز سمجھتے تھے، پھر ایک وقت ایسا آیا کہ اسلام ہی مقبول عام ہوگیا اور ہر وہ چیز اجنبی ہوگئی جو اسلام کے خلاف تھی، اس کے بعد ایک وقت پھر ایسا آئے گا کہ جب اسلام دنیا میں غریب ہو جائے گا، یعنی اسی طرح سے غیر مانوس اور اجنبی ہو گا جس طرح وہ ابتدا میں تھا اور وہ وقت یہی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔

آج ایک مسلمان لوگوں کے سامنے نماز پڑھتے ہوئے شرماتا ہے، اپنے اسلامی لباس میں چلتے پھرتے شرم محسوس کرتا ہے، گناہ کرنے والا آج جری و بے باک ہے اور ایک صالح مسلمان کی سی زندگی بسر کرنیوالا اپنی جگہ خوف زدہ بیٹھا ہوا ہے کہ معلوم نہیں میں سوسائٹی میں کیسے قبول کیا جاؤں گا؟ وہ سب کچھ دنیا میں دھڑلے سے ہو رہا ہے جس کے متعلق اس کا عقیدہ ہے کہ یہ بے حیائی ہے، فحش ہے، بے شرمی ہے، گناہ ہے، حرام ہے، جن چیزوں کو وہ سمجھتا ہے کہ یہ حلال ہیں ان کا استعمال اس کیلئے دشوار ہے ۔ یہی وقت ہے جس کی رسولؐ نے خبر دی ہے کہ اسلام ایک دفعہ پھر غریب اور نامانوس ہو کر رہ جائے گا اور ایسے ہی حالات کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ خوشخبری ہے غریبوں کیلئے یعنی ان لوگوں کیلئے جو ایسے حالات پیدا ہو جانے کے بعد بھی اسلام کے اصولوں پر مضبوطی سے قائم رہیں اور اس کی کچھ پرواہ نہ کریں کہ دنیا کیا کہتی ہے، وہ تمام خوف و ہراس اور ہر طرح کے دباؤ اور حرص و لالچ سے آزاد ہو کر رضائے الٰہی کو پیشِ نظر رکھ کر کہتے ہوں ؎ گو ہوا دشمن زمانہ ہو مگر اے دل ہمیں

دیکھنا یہ ہے مزاجِ یار تو برہم نہیں

●●

حضورؐ آپؐ بلند آپکا پیام بلند

امریکہ سے ایک کتاب چھپی ہے جس کا نام ہے " THE 100 " (ایک سو)۔ اس کتاب میں ساری انسانی تاریخ کے ایک سو ایسے آدمیوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے مصنف کے نزدیک تاریخ پر سب سے زیادہ اثرات ڈالے، کتاب کا مصنف (ڈاکٹر مائیکل ہارٹ امریکی) نسلی طور پر عیسائی اور تعلیمی طور پر سائنسداں ہے مگر اپنی فہرست میں اس نے نمبر ایک پر نہ حضرت مسیح کا نام رکھا ہے اور نہ نیوٹن کا۔ اس کے نزدیک وہ شخصیت جس کو اپنے غیر معمولی کارناموں کی وجہ سے نمبر ایک پر رکھا جائے وہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مصنف کا کہنا ہے کہ آپؐ نے انسانی تاریخ پر جو اثرات ڈالے وہ کسی بھی دوسری شخصیت خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی، نے نہیں ڈالے۔ مصنف کی نظر میں آپ تاریخ کے تنہا شخص ہیں جو انتہائی حد تک کامیاب ہے مذہبی سطح پر بھی اور دنیوی سطح پر بھی ——— یہ ایک حقیقت ہے کہ پیغمبر اسلام کی عظمت اتنی واضح ہے کہ وہ صرف آپ کے متبعین کے ایک "عقیدہ" کی حیثیت نہیں رکھتی، وہ ایک مسلمہ تاریخی واقعہ ہے اور ہر آدمی جو تاریخ کو جانتا ہے وہ مجبور ہے کہ اس کو بطور واقعہ تسلیم کرلے۔ ——— کوئی شخص اوپر نظر ڈالے تو اس کو ہر طرف آسمان چھایا ہوا نظر آئے گا، اسی طرح انسانی زندگی میں جس طرف بھی دیکھا جائے پیغمبر اسلام کے اثرات نمایاں طور پر اپنا کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، وہ ساری بہترین قدریں اور تمام اعلیٰ کامیابیاں جن کو آج اہمیت دی جاتی ہے وہ سب آپ کے لائے ہوئے انقلاب کے براہِ راست یا بالواسطہ نتائج ہیں۔ مذہبی اداروں میں شخصیت پرستی کے بجائے خدا پرستی کس نے قائم کی، اعتقادیات کو توہمات کے بجائے حق کی بنیاد کس نے عطا کی، سائنس میں فطرت کی پرستش کے بجائے فطرت کو مسخر کرنے کا سبق کس نے دیا، سیاسیات میں نسلی شہنشاہیت کے بجائے عوامی حکومت کا راستہ کس نے دکھایا ہے، علم کی دنیا میں خیال آرائی کے بجائے حقیقت نگاری کی طرح کس نے ڈالی، سماج کی تنظیم کیلئے ظلم کے بجائے عدل کی بنیاد کس نے فراہم کی، جواب یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں انسان کو پیغمبر اسلام سے ملیں۔ آپ کے سوا کوئی نہیں ہے جس کی طرف حقیقی طور پر ان کارناموں کو منسوب کیا جاسکے۔ دوسرے تمام افراد آپ کے انقلابی

دھارے کو استعمال کرنیوالے ہیں نہ کہ اس کو وجود میں لانے والے ۔

آج بلند نام، بلند پیام والے نبیؐ کی امت کچھ نہ کرے، آپکے نام پر جلسے نہ رکھے، نعتیہ اشعار نہ پڑھے، روحی فداہٗ کا نعرہ نہ لگائے، صرف اس حقیقت کو ذہن نشین کرلے کہ آپ تاریخ کے سب سے بڑے انسان ہیں، آپ ساری انسانیت کیلئے ہادیِ اعظم ہیں، شمس و قمر بھی یہیں سے نور لیتے ہیں، ہمیں بھی اپنی زندگی کے مسائل میں یہیں سے روشنی حاصل کرنی ہے، حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب مدظلہٗ کی یہ بات کس قدر صحیح ہے ؎

خدا شاہد کہ ہم سارے جہاں پر حکمراں ہوتے
رسولِ پاکؐ کی سنّت اگر اپنا چلن ہوتا
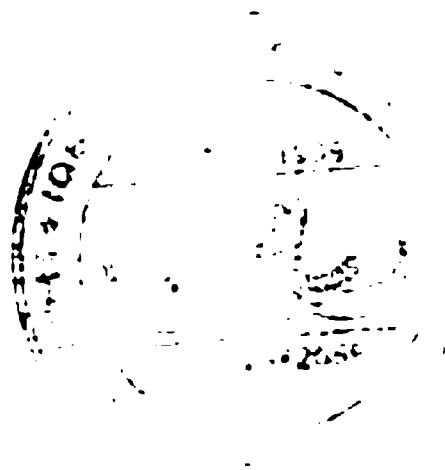
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النسا رآیت ۶۵) ترجمہ: سو آپ کے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک کہ یہ ہر اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان ہو آپؐ کو حاکم نہ بنالیں اور پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس سے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو پورا پورا تسلیم کرلیں۔

اس آیت پاک میں یہ بات پوری طرح واضح کر دی گئی ہے کہ مؤمن بننے کیلئے یہی کافی نہیں کہ اپنے تصفیہ طلب معاملات کا فیصلہ دربارِ رسولؐ اور شریعتِ رسولؐ سے کرایا جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ فیصلہ صادر ہو جانے کے بعد اس پر کامل اطمینان بھی ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے خلاف فیصلہ ہونے کی صورت میں طبعی طور پر دل میں کچھ تنگی محسوس ہو، لیکن کم سے کم عقلی اور اعتقادی حیثیت سے اس پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔

فقہاء نے اس آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جو شخص رسول اللہؐ کے کسی حکم میں شبہ کرے یا اس کے ماننے سے انکار کر دے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اس پر بحث ہو سکتی ہے کہ کوئی حکم رسول اللہؐ کا ہے بھی کہ نہیں؟ اور ہے تو اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ لیکن جب ایک حکم پوری طرح ثابت ہو جائے تو پھر مجالِ چون و چرا نہیں۔ اس لئے کہ

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

اپنے آپ کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا کہ فی الحقیقت دین اور اس کا پیغام یہی ہے، اگر تم ان تک نہیں پہنچ سکے اور ان کی شریعت اور ہدایت پر عمل نہیں کر سکے تو تمہاری زندگی اور زندگی کی تمام تر جدوجہد بولہبی کے سوا کچھ نہیں۔

نبیؐ سے محبت اور رفافت کی اونچی مثال

ہجرت کا موقع ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو سُلا کر حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچتے ہیں، ان سے ہجرت کی تفصیلات اور خدائی اشارے کا ذکر فرماتے ہیں بیس سال کی عمر سے ساتھ رہنے والے ابوبکرؓ بے تابانہ بول پڑتے ہیں" اَلصُّحبَۃُ یارسُولَ اللہِ" اے اللہ کے رسولؐ! رفیقِ سفر کون رہے گا؟ میں اس کا طلب گار ہوں، آپؐ فرماتے ہیں اَلصُّحبَۃُ ہاں تم ہی رفیق رہو گے ۔ اس منظوری کے بعد خوشی سے حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں سے آنسو نکل آتے جس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اس وقت مجھے پہلی بار تجربہ ہوا کہ خوشی سے بھی آنسو نِکلتے ہیں ۔

اس بات چیت کے بعد شب کی تاریکی ہی میں یہ دونوں بزرگوار چل پڑتے ہیں، حضرت ابوبکرؓ چلنے میں کبھی آپؐ سے آگے رہتے ہیں کبھی پیچھے ۔ آپؐ اس کو محسوس کر کے وجہ دریافت فرماتے ہیں، جواب ایسا عاشقانہ دیتے ہیں کہ عشق و محبت کی تاریخ نامکمل ہی رہتی اگر ابوبکرؓ کا یہ جملہ وجود میں نہ آتا ۔ فرماتے ہیں" یارسُولَ اللہ! جب مجھے پیچھے سے دشمنوں کے تعاقب کا خیال آتا ہے تو پیچھے چلنے لگتا ہوں اور جب ان کے آگے گھات میں بیٹھنے کا خطرہ ہوتا ہے تو آگے آجاتا ہوں"۔ گویا آگے پیچھے سے دشمن کا امکانی حملہ ہو تو اولاً اس کا نشانہ ابوبکر تو بنیں مگر ان کے محبوب (درود ہو ان پر سلام ہو ان پر) محفوظ رہیں ۔

سفر جاری ہے، آگے اب کوہ ثور ہے جس کی چڑھائی سر توڑ ہے، راستہ سنگلاخ ہے، نکیلے پتھر، نبیؐ کے پائے مبارک کو زخمی کر رہے ہیں ٹھوکر لگنے سے تکلیف بھی ہو رہی ہے، پروگرام اسی کے ایک غار میں پناہ لینے کا بن گیا ہے، ثانی اثنین ابوبکرؓ کو کہاں گوارا کہ ان کے محترم رفیق پہاڑ کی راستے کی ان کلفتوں سے دوچار ہوں، رک کر پاس جاتے ہیں، انہیں کندھے پر اٹھاتے ہیں اور غار تک لے آتے ہیں ۔ پھر غار کے سامنے اپنے عزیز یار کو ٹھہراتے ہیں ۔ پہلے غار کے

اندر جانے کا خطرہ خود مول لیتے ہیں، اسے صاف کرتے ہیں، اپنے بدن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر اس کے سوراخ کو بند کرتے ہیں، باہر آنے کے بعد خیال آتا ہے کہ ایک سوراخ باقی رہ گیا، توقف کی درخواست کرتے ہیں۔ اندر جانے کے بعد جب اس سوراخ کی طرف سے بھی اطمینان ہوجاتا ہے تو جاں نثار، ادب شناس رفیق نیچی نگاہیں کئے میٹھی زبان سے کہتا ہے، "حضورؐ اب آپ اندر تشریف لے آئیے۔"

اللہ اللہ کیسا عشق ہے، کیسی محبت ہے، حقِ رفاقت کس کس طرح سے ادا کیا جارہا ہے، نبیؐ کے احترام میں کیسے بچھے جارہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کا جذبہ رفاقت تو یہاں تک کام آیا کہ اللہ کی جانب سے عمر بھی پائی تو نبیؐ ہی کی عمر ۶۳ سال۔ گنبدِ خضرا میں نبیؐ کے قدم کے نیچے ہی رفاقت کا لطف اٹھارہے ہیں اور تا قیامت اٹھاتے رہیں گے۔ سب سے پہلے جنت میں جانے والے نبیؐ کی سیدھی جانب بھی ابوبکرؓ ہی رہیں گے ؎ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

لیکن کیا ان حضرات کو صرف آپؐ کی ذات ہی سے محبت تھی؟ نہیں بات سے بھی والہانہ لگاؤ تھا۔ انہوں نے آپؐ کی بات کو سننے، ماننے اور اس پر عمل کرنے کی ایسی تاریخ بنائی ہے جس کی نظیر صحائف کائنات میں نہیں ملتی ——— تو کیا آپ عقائد سے اعمال تک زندگی کے ہر رخ پر نظر ڈال کر اپنی ذات کا احتساب کریں گے؟

کوئے یار سے محبت

امام مالک بن انسؓ (۹۳ھ ۱۷۹) کو مدینۃ النبیؐ سے بڑی محبت تھی۔ طلب علم کیلئے بھی کبھی مدینہ منورہ کو چھوڑنا اور باہر کا سفر کرنا گوارا نہیں ہوا۔ ۱۶۰ھ میں مدینہ میں سخت قحط پڑا۔ اسی سال خلیفۂ عباسی مہدی نے اپنے شہزادوں کے ساتھ حج ادا کیا اور مدینہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ امام مالکؒ نے اہل مدینہ کی پریشان حالی کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ اس شہر میں مہاجرینؓ و انصار کی اولاد آباد ہیں اور یہ روضۂ نبویؐ کے ہمسایہ ہیں۔ خلیفہ نے اہل مدینہ کے لئے ۲۵ لاکھ درہم آپ کے حوالہ کئے، آپ نے اپنے معتبر شاگردوں کے ذریعہ پوری رقم تقسیم کرادی۔

خلیفہ نے تین ہزار دینار اپنے مقربِ خاص ربیع کے ذریعہ خدمت اقدس میں بھیجی پھر خواہش کی کہ آپ دارالخلافہ بغداد تشریف لے چلیں۔ آپؒ نے قاصد سے فرمایا کہ دینار کی تھیلیاں اسی طرح بند ہیں واپس لے جاسکتے ہو لیکن مالک مدینہ نہیں چھوڑ سکتا۔

ایک دفعہ خلیفۂ مہدی نے سواری بھیجی کہ اس کے ذریعہ خلیفہ تک تشریف لائیں، آپؒ نے سواری واپس کردی اور فرمایا کہ میں مدینہ میں سوار ہو کر نہیں نکلتا کہ انہیں گلیوں اور کوچوں میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلا کرتے تھے ــــــ چنانچہ پیادہ تشریف لائے، بیمار و کمزور بھی تھے اس لئے مدینہ کے معروف علماء و محدثین سے ٹیک لگا کر بیٹھے خلیفہ نے رشک کے ساتھ کہا کہ سبحان اللہ! اگر میں ان لوگوں سے یہ خدمت لینا چاہوں تو یہ قبول نہ کریں۔

حاضرین میں سے ایک صاحب بول اٹھے۔ امیرالمؤمنین! امام مالک جس شخص سے ٹیک لگا کر بیٹھ جائیں اس کے لئے وہ شرف و اعزاز ہے۔

اُٹھو کہ آج حقِ محبّت ادا کریں

"تمہاری زبانیں کہتی ہیں کہ رسولِ خدا کا طریقہ برحق ہے، ان کی زندگی مثالی زندگی ہے، ان کا حکم واجب الاطاعت ہے اور ساری دنیا کی فلاح صرف ان کے اتباع میں ہے مگر تمہارا عمل کہتا ہے کہ ان کا بتایا ہوا کوئی طریقہ پسند نہیں، ان کے کسی حکم پر راضی نہیں اور فلاح تمہیں ہر راستے میں نظر آتی ہے مگر نہیں نظر آتی تو اسی ایک رسولؐ کے راستے میں، جس کے اتباع کی دوسروں کو دعوت دیتے ہو، کیا ہم توقع رکھتے ہیں کہ اللہ کی نگاہِ حقیقت میں اسے پسند کرے گی؟ جب کہ اس کی کتاب اطاعتِ رسولؐ اور اتباعِ نبیؐ کے حکم سے بھری ہے۔

اس گذارش کا مدعیٰ یہ نہیں کہ جو اطاعت و اتباع نہیں کرتے وہ عقیدت و محبت بھی نہ رکھیں؛ بلکہ مدعا یہ ہے کہ جو عقیدت و محبت رکھتے ہیں وہ اتباع بھی کریں کہ آگ جب ہوتی ہے تو اس کی حرارت محسوس ہوتی ہے اور پھول جب ہوتا ہے تو اس کی خوشبو ضرور آتی ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :۔

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشِ نفس اس چیز کی تابع نہ ہو جائے جسے میں لے کر آیا ہوں"۔

دوسرا ارشاد ہے: "جس نے میری سنّت سے محبّت کی، مجھ سے محبّت کی اور جس نے مجھ سے محبّت کی وہ جنّت میں میرے ساتھ ہوگا"۔

جس نے کہا، سچ کہا ؎

کافی نہیں کہ بیٹھ کے مدح و ثنا کریں
اٹھو کہ آج حقِ محبّت ادا کریں۔

(ماخوذ)

ایک جائزہ

آج اگر ہم مسلمانوں کا جائزہ لیں تو ان کے اندر عظیم اکثریت ایسے لوگوں کی نکلے گی جو یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس ایمان کے ساتھ اطاعت موجود نہیں ہے۔ محبت کا دم بھرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ اتباع سنت نہیں ہے۔ اطاعت اور اتباع دونوں کی جگہ انہوں نے اپنے جی سے چند چیزیں ایجاد کرلی ہیں۔ کچھ میلاد کی مجلسیں منعقد کردیتے ہیں، کچھ دیگیں پکوا کے تقسیم کر دیتے ہیں، ایک آدھ جلوس نکلوا دیتے ہیں، کچھ نعرے لگوا دیتے ہیں۔

بس اس طرح کی کچھ باتیں ہیں جن سے ان کا ایمان اور ان کی محبتِ رسولؐ عبارت ہے۔ آپ کو کتنے ایسے اشخاص مل جائیں گے جنہوں نے نماز مدت العمر نہیں پڑھی لیکن مہینہ میں میلاد کی مجلسیں اور قوالی کی محفلیں کئی بار منعقد کرتے ہیں۔ مال کے رکھتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرنے کی ان کو کبھی توفیق نہیں ہوئی لیکن اپنی ان بدعات پر جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کرتے ہیں، ہر سال ہزارہا روپے خرچ کر دیتے ہیں۔ ان کو اس بات کی کبھی توفیق نہیں ہوتی کہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا مطالعہ کریں اور ان کی روشنی میں اپنی زندگیوں کا جائزہ لے کر ان کو درست کرنے کی کوشش کریں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ہر وقت اپنے آپ کو سرشار ظاہر کرتے ہیں اور نعتیہ اشعار پڑھ کر یا سُن کر ان پر وارفتگی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

یہ حالت ہمارے کسی ایک ہی طبقہ کی نہیں ہے بلکہ ہمارے اکثر طبقے اسی قسم کی محبتِ رسولؐ کے دعویدار ہیں حالانکہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے: "جس نے میری سنت سے (اعتقاداً و عملاً) محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔" (ترمذی)

(مولانا امین احسن اصلاحی)

بہترین نبیؐ کی نظر میں

- سب سے بہتر اسلام اس شخص کا ہے جس کا اخلاق بلند ہو اور وہ شریعت کے احکام سے بھی واقف ہو
- بہترین شخص وہ ہے جو اپنے خاندان کی حفاظت کرے اور اس کے دفاع میں گناہ کا مرتکب نہ ہو۔
- تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہو اور اپنے اہل وعیال کا بہت خیال رکھتا ہو اور یاد رکھو کہ عورتوں کی عزت صرف کریم ہی کر سکتا ہے اور عورتوں کی توہین کمینہ ہی کرے گا۔
- جو اپنی عورتوں کے معاملے میں اچھا ہو وہ سب سے اچھا ہے۔
- جو اپنی عورتوں اور بیٹیوں کا زیادہ خیال رکھتا ہے وہ سب سے بہتر آدمی ہے۔
- بہترین شخص وہ ہے جس کو اللہ نے نفس پر قدرت واختیار دیا ہو۔
- بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کی تعلیم دے اور علم قرآن حاصل کرے۔
- بہترین شخص وہ ہے جو آخرت کو دنیا کیلئے اور دنیا کو آخرت کیلئے ترک نہ کرے اور لوگوں پر بارِ خاطر نہ ہو۔
- بہترین شخص وہ ہے جس سے خیر کی ابتدا ہوتی ہو اور شر کا احتمال نہ ہو اور بدترین شخص وہ ہے جس سے خیر کی توقع نہ ہو اور اس کے شر سے امن نہ ہو۔
- امت کا بہترین شخص وہ ہے جو اللہ سے مانگے اور لوگوں کو خدا کا محبوب بنانے کی کوشش کرے۔
- تم میں سب سے بہتر خوش اخلاق انسان وہ ہے کہ لوگوں سے ملتا ہے اور لوگ اس سے ملتے ہیں۔
- بہترین عورت وہ ہے کہ جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو سُرور پیدا ہو اور جب اس کو حکم دے وہ اطاعت کرے اور شوہر کی مخالفت نہ دل میں کرے اور نہ مالی معاملات میں۔
- سب سے اچھا وہ شخص ہے جس کے دیدار سے تم کو اللہ یاد آئے، جس کی باتوں سے تمہارے علم میں اضافہ ہو، جس کے عمل سے تمہاری رغبت آخرت کی طرف بڑھنے لگے۔

یہ چراغ جلائے رکھئے

رسول اللہؐ نے ایک دن تقریر فرمائی جس میں آپؐ نے کچھ لوگوں کی تعریف فرمائی کہ یہ لوگ دوسروں کو دین کی باتیں بتاتے ہیں پھر فرمایا کہ ایسا کیوں ہے کہ کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں میں دینی سوجھ بوجھ پیدا نہیں کرتے ان کو تعلیم کیوں نہیں دیتے؟ ان کو نصیحت کیوں نہیں کرتے؟ بری باتوں سے کیوں نہیں روکتے؟ اور ایسا کیوں ہے کہ کچھ لوگ دین کی باتیں نہیں سیکھتے؟ کیوں اپنے اندر دینی سمجھ پیدا نہیں کرتے؟ خدا کی قسم لوگوں کو آس پاس کی آبادی کو دین سکھانا ہوگا، ان کے اندر دینی شعور پیدا کرنا ہوگا، وعظ و تلقین کا کام کرنا ہوگا اور لوگوں کو لازماً اپنے قریب کے لوگوں سے دین سیکھنا ہوگا، اپنے اندر دینی سوجھ بوجھ پیدا کرنی ہوگی اور وعظ و نصیحت قبول کرنا ہوگا ورنہ میں انہیں اس دنیا میں جلد سزا دوں گا۔

اس کے بعد آپؐ منبر سے اتر آئے، لوگوں میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں کہ آپؐ کا روئے سخن کن لوگوں کی طرف تھا، کچھ لوگوں نے کہا آپؐ کا اشارہ قبیلۂ اشعر کی طرف تھا۔ یہ لوگ دین کا علم رکھتے ہیں اور ان کے قریب دین سے ناواقف و بے پروا دیہاتی بستے ہیں اور اشعری لوگ دعوت و تبلیغ سے غافل ہیں

جب حضورؐ کی اس تقریر کی خبر اشعری لوگوں کو ہوئی تو وہ آپؐ کے پاس آئے اور کہا "حضورؐ! ہم سے کیا قصور سرزد ہوا کہ ہم پر غضب ناک ہوئے؟ کیا تعلیم و تبلیغ بھی ہماری ذمہ داری ہے"؟ آپؐ نے فرمایا ہاں، یہ بھی تمہاری ذمہ داری ہے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ (طبرانی)

حضورؐ نے جو آیت پڑھی اس سے ہم لوگوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ بنی اسرائیل نے نافرمانی کرنیوالوں کو نہیں روکا جس کے نتیجہ میں خدا کا غصہ ان پر بھڑکا، تم نے اگر ان کی طرح نافرمانوں کا ہاتھ نہ پکڑا اور غلط قسم کی رواداری برتی تو تم بھی اس کے غضب کے شکار ہوگے۔

اس کی روشنی میں ہم میں سے ہر ایک کو دین سمجھنے اور سمجھانے کی فکر کرنی ہوگی اور تعلیم و تبلیغ کے فریضہ کو ہر حال میں انجام دینا ہوگا۔ یہی راستہ خدا کے غضب سے بچنے اور اس کی رضا کو حاصل کرنے کا ہے۔ اس لئے اپنی خاص جدوجہد سے اس چراغ کو جلائے رکھئے۔

بڑے خوش نصیب ہیں یہ لوگ

حدیث میں ہے کہ تین موقعوں پر حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے (مُراد اِس سے خوش ہونا ہے)۔

ایک میدانِ حج میں جب ننگے سَر ننگے پاؤں، بال بکھرے ہوئے لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے بندے پھر رہے ہیں، حق تعالیٰ کو اس وقت ہنسی آتی ہے کہ کیا چیز ان کو ان کے گھروں سے نکال کر لائی ہے؟ میری محبت میں ہی تو پھر رہے ہیں، حق تعالیٰ ہنستے ہیں اور فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان سب کی مغفرت کر دی۔

دوسری ہنسی اس وقت آتی ہے جب مکبّر تکبیر کہتا ہے اور لوگ تیزی سے آتے ہیں کہ صفِ اولیٰ میں جگہ ملے، گویا ایک قسم کا جھگڑا اور آگے ہونے کی دوڑ ہے، حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ یہ جو اپنا گھر چھوڑ کر میرے گھر آئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے یہ تو صرف میری محبت میں دوڑ رہے ہیں کہ اپنے پروردگار کے جتنا بھی قریب ہو جائیں گے اتنے ہی ہمارے درجات بلند ہوں گے اس سے خوش ہو کر حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے اور مغفرت فرما دیتے ہیں۔

تیسرا موقع یہ ہے کہ خاوند اور بیوی پڑے سو رہے ہیں، اچانک خاوند کی آنکھ کھلی اور اس کا جی چاہا کہ تہجد پڑھوں اس نے بیوی کو بھی جگایا اور نہ جاگنے کی صورت میں اس کے منہ پر پانی کا چھینٹا مارا اور وہ ایک دم سے گھبرا کر جلدی سے اٹھ گئی اور دونوں نے وضو کر کے تہجد کی نماز پڑھی۔ یا پہلے بیوی جاگ گئی، اس نے شوہر کو بیدار کیا اور بیدار نہ ہونے کی صورت میں اس کے منہ پر پانی کا چھینٹا مارا جس سے شوہر بیدار ہو گیا اور پھر دونوں رات کی تنہائی اور خلوت میں اپنے آقا کی بارگاہ میں کھڑے ہو گئے اور نماز تہجد کے ذریعہ اپنی بندگی اور عبدیت کا اظہار کرنے لگے۔

اِس پر خدا کو ہنسی آجاتی ہے کہ کسی کو دکھلانے کے لئے نہیں بلکہ یہ تو صرف مجھے دکھلانے اور میری رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اٹھے ہیں، میں کریم ہوں، میں بخشتا ہوں اور مغفرت کرتا ہوں۔

قابلِ احترام ہیں یہ لوگ!

اسلام میں نماز کے بعد زکوٰۃ ہی کا مرتبہ ہے، زکوٰۃ ادا کرنے سے مال پاک، طاہر اور محفوظ ہوجاتا ہے اور اللہ اپنے فضل سے اس میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی اتنا اجر و ثواب اور انعام دیتا ہے جس کا انسان تصور نہیں کرسکتا، اسی لئے اس عبادت کو زکوٰۃ یعنی پاک کرنے اور بڑھانے والا عمل کہتے ہیں۔

جن لوگوں پر زکوٰۃ فرض ہے انہیں یوں تو بہت سے آداب کی رعایت ضروری ہے مگر اس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ صاحبِ زکوٰۃ، مستحق زکوٰۃ کا متلاشی رہے اور ادائی زکوٰۃ کے لئے اسے اپنے پاس بلانے یا اس کے آنے کے انتظار میں رہنے کی بجائے خود پہنچ کر زکوٰۃ حوالہ کرے، اگر وہ قبول کرے تو اس کا احسان ماننا چاہئے کہ وہ ایک فریضہ کی ادائی کا سبب بنا اور جو سلوک ایک محسن کے ساتھ ایک انسان کرتا ہے اسی سلوک کا اسے مستحق سمجھے، اس کے اکرام و احترام میں ادنیٰ درجہ کی بھی غفلت و کوتاہی کو راہ نہ دے اور اس سے بھکاری کی طرح بے رخی اور ٹالنے کا انداز اختیار کرتے ہوئے یہ نہ کہے کہ "آج نہیں کل، صبح نہیں شام"۔

آپ نہیں دیکھتے کہ اینٹ اور پتھر سے بنی ہوئی عمارت جب نماز اور عبادت کا ذریعہ بنتی ہے (یعنی مسجد) تو اس کا احترام ضروری ہوجاتا ہے، اب یہاں ایک بندۂ مومن نہ تو دنیا کی باتیں کرتا ہے اور نہ ہی ناپاکی کی حالت میں داخل ہوتا ہے، دوسرے آدابِ احترام بھی بجالاتا ہے تو ایک پتھر جس پر نماز اور عبادت ادا ہو ہمارے لئے قابلِ احترام ہے تو وہ مومن جس پر زکوٰۃ ادا ہو اور جو اپنے اسلام اور ایمان کی وجہ سے پہلے ہی سے قابلِ قدر ہو اس کا احترام عام مسلمان اور اہلِ اموال سے بھی کتنا بڑھ جاتا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کاش یہ حقیقت صاحبِ زکوٰۃ کی سیرت میں پیوست کرجاتی تو زکوٰۃ میں عبادت کی روح آجاتی۔

بھیجنے والا تو آ بّا چودھویں کا چاند ہے!

ایک صحابیؓ تھے، سیاہ فام، اب تک ان کی شادی نہیں ہوئی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما پر ایک انصاری صحابیؓ کی لڑکی سے اپنا پیغام دیا، صحابی کو ان کی ظاہری شکل و صورت کی وجہ سے اس رشتہ کو قبول کرنے میں کچھ تأمل ہو رہا تھا لیکن ان کی عشقِ نبیؐ سے سرشار لڑکی نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ کر پیغام قبول کر لینے کا مشورہ دیا۔

"اور کسی ایماندار مرد اور ایماندار عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی کام کا حکم دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑا"۔ ——————— (الاحزاب)

ایک شاعر نے لڑکی کے اس جواب کو یوں بیان کیا ہے ؎

غور کر آبا نہ اس کے رنگ تو کالے کو دیکھ
میں یہ کہتی ہوں کہ اس کے بھیجنے والے کو دیکھ

میں نے مانا کہ یہ کالا حسن میں بھی ماند ہے
بھیجنے والا تو آبا چودھویں کا چاند ہے

غور کیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی نہیں بلکہ ایک مشورہ کی، جو نفس کے بالکل خلاف اور زندگی بھر کا معاملہ تھا کیسی قدر اور کیسی عظمت اُن عاشقانِ رسولؐ کے دلوں میں تھی۔ مَرد تو مَرد، عورت بھی پیش پیش۔

اس کے برخلاف آج ہمارے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح احکام کی کتنی قدر ہے؟ اور ان کے ساتھ ہمارا کیا سلوک ہے؟ کاش نبیؐ کی امت نبیؐ سے محبت کا دعویٰ کرتے اور ان کے نام پر جلسہ رکھتے وقت اپنے گریبان میں منہ ڈال کر جائزہ لیتی۔

مومن کی شان احادیث کی روشنی میں

(۱) بندۂ مومن اپنے دشمن پر ظلم نہیں کرتا، دوستوں کی رعایت میں گنہگار نہیں ہوتا، امانت کو ضائع نہیں کرتا، لعن طعن اور حسد نہیں کرتا، حق کا اظہار کرتا ہے خواہ اس سے اظہارِ حق کے لئے کہا بھی نہ جائے، نماز میں خشوع وخضوع اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں تعجیل سے کام لیتا ہے، مصیبتوں میں باوقار اور نعمتوں پر شکرگذار ہوتا ہے اور جو چیز اس کی نہیں اس کا دعویٰ نہیں کرتا، بخل اس کو نیک کاموں سے نہیں روکتا، حصولِ علم کے لئے لوگوں سے اختلاط رکھتا ہے اور گفتگو کرتا ہے، جب اس پر ظلم وستم کیا جاتا ہے وہ اس پر صبر کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔

(۲) مومن تلوار اور زبان سے جہاد کرتا ہے۔

(۳) مسلمان جب کسی مسلمان کی عیادت کرتا ہے تو جب تک وہ واپس نہ آئے جنت میں مقیم رہتا ہے۔

(۴) ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں: (۱) جب وہ مشورہ چاہے تو نیک مشورہ دے۔ (۱) جب ملاقات کرے، سلام کرے۔ (۲) جب وہ بلائے تو اس کی دعوت رد نہ کرے (۴) جب وہ چھینکے اور "الحمدللہ" کہے تو اس کا جواب "یرحمک اللہ" سے دے۔ (۵) جب وہ بیمار ہو تو عیادت کرے۔ (۶) اگر مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرے۔

(۵) حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے، جہاں سے اس کو ملے وہ لے لے اور یہ نہ دیکھے کہ کس طرف سے ظاہر ہو رہی ہے۔

(۶) مومن میں بخل و بدخلقی جمع نہیں ہوتی۔ (۷) ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے۔

(۸) علم مومن کا دوست ہے اور عقل اس کی رہنما، عمل اس کا ناظم، حلم اس کا قدیر اور صبر سالارِ لشکر، نرمی و مہربانی اس کے ماں باپ اور آشتی و ملائمت اس کے بھائی ہیں۔

(۹) مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا۔

(۱۰) خدا ایک مومنِ صالح کی وجہ سے اس کے سو پڑوسیوں کو بلا سے محفوظ رکھتا ہے۔

اے مردِ مُسلماں

ہائے تم کو کیا ہو گیا؟ ہائے افسوس! لوگوں کو امیدوں اور خیالی منصوبوں نے غارت کیا۔ زبانی باتیں ہیں عمل کا نام نشان نہیں، علم ہے مگر اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے صبر نہیں۔ ایمان ہے مگر یقین سے خالی، آدمی بہت نظر آتے ہیں مگر دماغ نایاب، آنے جانیوالوں کا شور ہے مگر ایک بندۂ خدا ایسا نظر نہیں آتا کہ جس سے دِل لگے۔ لوگ داخل ہوئے اور پھر نکل گئے۔ انہوں نے سب کچھ جان لیا پھر مُکر گئے۔ انہوں نے پہلے حرام کیا پھر اسی کو حلال کر لیا، تمہارا دین کیا ہے؟ زبان کا ایک چٹخارہ! اگر پوچھا جاتا ہے کہ تم روزِ حساب پر یقین رکھتے ہو؟ تو جواب ملتا ہے کہ ہاں ہاں! قسم ہے روزِ جزا کے مالک کی، کہ اس نے غلط کہا ـــــــ

مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ فنا فی الدین ہو۔ صاحبِ ایمان و یقین ہو، اس کے علم کے لئے حلم اور اس کے حلم کے لئے علم باعثِ زینت ہو۔ عقل مند ہو لیکن نرم خو، اس کی خوش پوشی اور ضبط اس کے فقر و افلاس کی پردہ داری کرے، دولت ہو تو اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، خرچ کرنے میں شفیق، خستہ حالوں کے حق میں رحیم و کریم، حقوق کی ادائی میں کشادہ دست و فراخ دل، انصاف میں سرگرم و ثابت قدم، کسی سے نفرت ہو تو اس کے حق میں زیادتی ـــــ نہ ہونے پائے۔ کسی سے محبت ہو تو اس کی مدد میں شریعت سے نہ بڑھنے پائے، نہ عیب چینی کرتا ہو، نہ طنز و اشارہ، نہ طعن و تشنیع نہ لایعنی سے اس کو کچھ کام ہو، نہ وہ لہو و لعب سے دِل چسپی لیتا ہو۔ چغل خوری نہیں کرتا ہو، جو اس کا حق نہیں اس کے پیچھے نہیں پڑتا ہو، جو اس پر واجب ہوتا ہے اس کا انکار نہیں کرتا۔ معذرت میں حد سے نہیں بڑھتا، دوسرے کی مصیبت پر خوش نہیں ہوتا، دوسرے کی معصیت سے اس کو مسرت نہیں ہوتی۔

مؤمن کو نماز میں خضوع اور نمازوں کا ذوق ہوتا ہے۔ اس کا کلام شفا کا پیام، اس کا صبر تقویٰ، اس کا سکوت سراسر غور و فکر، اس کی نظر سراپا درس و عبرت ہے، علماء

کی صحبت اختیار کرتا ہے، علم کی خاطر، خاموش رہتا ہے تو اس لئے کہ گناہوں اور گرفت سے محفوظ رہے، بولتا ہے تو اس لئے کہ کچھ ثواب کمائے اور فائدہ حاصل کرے، نیکی کرکے اس کو خوشی ہوتی ہے، غلطی ہو جاتی ہے تو استغفار کرتا ہے اور اس کے دل میں کسی کی طرف سے رنج آتا ہے تو معافی تلافی کر لیتا ہے اور اس سے کوئی جہالت کرتا ہے تو وہ تحمل اور عقل سے کام لیتا ہے۔ ظلم کیا جاتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے، کوئی اس کے حق میں ناانصافی کرے تو وہ انصاف کو نہیں چھوڑتا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پناہ نہیں لیتا اور اس کے سوا کسی سے مدد طلب نہیں کرتا۔ مجمع میں باوقار، تنہائی میں شکر گذار، رزق پر قانع، آرام و عیش کے زمانہ میں شاکر، مصیبت اور آزمائش کی گھڑیوں میں صابر، غافلوں میں ذاکر، ذاکروں میں ہو تو استغفار میں شاغل۔

یہ تھی شانِ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے درجوں اور مرتبہ کے مطابق جب تک دنیا میں رہے اسی شان سے رہے اور جب دنیا سے گئے تو اسی آن بان سے۔

مسلمانو!

تمہارے سلفِ صالحین کا یہ نمونہ تھا، جب تم نے اللہ کے ساتھ اپنا معاملہ بدل دیا تو اللہ نے بھی تمہارے ساتھ اپنا معاملہ بدل دیا۔

(حضرت خواجہ حسن بصری رح)

مُسلمانوں کے شب و روز

زیرِ نظر مضمون حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہٗ کے ایک مضمون سے مستفاد ہے ۔

اللہ تعالیٰ کے فرائض میں نماز کی بے حد اہمیت ہے اور دینی ترقیوں کا سب سے اعلیٰ ذریعہ نماز ہی ہے اس لئے اس کو بہتر سے بہتر طریقہ پر اور خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھنے کی پوری کوشش کریں اور اس کوشش میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھیں فرض نمازوں اور مؤکد سنتوں کے علاوہ نوافل کی بھی عادت رکھیں، خصوصاً تہجد کی پابندی کی کوشش کریں، اگر اخیر شب میں اٹھنے کی عادت نہ ہو تو عادت پڑ جانے تک عشاء کی نماز کے بعد ہی وتر سے پہلے آٹھ رکعت نفل (دو دو رکعت کر کے) بہ نیتِ تہجد پڑھ لیا کریں اور اگر وقت تنگ ہو تو چھ یا چار یا دو رکعت ہی پڑھ لیں ۔

دن رات کے اوقات میں کوئی وقت اطمینان اور یکسوئی کا خاص ذکر کیلئے مقرر کریں اور اس وقت میں "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کا ذکر کریں جس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دِل و دماغ کو حاضر اور یکسو کر کے تجدید ایمان کی نیت سے پورا کلمہ " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ .. معنی و مطلب کے دھیان کے ساتھ تین دفعہ پڑھیں اور پھر تین مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھیں. پھر مدّ و شد کی پوری رعایت رکھتے ہوئے لاالٰہ الا اللہ مسلسل پڑھیں اور دِل میں لا مقصود الا اللہ کا دھیان رکھیں، اگر یہ ذکر ہلکی آواز کے ساتھ کیا جائے تو بہتر ہے اور دل میں کیا جائے تو بھی دل و دماغ کی توجہ اس کے مفہوم پر رہنا نہایت ضروری ہے اور اگر ہمت اور وقت میں وسعت ہو تو ذکر کے علاوہ خواہ اس کے ساتھ ہی خواہ کسی اور وقت میں تھوڑی دیر ذکر اسمِ ذات یعنی اللہ اللہ بھی کر لیا کریں ۔ اور اس میں بھی شد و مد کا لحاظ رکھیں اور بہتر ہے کہ یہ ذکر بھی خفیف جہر سے اس طرح کریں کہ ذہن و قلب کی پوری توجہ اور شرکت ہو ۔ اس ذکر کے علاوہ ہر نماز کے بعد تسبیحاتِ فاطمہؓ یعنی ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کو بھی معمول بنالیں. نیز سوتے وقت بھی تسبیحاتِ فاطمہؓ اور درود شریف اور استغفار پڑھ لیا کریں ۔

اس کے علاوہ چلتے پھرتے اور اُٹھتے بیٹھتے ذکر یا دُعا کا کوئی کلمہ پڑھنے کی عادت ڈال لیں

مثلاً سبحان اللہ وبحمدہٖ یا لا الٰہ الا اللہ یا آیتِ کریمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ یا اَسْتَغْفِرُ اللہَ رَبِّیْ یا یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ یا اسی قسم کا کوئی کلمہ ۔

بہرحال اس کی عادت پڑ جائے کہ اپنے کاموں میں مشغولی کے وقت بھی تھوڑی دیر کے بعد وہ کلمہ زبان پر آتا رہے اور اس کے ذریعہ دل میں اللہ کی یاد اور اس کی طرف توجہ تازہ ہوتی رہے ۔

قرآن مجید کی تلاوت کیلئے بھی کوئی وقت مقرر کر لینا چاہئے اگرچہ وہ وقت تھوڑا ہی ہو اور زیادہ ہو سکے تو ایک دو ہی رکوع کی تلاوت کر لی جائے، اس کے علاوہ روزانہ چند احادیث کا بھی التزام سے مطالعہ کرنا چاہئے اور ہو سکے تو سلفِ صالحین خصوصاً انبیاء کی سیرتیں ضرور مسلسل زیر مطالعہ رہیں ۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ذکر ہو یا تلاوت، زیادہ سے زیادہ توجہ اور دھیان کے ساتھ اور دل کے ذوق و شوق کے ساتھ ہونی چاہئے ۔

پھر چند منٹ کا کوئی مناسب وقت خصوصاً رات اس کیلئے مقرر کیا جائے کہ روزانہ دل و دماغ کو ہر چیز سے خالی اور یکسو کر کے موت اور جو کچھ اس کے بعد پیش آنے والا ہے اس کو پردۂ ذہن پر لایا جائے یعنی سوچا جائے کہ ایک دن ضرور ایسا آنے والا ہے کہ میں اس دنیا سے اٹھایا جاؤں گا، پھر نہلانے، کفنانے اور نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد لوگ مجھے قبر میں دفنا کر آئیں گے ۔ پھر قبر میں اس طرح سوال و جواب ہو گا، اس کے بعد سینکڑوں یا ہزاروں برس مجھے تنہا اس قبر میں رہنا ہو گا، اس کے بعد ایک وقت قیامت آئے گی پھر حشر نشر ہو گا پھر حساب ہو گا اور نامۂ اعمال میرے سامنے لایا جائے گا جس میں میرے سارے اعمال درج ہوں گے اور اللہ کے فرشتے گواہی دیں گے اور خود میرے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ میرے خلاف گواہ ہوں گے ۔ اس وقت اللہ کے سامنے میرا کیا حال ہو گا؟ پھر میرا فیصلہ سنا دیا جائے گا اور مجھے اس جگہ بھیج دیا جائے گا جہاں کا میں سزاوار ہوں گا ۔

بہرحال آنے والے ان واقعات کا تصور اس طرح کیا جائے گویا یہ سب کچھ گزر رہا ہے اور پھر خوف ڈر سے بھرے دل سے اللہ سے استغفار کی جائے اور گناہوں کی معافی چاہی جائے اور رحم و کرم کی التجا کی جائے ۔

شب و روز کیلئے ہدایت

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! مجھے نصیحت فرمائیے ـــــــ

آپؐ نے فرمایا "میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں، اس سے تمہارے کام درست ہو جائیں گے۔"

میں نے کہا، اور ارشاد فرمائیے ـــــــ

آپؐ نے فرمایا "قرآن پڑھتے رہا کرو اور اللہ کا ذکر کیا کرو، اس کی بدولت آسمان میں تمہارا ذکر ہوگا اور زمین میں تمہیں روشنی نصیب ہوگی۔"

میں نے کہا اور فرمائیے ـــــــ

آپؐ نے فرمایا "چپکے زیادہ رہا کرو، کیوں کہ یہ شیطان کو بھگانے کا ذریعہ ہے اور دینی معاملوں میں اس سے مدد ملے گی۔"

میں نے کہا کچھ اور ـــــــ

آپؐ نے فرمایا "زیادہ ہنسی اور ٹھٹھے مارنے سے بچو، کیوں کہ اس سے دل مُردہ ہوتا ہے اور چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے۔"

میں نے عرض کیا، کچھ اور۔ ـــ

آپؐ نے فرمایا "ہمیشہ سچ کہو، خواہ کڑوا ہی کیوں نہ ہو۔"

میں نے کہا، کچھ اور ـــــــ

آپؐ نے فرمایا "اللہ کے معاملے میں کسی کے بُرا کہنے کا خوف نہ کرو۔

میں نے کہا، کچھ اور ـــــــ

آپؐ نے فرمایا "اپنے عیبوں پر نظر رکھو تاکہ لوگوں کے عیوب تلاش کرنے کی بُری عادت چھوٹے" ـــــــ (مشکوٰۃ شریف)

قرآنِ کریم کی تلاوت
ایک اہم ہدایت

علامہ اقبالؒ نے ایک موقع پر فرمایا: جب میں سیالکوٹ میں پڑھتا تھا تو صبح اُٹھ کر روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا، والدِ مرحوم درود شریف و وظائف سے فرصت پاکر آتے اور مجھے دیکھ کر گزر جاتے ایک دن صبح کو میرے پاس سے گذرے تو مسکراکر فرمایا کہ کبھی فرصت ملی تو میں تم کو ایک بات بتاؤں گا۔ میں نے دو چار دفعہ بتانے کا تقاضہ کیا تو فرمایا کہ جب امتحان دے لوگے تب، جب امتحان دے چکا اور لاہور سے مکان آیا تو فرمایا، جب پاس ہو جاؤ گے تب، جب پاس ہو گیا اور پوچھا تو فرمایا کہ بتاؤں گا، ایک دن صبح کو جب حسبِ دستور قرآن کی تلاوت کر رہا تھا تو وہ میرے پاس آگئے اور فرمایا

"بیٹا! کہنا یہ تھا کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ قرآن تم ہی پر اُترا ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہے"

آہ! کیا بات کہی اور کیسی بات فرمائی! لوگ قرآن کو نقالی سے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس میں خدا ہم سے ہم کلام نہیں، یَا اَیُّھَا النَّاسُ اور یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صرف تیرہ سو برس پہلے کا قصہ ہے جس سے ان کو سروکار نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ قرآن کی تلاوت میں ان کا دل تاثر سے خالی رہتا ہے۔

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ ان کا یہ فقرہ میرے دل میں اُتر گیا اور اس کی لذت دل میں اب تک محسوس کرتا ہوں ——— علامہ اقبال نے اپنے لائق باپ کی فاضلانہ اور حکیمانہ بات کو اپنے اس شعر میں بڑی خوبصورتی سے موزوں کیا ہے ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب،
گرہ کشا ہے نہ رازیؔ نہ صاحبِ کشّاف

حفاظتِ قرآن کی برکت!

امیر المؤمنین مامون رشید (وفات ۱۸ رجب ۲۱۸ھ) کے دربار میں علمی مسائل پر بحث و مباحثے اور مذاکرے ہوا کرتے تھے جس میں ہر عالِم کو آنے کی اجازت تھی، ایک دفعہ مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے ایک ممتاز یہودی عالِم کو چند ترغیبات کے ساتھ حلقۂ اسلام میں آنے کی دعوت دی' اس نے انکار کیا، ایک سال بعد پھر یہ عالِم دربارِ مامون کے "علمی سیمنار" میں بحیثیت مسلمان شریک ہوا اور فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں، آخر میں مامون نے اسلام قبول کرنے کا سبب دریافت کیا تو اس نے بیان کیا:۔

"اس سے پہلے کی مجلسِ مذاکرہ سے لوٹتے ہوئے میں نے موجودہ مذاہب کی تحقیق کا ارادہ کیا، چوں کہ میں ایک بہترین خطاط اور خوشنویس ہوں اور میری کتابت شدہ کتابیں اچھی قیمت سے فروخت ہو جاتی ہیں۔ اس لئے میں نے تحقیقِ مذاہب میں اپنے اسی فن سے کام لینا چاہا۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے تورات کے تین نسخے کتابت کئے جن میں بہت ساری جگہوں میں اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی اور یہ نسخے لے کر کنیسہ (یہودیوں کی عبادت گاہ) پہنچا۔ یہودیوں نے بڑی رغبت سے منہ مانگے داموں میں خرید لیا، پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ کتابت کر کے کلیسا (نصاریٰ کی عبادت گاہ) لے گیا۔ وہاں بھی عیسائیوں نے بڑی قدر و منزلت کے ساتھ یہ نسخے مجھ سے خرید لئے، پھر یہی کام میں نے قرآن کے ساتھ کیا، اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کئے جن میں اپنی طرف سے کمی بیشی کی تھی، ان کو لے کر جب میں فروخت کرنے کیلئے نکلا تو جس کے پاس لے گیا اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں؟ جب کمی بیشی نظر آئی تو اس نے مجھے واپس کر دیا اور کسی نے نہیں لیا۔

پس اس واقعہ سے میں نے سبق لیا کہ یہ کتاب (قرآن) محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی حفاظت اپنی طرف سے کی ہے، اس لئے میں مسلمان ہو گیا۔"

حفظ کلامِ پاک کی برکت

گجرات کے فرماں رواؤں میں سلطان محمود بیگرہ (۸۶۲-۹۱۷ھ / ۱۴۵۸-۱۵۱۱ء) ایک عالی دماغ، رقیق القلب اور عبادت گذار حکمراں گذرا ہے۔

ایک مرتبہ سلطان محمود بیگرہ شبِ قدر میں علماء و صلحاء کی صحبت میں تھا، تمام علماء کوئی نہ کوئی روایت بیان کر رہے تھے، ایک عالم نے بیان کیا کہ قیامت کے دن آسمان سے آفتاب نیچے آئے گا گناہ گاروں کے سروں پر آفتاب ایک نیزہ پر ہوگا اور اس کی سوزش سے وہ جل رہے ہوں گے اگر اُن میں کوئی حافظِ قرآن ہوگا تو اس کے اسلاف کی سات پشتیں ربِ غفور کے نورِ رحمت کے سایہ میں ہوں گی اور آفتاب کی گرمی کا اثر اُن پر نہ ہوگا کیوں کہ کلامِ ربانی کی برکت حافظ کے سینے میں محفوظ رہے گی"۔

یہ سن کر سلطان محمود کے منہ سے ایک سرد آہ نکلی اور اس نے کہا کہ "میرے لڑکوں میں سے کسی کو یہ سعادت حاصل نہیں ہے تاکہ میں بھی اس کرامت اور بزرگی کا امیدوار ہوتا"۔

سلطان کا لڑکا خلیل خاں اس مجلس میں موجود تھا جو آگے چل کر سلطان مظفر کے لقب سے تخت نشیں ہوا۔ اس نے باپ کی بات سن رکھی تھی، کچھ دنوں کے بعد اس کو بڑودہ کی جاگیر دی گئی اور وہ اپنی جاگیر پر چلا آیا، لیکن یہاں قرآن پاک کی تلاوت اور حفظ کے سوا کوئی اور کام میں مشغول نہ ہوتا، تلاوت کی کثرت سے اس کی آنکھیں آشوب کر آئیں، اس کے مقربوں نے کہا "کلام پاک میں ہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اس لئے آپ تلاوت اور شب بیداری کم کریں اور آرام کریں تو آپ کی سرخی جاتی رہے گی"۔

خلیل خاں نے کہا "اگر میری آنکھوں کی سرخی تلاوتِ قرآن اور شب بیداری سے ہے تو یہ سرخی دنیا اور آخرت میں سرخرو کرے گی"۔ چنانچہ اسی محنت اور اہتمام سے اس نے ایک سال میں تمام کلام پاک حفظ کرلیا۔

خلیل خاں رمضان المبارک میں باپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حکم ہو تو تراویح میں ختمِ قرآن کروں۔ سلطان یہ سن کر بہت مسرور ہوا۔ بیٹے نے رمضان المبارک

میں کئی بار کلامِ پاک تراویح میں سُنایا، سلطان نے کہا کہ خلیل خاں کا شکریہ کس طرح ادا کروں کہ اس نے اپنے اسلاف کو قیامت کے دن آفتاب کی گرمی سے نجات دلا دی۔ اس کا بدلہ صرف یہی ہے کہ میرے ہاتھ میں بادشاہت ہے اس کو دیدوں یہ کہہ کر اُٹھا، اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھایا، خود دوسرے تخت پر بیٹھا اور پھر تمام اہالیوں، موالیوں، وزیروں، امیروں اور لشکریوں کو ایسی دعوت کی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ویسی کبھی نہیں ہوئی۔ (مرأت سکندری ص ۱۶۷-۱۶۶)

کاش ہمارے دلوں میں سلطان محمود کا جذبہ اور خلیل خاں کا حوصلہ پیدا ہوتا جبھی ہمارے معاشرے میں ایک حافظ قرآن یا عالمِ دین اعزاز و اکرام کے اس مقام و مرتبہ پر فائز کیا جا سکتا ہے جس کا وہ مستحق ہے اور حصولِ علم دین کی اہمیت سمجھ میں آسکتی ہے۔

دُنیا اور دولت ـــــــ کبؔ قریب کبؔ دُور؟

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، بانی دار العلوم دیوبند، یو، پی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ایک دن مسجد چھتہ دیوبند میں طلبہ کو درس دے رہے تھے اسی دَوران ایک نواب صاحب آئے اور ملاقات کے بعد دعا کی درخواست کی، نواب صاحب جب رخصت ہونے لگے تو حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں اشرفیوں سے بھری ایک تھیلی پیش کی اور کہا:
"یہ آپ کی ضروریات کے لئے ہیں"۔ حضرت نے فرمایا "مجھے ضرورت نہیں"۔ نواب صاحب نے کہا "کسی کارِ خیر میں خرچ کردیجئے"۔ فرمایا "مجھے کیوں وکیل بناتے ہو، نیکی کا کام ہے خود کرو"۔ اور لطیفۃً یہ بھی فرمایا کہ "دیکھو! اگر مجھ میں انفاق (خرچ کرنا) کی اہلیت ہوتی تو خدا مجھے دے دیتا، جب خدا نے تمہیں دیا تو اَب وسائط کیوں ڈھونڈتے ہو، جاؤ اپنی مرضی سے خرچ کردو"۔

الغرض حضرت نانوتویؒ نے تھیلی کو قبول نہ فرمایا۔ نواب صاحب جب جانے لگے تو مسجد سے باہر جہاں حضرت کی جوتیاں تھیں، تھیلی کو اس میں بھر دیا اور چلے گئے۔ حضرت دَرس سے فارغ ہوکر جب جوتے پہننے لگے تو اس میں اشرفیاں بھری تھیں، طلبہ کو بلایا اور فرمایا:

"دنیا ایسی خبیث چیز ہے کہ تم پیچھے بھاگو تو یہ دُور بھاگتی ہے اور جب تم اس سے دُور بھاگو تو وہ قدموں میں اور جوتوں میں آتی ہے، اس کا حال بھی فاحشہ عورت کا حال ہے، کوئی اس کے قریب جائے تو دُور بھاگے، دُور جائے تو قریب آئے"۔

(ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک، پاکستان، بابت ماہ ستمبر ۱۹۷۵ء ص: ۱۳)
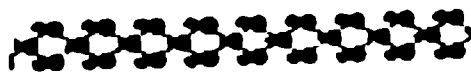
سعید بیٹے کو صالح باپ کی وصیت

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمۃ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے والد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ (وفات ۲ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ) مدفون خطۂ صالحین حیدر آباد) کے بارے میں قرآن مجید سے متعلق ایک نہایت بصیرت افروز اور سبق آموز واقعہ بیان فرمایا ہے۔ ہم اس واقعہ کو انہیں کے الفاظ میں تلخیص کے ساتھ ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔ کیا عجب نصیحت حاصل کرنے والے نصیحت حاصل کریں۔ مولانا لکھتے ہیں:۔

میرے والد ماجد نے وفات سے تقریباً پندرہ بیس دن قبل مجھے دارالعلوم دیوبند کے دارالمشورہ میں خلوت میں طلب فرمایا، میں حسب الحکم حاضر ہوا۔ مجھے دیکھتے ہی غیر معمولی طور پر آب دیدہ ہوگئے۔ حتیٰ کہ وفور گریہ کی وجہ سے چند منٹ تک بات بھی نہیں کر سکے۔ مجھے پریشانی یہ ہوئی کہ کہیں مجھ سے تو کوئی ناگواری پیش نہیں آئی۔ میں نے اس کا ذکر کیا تو فرمایا نہیں۔ بلکہ مجھے یہ کہنا ہے کہ میرا وقت قریب آگیا ہے اور بہت تھوڑا وقفہ باقی رہ گیا ہے، مجھے اس وقت یہ واقعہ سنانا ہے کہ جب میں قرآن کا حافظ ہو چکا تو حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند، وفات ۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ) بے حد مسرور تھے۔ ختم قرآن کی خوشی میں شہر کے عمائد اور اعزہ واحباب کے ایک بڑے مجمع کی لمبی چوڑی دعوت کی۔ تقریب سے فارغ ہو کر مجھے خلوت میں اسی طرح طلب کر کے فرمایا۔ میاں احمد! خدا کا شکر ہے کہ تم حافظ ہو گئے۔ وقت آئے گا کہ تم عالم بھی ہو گے، تمہاری عزت بھی ہوگی، ملک میں تمہاری شہرت بھی ہوگی اور تمہیں دولت بھی میسر آئے گی۔ لیکن یہ سب چیزیں تمہارے لئے ہوں گی۔ قرآن میں نے تمہیں اپنے لئے حفظ کرایا ہے مجھے فراموش نہ کرنا۔ فرمایا کہ وہ وقت ہے اور آج کا دن ہے۔ میرا یہ دوامی عمل ہے کہ میں ہمیشہ دو پارے یومیہ حضرت قبلہ کو ایصالِ ثواب کی نیت سے پڑھتا ہوں، جو الحمد للہ آج تک ناغہ نہیں ہوئے۔

مولانا لکھتے ہیں:۔ یہ واقعہ سنا کر مجھ سے فرمایا کہ میاں طیب! الحمد للہ تم حافظ و عالم

ہو چکے ہو۔ وقت آئے گا کہ تمہاری عزت بھی ہوگی، شہرت بھی ہوگی اور حق تعالیٰ تمہیں دولت بھی بہت کچھ عطا فرمائے گا۔ لیکن یہ سب کچھ تمہارے لئے ہوگا۔ یہ قرآن میں نے تمہیں اپنے لئے حفظ کرایا ہے، مجھے فراموش مت کرنا۔

چنانچہ حضرت کی وفات کے بعد آنے والے مہینے کی پہلی ہی تاریخ سے میں نے حضرت کی نصیحت بلکہ وصیت کے مطابق مغرب کے بعد اوابین میں ایک پارہ یومیہ پڑھنے اور حضرت مرحوم کو ایصالِ ثواب کرنے کا معمول بنا لیا جو الحمد للہ آج تک جاری ہے اور خدا کرے دم آخر تک جاری رہے۔

اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں:۔

اس واقعہ سے نمایاں ہوتا ہے کہ ہر دو نامور بزرگ علماء آخرت میں سے تھے، ان کا مقصد قرآن سے اولاد کا متمول یا صاحبِ ثروت وجاہ بنانا نہ تھا، یا قرآن کو عادۃً یا رسماً پڑھانا نہ تھا۔ بلکہ اس قرآن کے ذریعہ خود کو اور اولاد کو آخرت کے لئے تیار کرنا تھا۔ جو قرآن کے نازل ہونے کا حقیقی مقصد ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآنی عظمت ایسے ہی قلوب پر اُترتی بھی ہے جو لفظاً و معنیً اسی کے ہو رہیں۔ اسی کے لئے جئیں اور اسی کے لئے مریں۔

ہم نے مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی، صدر المدرسین دار العلوم دیوبند۔

"حضرت کا شمار اکابر علماء اور اہل بصیرت سیاستدانوں میں ہوتا ہے۔ برطانوی دورِ حکومت میں چار سال تک مالٹا میں قید و بند کی زندگی بھی گذاری ہے۔ جب مالٹا سے دیوبند واپس ہوئے تو ایک رات بعد عشاء دار العلوم میں تشریف لائے، علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا، فرمایا "ہم نے مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں"۔ یہ الفاظ سُن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہوگیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے ۵۰، ۶۰ درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو دو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں؟ مجمع سراپا اشتیاق و انتظار بیٹھا تھا کہ ایک لمحہ کے بعد کانوں میں یہ الفاظ گونجنے لگے، میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں؟ تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے، ایک ان کا قرآن چھوڑنا۔ دوسرے آپس کے اختلاف اور خانہ جنگی۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے پورے اعتماد کے ساتھ فرمایا" اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآنِ کریم کو لفظاً و معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کئے جائیں، بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کیلئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے"۔

(مستفاد از وحدت امت، مصنف: مولانا مفتی محمد شفیعؒ)

اس واقعہ کے بعد حضرت شیخ الہند اس دارِ فانی میں بہت کم دن رہے۔ مگر جتنے دن رہے ضعف و علالت اور ہجوم مشاغل کے باوجود دونوں باتوں کے لئے سعیٔ پیہم فرماتے رہے، بذاتِ خود درسِ قرآن دینا شروع کیا جس میں عوام اور عام علماء کے علاوہ ممتاز علماء مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیعؒ وغیرہم شریک ہوتے تھے، اس درس میں اتحاد و اتفاق

کی تعلیم اور باہمی اختلافات و خانہ جنگی سے بچنے کی تلقین بھی فرماتے رہے۔

آج مسلمان جن بلاؤں میں مبتلا اور حوادث و آفات سے دوچار ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کے بنیادی اسباب یہی دو ہیں جن کی طرف حضرت شیخ الہند نے اشارہ فرمایا ہے، یعنی قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا" مزید غور کیا جائے تو قرآن کو چھوڑنے کا لازمی نتیجہ ہی یہی برآمد ہوگا قرآن پر کسی درجہ میں بھی عمل ہوتا تو خانہ جنگی یہاں تک نہ پہونچتی۔

قرآنی تعلیم کی اہمیت ہی کی بنا پر حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا کے زمانۂ قید میں قرآنِ مجید کا بے نظیر ترجمہ کیا جس پر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے وقیع، جامع اور مفید ترین حواشی ہیں، اس ترجمہ اور تفسیر کو اللہ تعالیٰ نے سندِ قبولیت سے نوازا، جو خاص و عام میں صالح انقلاب کا ضامن ہے۔

ہم دونوں جنّتی ہیں!

عمران بن حطان مشہور فصیح و بلیغ شاعر گذرا ہے، علامہ زمخشریؒ نے اس کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ بے انتہا سیاہ فام اور بدصورت تھا اور جتنا وہ بدصورت تھا اس کی بیوی اتنی ہی خوبصورت تھی۔ ایک دن وہ بہت دیر تک اس کے چہرے کو دیکھتی رہی اور پھر اچانک اس نے کہا: "الحمد للہ" ——— عمران نے پوچھا کیا بات ہے؟ تم نے کس بات پر الحمد للہ کہا؟ ——— بیوی نے جواب دیا "میں نے خدا کا شکر اس لئے ادا کیا کہ ہم دونوں جنتی ہیں!" عمران نے پوچھا وہ کیسے؟ ——— کہنے لگی اس لئے کہ تمہیں مجھ جیسی بیوی ملی، تم نے اس پر شکر ادا کیا اور مجھے تم جیسا شوہر ملا، میں نے اس پر صبر کیا اور اللہ نے صابر و شاکر دونوں کیلئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

گناہ کے نقصانات

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک رسالہ "جزاء الاعمال" (اعمال کا بدلہ دنیا و آخرت میں) کے نام سے ہے، یہ رسالہ طاعات اور نیکیوں پر ابھارنے اور معاصی اور گناہوں سے بچانے کے سلسلہ میں نہایت مفید اور مؤثر ہے، اس رسالہ میں ایک جگہ ایک ترتیب کے ساتھ مولانا تھانویؒ نے گناہ کے نقصانات بیان کئے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

- آدمی علم سے محروم رہتا ہے کیوں کہ علم ایک باطنی نور ہے اور معصیت سے نورِ باطن بجھ جاتا ہے۔
- رزق کم ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ان الرجل لیحرم الرزق بالذنب یصیبہ" (مسند احمد) "بے شک آدمی گناہ کے سبب جس کو وہ اختیار کرتا ہے، رزق سے محروم ہو جاتا ہے"۔
- اللہ تعالیٰ سے وحشت سی رہتی ہے۔
- آدمیوں سے بھی وحشت ہونے لگتی ہے، خصوصاً نیک لوگوں سے کہ ان کے پاس بیٹھ کر دل نہیں لگتا اور جس قدر وحشت بڑھتی جاتی ہے ان سے دور اور ان کے برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔
- اکثر کارروائیوں میں دشواری پیش آتی ہے جیسے تقویٰ اختیار کرنے سے کامیابی کی راہیں نکل آتی ہیں، ایسے ہی ترکِ تقویٰ سے کامیابی کی راہیں بند ہو جاتی ہیں۔
- قلب میں ایک تاریکی سی معلوم ہونے لگتی ہے اور قلب کی اس تاریکی کا اثر آنکھ اور چہرے سے ظاہر ہونے لگتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نیکی کرنے سے چہرے پر رونق، قلب میں نور، رزق میں وسعت، بدن میں قوت اور لوگوں کے قلوب میں محبت پیدا ہوتی ہے اور بدی کرنے سے چہرے پر بے رونقی، قبر اور قلب میں ظلمت، بدن میں سستی رزق میں تنگی اور لوگوں کے دلوں میں بغض ہوتا ہے۔

جب عمل کا رُخ خدا کی طرف ہوتا ہے!

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (ولادت ۱۲۸۰ھ وفات ۱۳۶۲ھ) اونچے درجے کے عالمِ عارف، محقق، مصنف اور مصلح تھے، خانقاہ اور کتابوں کے ذریعہ ان کا علمی اور احسانی فیضان خوب جاری ہوا، آج بھی ان کے مواعظ دلوں کو گرماتے، ذہن ودماغ کو آسودگی بخشتے اور قوتِ عمل میں تحریک پیدا کرتے ہیں، اس لحاظ سے یقیناً وہ "غزالیِ وقت" تھے۔ اس غزالیِ وقت کا ایک واقعہ سنئے، بڑا دلچسپ، نظر افروز اور دلِ زندہ کیلئے انقلاب آفریں ــــــ واقعہ ایک عارف باللہ کا ہے، اسے ایک عارف باللہ ہی کی زبانی سنئے، مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ فرماتے ہیں:

"حضرت تھانویؒ کے یہاں پہلے ضابطہ تھا کہ جب کوئی وارد (نیا آنیوالا) آئے تو بغیر سوال کئے خود بتائے کہ میں فلاں ہوں، فلاں جگہ سے آیا ہوں اور فلاں مقصد کیلئے حاضر ہوا ہوں لیکن جب حضرت والا کی نظر مبارک سے یہ حدیث گزری بالداخل وحشۃ تلقونہ بمرحباً (الدیلمی) یعنی نئے آنے والے کو اجنبیت کے سبب ایک قسم کی حیرت زدگی اور بدحواسی ہوتی ہے اس لئے اس سے آؤ بھگت کے ساتھ ملا کرو۔ تاکہ اس کی طبیعت کھل کر مانوس ہو جائے اور حواس بجا ہو جائیں اور ہر قول وفعل کا موقع سمجھ کر نہ خود پریشان ہو نہ دوسرے کو پریشان کرے۔

حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ "یہ حدیث میری نظر سے اس وقت گزری جبکہ میری عمر اکہتر سال کی ہو چکی تھی، اللہ تعالیٰ نے حدیث کی برکت سے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ اب آنے والے سے میں خود اس کا مقام، اس کے آنے کی غرض اور اس کا مشغلہ پوچھ لیا کرتا ہوں، اس سے ضروری حالات معلوم ہو جاتے ہیں اور وہ مانوس ہو جاتا ہے۔" (معرفتِ الٰہیہ ص ۲۱۷)

اس واقعہ سے یہ تو سبق ملتا ہی ہے کہ مہمان اور نئے آنے والے کے ساتھ محبت اور اپنائیت

کا کس طرح برتاؤ کرنا چاہیئے اور مرحباً اور خوش آمدید کہہ کر کس لطف و مہربانی اور خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کرنا چاہیئے کہ آنے والا اپنے سفر کی صعوبت کو بھول جائے، اس کے دل سے اجنبیت کا احساس جاتا رہے اور وہ یہ سمجھے کہ میں اپنے کسی قریبی عزیز کے پاس آیا ہوں، جہاں ہر طرح کے سکون کا سامان میسر ہے۔

لیکن اس واقعہ کی تہ میں اصل جو پیغام چھپا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ کسی حق کا اعتراف اور اظہار انسان کی سب سے بڑی خوبی اور کمال ہے یہی علمی دیانت، انسانی شرافت اور حق نگری اور حق پرستی کا تقاضا ہے، اس سے انسان کی شان گھٹتی نہیں بڑھتی ہے، عزت کم نہیں ہوتی زیادہ ہوتی ہے، اعتماد مجروح نہیں ہوتا بحال ہوتا ہے۔

باخبر لوگ اس سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ مضبوط دلیل سامنے آجانے کے بعد اپنے کسی قول اور مانوس عمل پر جمے رہنا اور مختلف توجیہات اور دور از کار تاویلات کے ذریعہ اس کو صحیح ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرنا، اہلِ حق کا شیوہ نہیں، اہلِ باطل کا وطیرہ ہے، حق پرست تو حق کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ غزالیِ وقت اور ابو حنیفۂ عصر ہونے کے باوجود بشر ہونے کے ناطے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا اعتراف کرتے ہوئے شرماتے نہیں ہیں اور نہ ہی غلطی پر پردہ ڈالنے کی مذموم سعی کرتے ہیں، ایسی کسی بھی غلطی یا چوک کے بعد اعتراف "جہل" کی علامت نہیں، عین "علم" کی دلیل ہے۔ عمر کا کوئی بھی حصہ ہو اور نسبی، جاہی، مالی اور علمی شہرت کی کوئی بھی منزل ہو، قبولِ حق اور اظہارِ حق کی راہ میں کسی بھی چیز کو آڑے نہیں آنی چاہیئے۔ ہر حالت میں، ہر صورت میں حق، حق ہے اور باطل، باطل ہے جس کا برملا اعتراف اور اظہار انسان کو حق پرستوں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔

لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ انسان کے عمل کا رُخ اپنے جیسے انسان کی طرف نہیں بلکہ خدا کی طرف ہو، اسی کی خوشی اور ناخوشی کو اپنے لئے معیار اور پیمانہ بنایا گیا ہو، خلق سے نظر ہٹ کر خالق پر جم گئی ہو۔ عمل میں اخلاص ایسی ہی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور ایسے ہی مخلصانہ عمل کی خوشبو ہر سُو پھیلتی ہے اور آج دنیا کو اس خوشبو کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

حدیث اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کی لطیف تشریح

از: رئیس المحدثین حضرت علامہ محمدؒ انور شاہ کشمیریؒ
۱. صدر المدرسین دار العلوم دیوبند۔

عمل کی دو حیثیتیں ہیں۔ ورودِ عمل۔ صدورِ عمل۔ جس طرح وحی ورودِ عمل کا آغاز ہے اسی طرح نیت صدورِ عمل کا مبداء ہے۔ انسان وحی کی رہنمائی کے بغیر حسنِ عمل اختیار نہیں کرسکتا۔ اور نہ نیت کے بغیر اچھے اعمال معتبر ہوسکتے ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ (تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) والی حدیث کو نیت کی ضرورت وعدم ضرورت سے کوئی تعلق ہی نہیں، اور نہ یہ اس بحث میں کوئی فیصل حیثیت رکھتی ہے بلکہ یہ حدیث درحقیقت اخلاص اور غیر مخلصانہ روش میں فرق کرنے کے لئے آئی ہے، اس لئے اچھے اعمال کی بنیاد اگر بُری نیت پر ہو تو ان سے اچھے صلے کی امید نہیں کی جاسکتی۔

جیسے یوں سمجھئے کہ ایک شخص شب وروز عبادت کرتا ہے مگر مقصد رضائے خدا نہیں بلکہ ریا ہے، کیا اس کا یہ حسنِ عمل مقبول عند اللہ ہوگا؟ کبھی نہیں۔ پس یہ حدیث اعمال کی اقسام وانواع پر حاوی ہے، اس میں نیت کی ضرورت وعدم ضرورت کی بحثیں وشاخسانے نکالنا نہ صرف دُور از کار بلکہ حدیث کی روح کو کچل دینے کے مترادف ہے۔ حدیث کا رخ اُس صحیح عمل کی تعریف ہے جس کی بنیادیں حسنِ نیت پر استوار کی گئی ہوں، اور ان نیتوں کو شدید تنبیہ ہے جنہوں نے اپنے کئے کرائے کو صرف فسادِ نیت پر ضائع کردیا۔"

:::::::::::::

یاد رکھئے!

از: حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، مہتمم دار العلوم دیوبند

یاد رکھئے! اسلام کی روحانی طاقت ایک چٹان ہے، جس سے جو قوم متصادم ہوتی ہے وہ خود پاش پاش ہو جاتی ہے، اسلام تمام حوادث و نوازل سے مقابلہ کرتا ہوا اسی آن بان سے قائم رہتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "مسلمانوں پر ان کا کوئی دشمن اس طرح مسلط نہیں ہوگا جو ان کا استیصال کر دے۔"

اسلام میں وہ روحانی قوت ہے جس کو کوئی مادّی طاقت فنا نہیں کر سکتی۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کا یہ غیر متزلزل عقیدہ رہا ہے کہ اسلام اور اسلام کی شوکت و قوت کسی کے مٹانے سے مٹ نہیں سکتی۔ کیسے ہی مایوس کن حالات پیش آئیں مگر مسلمان ہمیشہ اسی اعتقاد پر قائم رہے اور وہ کبھی مایوس نہیں ہوئے اور جب کبھی سخت سے سخت حوادث پیش آئے ہیں جن کو دیکھ کر اسلام اور مسلمانوں کے فنا ہونے اور مٹ جانے کا یقین ہو جاتا تھا، وہ ہمیشہ ان کو امتحان سمجھتے رہے ہیں چودہ صدیوں کے حالات کا معائنہ بتلا رہا ہے کہ جب کبھی مسلمانوں میں شریعت کی طرف سے غفلت دنیا میں انہماک اور ترفہ و تنعم کے لوازم کا غلبہ ہوا ہے ان کے زجر و تنبیہ کے لئے اسی قسم کے مصائب و حوادث نازل کئے گئے ہیں لیکن جب ان حوادث کا زوال ہوا۔ اسلام میں وہی تازگی پیدا ہو گئی جو مریض کو صحت کے بعد ہوتی ہے۔

(خطبۂ صدارت برائے اجلاس جمعیۃ علماء ہند، منعقدہ ۲۴، ۲۵، ۲۶ دسمبر ۱۹۲۲ء / ۱۳۴۰ھ بمقام گیا (بہار))

علمائے اسلام اور عام مسلمانوں کی ذمہ داری

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند و صدر جمعیۃ علماء ہند

"سلطنت مغلیہ کے خاتمہ کے بعد اس کی جانشین انگریزی حکومت کا مفاد اسی میں تھا کہ کم سے کم ہندوستانی تعلیم یافتہ ہوں اور جو تعلیم ہو وہ صرف ایسی جس سے اس بیرونی حکومت کی ضرورت پوری ہوسکے تو ارباب بصیرت حضرات علماء نے دینیات کی اعلیٰ تعلیم کی بقا کے لئے دار العلوم دیوبند اور اس کے نمونہ کے عربی مدارس قائم کئے تھے جس کا اثر یہ ہوا کہ انگریزی اقتدار اپنے عروج و زوال کی منزلیں طے کر کے ختم ہوگیا، مگر مذہبی تعلیم کے علماء کم تو کیا ہوتے، ان کی تعداد پہلے سے بھی بدرجہا زائد ہوگئی، لیکن اس وقت جبری لازمی تعلیم کا تصادم یا تقابل دینیات کی اعلیٰ تعلیم سے نہیں ہے بلکہ اس سے ہے جو لازمی تعلیم کے زمانے میں یعنی چھ سال کی عمر سے گیارہ سال کی عمر تک پڑھائی جاتی ہے جو بعینہٖ بنیادی تعلیم کا زمانہ ہے۔

پس ضروری ہے کہ علماء اور عام مسلمانوں نے جس عزم اور ہمت سے اس وقت کام لیا تھا اور اب تک خدا کے فضل سے لے رہے ہیں اس عزم و ہمت کو اس وقت بنیادی تعلیم کے لئے کام میں لائیں اور دینی تعلیم کے نصاب میں اسلامی تہذیب اور اسلامی اخلاق کے ابواب ضرور رکھیں تاکہ اس کی انفرادی حیثیت اور ملی خودداری کا احساس مسلم بچوں کے ذہن و دماغ میں خوب جڑ پکڑ لے۔"

(خطبۂ صدارت برائے اجلاس جمعیۃ علماء ہند، منعقدہ ۲۳، ۲۴، ۲۵ ذوالحجہ ۱۳۸۵ھ بمقام گیا، بہار)
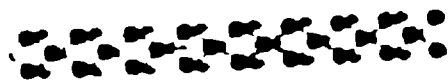
صلاح و فلاح کیلئے دو چیزیں ضروری

از: مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی (بانی دار العلوم، کراچی)

انسان کی صلاح و فلاح کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں، ایک کتاب اللہ جس میں انسانی زندگی کے ہر شعبے سے متعلق احکام موجود ہیں، دوسرے رجال اللہ یعنی اللہ والے، ان سے استفادہ کی صورت یہ ہے کہ کتاب اللہ کے معروف اصول پر رجال اللہ کو پرکھا جائے، جو اس معیار پر نہ اتریں ان کو رجال اللہ ہی نہ سمجھا جائے۔ اور جب رجال اللہ صحیح معنی میں حاصل ہو جائیں تو ان سے کتاب اللہ کا مفہوم سیکھنے اور عمل کرنے کا کام لیا جائے۔

کچھ لوگوں نے صرف کتاب اللہ کو لے لیا، رجال اللہ سے قطع نظر کرلی، ان کی تفسیر و تعلیم کو کوئی حیثیت نہ دی، کچھ لوگوں نے صرف رجال اللہ کو معیارِ حق سمجھ لیا اور کتاب اللہ سے آنکھ بند کرلی اور ان دونوں طریقوں کا نتیجہ گمراہی ہے اور فرقہ وارانہ اختلافات کا سب سے بڑا سبب بھی یہی ہے۔

(معارف القرآن، جلد اول ص: ۹۴)

علماء اسلام اور جدید تقاضے!

از: حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، شیخ التفسیر والحدیث، جامعہ اشرفیہ لاہور

دنیا کے کسی عالم نے آج تک جدید صنعت و حرفت اور جدید قسم کے اسلحہ کی تیاری کی ممانعت کا فتویٰ نہیں دیا اور اگر زمانے کے جدید تقاضوں سے نفسانی اور شہوانی تقاضے مراد ہیں مثلاً بے حجابی اور عریانی اور فحاشی اور رقص و سرود اور سینما اور تھیٹر اور مخلوط تعلیم، سو اسلام بیسویں صدی کے اس قسم کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ اس لئے کہ اسلام نفس پرستی کا دشمن ہے، ایسے شہوانی اور نفسانی تقاضوں کے متعلق شریعت کا فتویٰ یہ ہے کہ جس تہذیب اور تمدن میں یہ بے حیائیاں حلال ہوں وہ تہذیب قابلِ رجم ہے یعنی سنگسار کر دینے کے قابل ہے۔ اس قسم کی تہذیب، تہذیب نہیں بلکہ تعذیب یعنی عذابِ الٰہی ہے جو قوم کو اوباشیت، بے حیائی اور بد اخلاقی کی طرف لے جا رہی ہے۔

(نظامِ اسلام مع دستورِ اسلام، از: مولانا مرحوم، ص: ۱۲، مطبوعہ لاہور)

جملہ احباب کو یہ نصیحت ہے

از: حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی، مہاجرِ مدینہ

"میرے جملہ احباب ہر سنّت کا پورا پورا اہتمام رکھیں اور کسی سنت کو خواہ وہ کتنی بھی چھوٹی سی ہو معمولی نہ سمجھیں، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر سنّت اللہ کو محبوب ہے میری جانب سے سنت پر عمل کرنے کی جتنی تاکید ہے اس سے بڑھ کر "بدعت" سے اجتناب اور نفرت رکھنے کی تاکید ہے، کیوں کہ بدعت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف نفرت ہے بلکہ ایذا اور تکلیف بھی ہوتی ہے اور جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو اس سے بدتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟

بدعت ایک مہلک اور متعدی مرض ہے، اس کے مریضوں سے متعدی امراض کی طرح دُور رہنا چاہیئے، قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے بدعتیوں کو دیکھ کر بڑی نفرت کے انداز میں فرمائیں گے سُحقاً سُحقاً لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِیْ یعنی جنہوں نے میرے بعد دین میں کوئی تبدیلی کی اور بدعت پھیلائی وہ مجھ سے دُور دُور رہیں۔

بدعت ایجاد کرنے کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ ہمارا کامل دین گویا ابھی ناقص ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بھی کسی کمی بیشی کی گنجائش ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد گویا نبوّت کی ضرورت باقی ہے۔ اور یہ ختمِ نبوت کا انکار نہیں تو اور کیا ہے؟ اس لئے بدعت کا اثر نہ صرف مسلمان کے اعمال پر ہوتا ہے بلکہ اس کے عقائد پر بھی پڑتا ہے اس لئے بدعت غلو کرنے سے یعنی اس کی زیادتی سے سوءِ خاتمہ کا بھی اندیشہ ہے۔"

(بدعت کیا ہے؟ شائع کردہ مکتبہ تجلّی، دیوبند ص: ۱۰، ۹)

لادینی فلسفہ کے ہولناک نتائج سے بچنے کی راہ!

از: امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ

"اگر تم نے اپنے ملک کے تباہ حال اور بے کس طبقوں کی خبر نہ لی اور انہیں اس حال میں رہنے دیا جس میں کہ وہ صدیوں سے جان توڑ رہے ہیں اور تمہارے اوپر کے طبقے حسبِ سابق جونک بن کر ان کا خون چوستے رہے اور ان کو تم نے اَب بھی بھوک، جہالت اور عفونت کی دلدلوں میں بدستور مرنے سڑنے دیا تو یاد رکھو کہ انقلاب کا یہ لادینی فلسفہ جو آگ کی طرح ساری دنیا میں پھیل رہا ہے تمہارے ملک کے ان بدنصیب طبقوں کو دوسرے ملکوں کی طرح تمہارا جانی دشمن بنا دے گا اور اگر تمہاری غفلت سے ان کی دشمنی کی آگ بھڑک اٹھی تو اس کے شعلے جلا کر تمہیں خاکِ سیاہ کریں گے ہی، لیکن اس کے ساتھ تمہارے علم، کلچر اور مذہب کی بھی خیر نہیں ہوگی۔

اس قسم کے انقلاب اور اس کے لادینی فلسفہ کے نتائج سے بچنا چاہتے ہو تو انقلاب کے کسی ایسے دینی فلسفہ کو اختیار کرو جس کے ذریعہ تم خدا کو مانتے ہوئے خدا کی مظلوم مخلوق کو خوشحال بنا سکو۔ اگر لادینی فلسفۂ انقلاب کے علمبردار اپنے بلند بانگ دعاوی کے ساتھ پسماندہ انسانیت کو نئی زندگی کی دعوت دیتے ہیں تو تم ساری انسانیت کو خدا کی ایک ایسی مخلوق ماننے والے اور اسے ہر ذی روح کا رازق اور رب جاننے والے، کوئی ایسی فکر کیوں پیش نہیں کرتے جس سے اس کی ساری مخلوق کی بھلائی ہو، ہر ظلم مٹ جائے، ہر حقدار کو اس کا حق ملے، ذلّت و نکبت کا خاتمہ ہو، اور کوئی بندہ رب کے دیئے ہوئے رزق سے محروم نہ کیا جا سکے، اور جس طرح ایک خاندان کے سب افراد مل جُل کر رہتے ہیں، اسی طرح مجموعی انسانیت جس کی حیثیت فی الواقع "عیال اللہ" کی ہے، اللہ کی نعمتوں سے یکساں متمتع ہو۔"

(خطبات مولانا عبیداللہ سندھی، از: پروفیسر محمد سرور، ص ۱۵، ۱۶ مطبوعہ لاہور)

وہ چڑھاؤ تھا یہ اُتار ہے

از: حضرت مولانا اعزاز علیؒ امروہوی، شیخ الادب والفقہ دارالعلوم دیوبند۔

بہار کے ایک مشاعرے کے لئے اپنے ایک دوست کی فرمائش پر حضرت مولانا مرحوم نے یہ چند اشعار برجستہ موزون کئے تھے۔

ترے ہجر میں ہوں میں نوحہ زن، ہیں اور یہ شبِ تار ہے
جو انیس ہے تری یاد ہے، جو رفیق ہے دلِ زار ہے

کوئی سیرِ باغ میں مست ہے، کوئی ہے وطن میں بصد خوشی
مرے دل کو چین ہو کس طرح، نہ بہار ہے نہ بہار ہے

مرے پاس ہووے جو مال و زر تو ہو خوف سارق و راہزن
مجھے بیش و کم سے غرض نہیں، نہ شراب ہے نہ خمار ہے

تھے جہاں حسینوں کے قہقہے جہاں بلبلوں کے تھے چہچہے
نہ مکان ہے نہ مکین ہے نہ واں رسن ہے نہ دار ہے،

وہ ہماری وضع میں تھی کشش، جو نماز میں بھی نہیں ہے اب
نہیں کچھ عجیب یہ رنگ ہے، وہ چڑھاؤ تھا یہ اُتار ہے

(مقدمہ تحفۃ الادب شرح نفحۃ الادب ص: ۱۲)
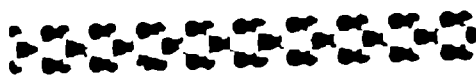
ہندوستانی مسلمانوں کا مستقبل

ایک اہلِ نظر کی نظر میں

مولانا سیّد مناظر احسن گیلانیؒ (۱۲۷۵ھ — ۱۳۱۰ھ) سابق صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کے سامنے جب ایک موقعہ پر ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کا ذکر آیا تو بڑے اعتماد کے ساتھ فرمایا کہ میں ہندوستان کے مسلمانوں کا مستقبل روشن پاتا ہوں اور اس کی وضاحت میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایک مرید کا لڑکا اسلامیہ اسکول میں تعلیم پاتا تھا اس کے باوجود اس کے عقائد خراب تھے، مرید نے حضرت مولانا سے اس کی شکایت کی، انہوں نے فرمایا کہ لڑکے کو اسلامیہ اسکول سے نکال کر کسی غیر مسلم اسکول میں داخل کردو۔ مُرید نے ایسا ہی کیا، کچھ دنوں کے بعد مرید نے اطلاع دی کہ لڑکا اب پھر اسلام کی طرف مائل ہو رہا ہے اور کچھ دنوں کے بعد بالکل صحیح راستے پر آ گیا۔

مرید نے مولانا تھانویؒ سے پوچھا کہ یہ طریقۂ علاج سمجھ میں نہیں آیا! مولانا نے فرمایا کہ لڑکا جس ماحول میں تھا اس کے خلاف جانا پسند کرتا تھا اس لئے جب وہ غیر مسلم اسکول میں چلا آیا تو وہاں کے ماحول کے خلاف اسلامی شعار کی طرف مائل ہو گیا۔

مولانا گیلانیؒ نے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ ”پاکستان کے مسلمان اپنے نئے ماحول میں کیا ہو جائیں گے اللہ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن ہندوستان کے مسلمانوں پر نئے ماحول کا جو ردِ عمل ہو گا وہ میری نظر میں امید افزا ہے۔ ان میں مذہبی احساسات اور ملی جذبات کی بنا پر غیر شعوری طور سے پوری قوت و مدافعت موجود ہے جو ہر زمانہ میں برقرار رہے گی جیسا کہ صدیوں سے رہی ہے۔ ہندوستان میں باہر سے جو قومیں آئیں وہ سب یہاں کی قوموں میں ضم ہو گئیں۔ لیکن مسلمانوں نے اپنی انفرادیت باقی رکھی، ان کی مذہبی غیرت و حمیت میں بڑا استحکام ہے جو کمزور ہو سکتا ہے لیکن ختم نہیں ہو سکتا، اس پر ضرب کاری پڑ سکتی ہے لیکن اس کا کوئی استیصال کرنا چاہے تو ممکن نہیں“۔

عملِ صالح کی دو بنیادیں

عملِ صالح بنتا ہے دو بنیادوں سے۔ ایک بنیاد ہے اخلاص للہ اور دوسری بنیاد ہے اتباعِ سنت۔ جس کام میں اخلاص ہے اور اتباعِ سنت بھی ہے وہ عملِ صالح ہوگا۔ اب اگر اخلاص میں کمی آئی یعنی کسی کام میں رضاء الٰہی کے ساتھ کچھ مخلوق کی رضا بھی شامل ہوگئی یا نفس کی رضا مخلوط ہوگئی تو وہ عمل خالص اللہ کیلئے نہ رہا، اس لئے جس درجہ اخلاص میں غیر اللہ کی رضا شامل ہوگی شرک کی بنیاد پڑتی چلی جائے گی اور شرک فی العمل ہو جائے گا۔ محمد رسول اللہ کے معنی یہ ہیں کہ اتباع ہو رسالتِ خداوندی کی۔ اب جس درجہ اتباع میں کمی آتی جائے گی اسی درجہ ابتداع اور بدعت کی بنیاد پڑتی چلی جائے گی جو شرک تک پہنچائے گی۔ تو دین کی صلاح کی دو بنیادیں ہیں اخلاص اور اتباع۔ اور دین کے فساد کی دو بنیادیں ہیں، شرک اور بدعت۔ لا الٰہ الا اللہ میں کمی آنے سے شرک کی ابتدا ہوتی ہے اور محمد رسول اللہ میں کمی آنے سے بدعت کی ابتدا ہوتی ہے ——— اب ہر آدمی کا کام ہے کہ اپنے ہر کام میں غور کرے کہ جو کام میں کر رہا ہوں اس میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ شامل ہے یا نہیں جس پر اس کا ایمان ہے۔ اگر ہے تو عملِ صالح، نہیں تو پھر وہ عملِ طالح (برا عمل) تو ایک تو ہے صریح چیز جس کو شریعت نے صراحۃً ممنوع قرار دیا ہے۔ اس کو اگر جائز کرنے کی فکر میں ہیں تو اس کے معنی ہیں کہ اخلاص تو پہلے ہی کھو دیا کہ وہ رسالت کی پیروی نہ رہی تو اس عمل میں برکت کہاں سے ہوگی؟ اس سے جتنے بھی آثار پیدا ہوں گے وہ سب نجس اور ناپاک ہوں گے، اس لئے کہ معدہ ہی درحقیقت حوضِ بدن ہے۔ اس کا پانی گندہ ہوا تو ایک ایک بدن کے عضو میں گندگی پہنچے گی۔ معدہ میں پاک چیز بھری ہوتی ہے تو ہر عضو میں پاک چیز پہنچے گی، ایمانی خوشبو پیدا ہوگی۔ اسی لئے حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب مرنے کا وقت قریب ہوتا ہے اور ملائکہ نزع روح کرتے ہیں تو ملائکہ ہاتھوں کو، پیروں کو، منہ کو، ٹانگوں کو سونگھتے ہیں کہ ان میں ایمان کی خوشبو کتنی ہے، وہ جو قلب کا ایمان ہے جب وہ پھیلتا ہے تو ہاتھ پیر پر آتا ہے، عمل کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے تو ملائکہ اس سے اندازہ کر لیتے ہیں کہ اس کے ہاتھ پیر میں اس قدر ایمان کی خوشبو ہے ——— ابتدا سے لے کر انتہا تک اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف دو ہی چیزوں کی جانچ ہے وہ یہ کہ ہر عمل میں ایمان کا دخل ہو اور ہر عمل میں اتباع کا دخل ہو، ایمان میں کمی آئی شرک پیدا ہوا، اتباع میں کمی آئی بدعت پیدا ہوئی، اور یہ دونوں چیزیں دین کے فساد کی ہیں۔

——— (حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ)

وہ مسافرِ ہوں جو ہو ختمِ سفر سے بے نیاز

یہ رمضان کا مبارک مہینہ ہے۔ اسی مہینہ میں قرآن مجید نازل ہوا ہے اس لئے اس مہینہ کو قرآن سے اور قرآن کو اس مہینہ سے خاص مناسبت ہے۔ اس مہینہ میں مسلمان قرآن کی تلاوت کا خاص اہتمام کرتے ہیں اور نماز تراویح میں ذوق وشوق کے ساتھ قرآن سنتے اور سناتے ہیں جو بلاشبہ بڑی سعادت کی بات ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب نماز تراویح میں ایک حافظِ قرآن، قرآن کو ختم کرتا ہے تو وہ قرآن کی آخری سورۃ "الناس" پڑھ کر چھوڑ نہیں دیتا بلکہ عام طور پر یہ ترتیب قائم کی جاتی ہے کہ ۱۹ ویں رکعت میں وہ الناس تک پڑھتا ہے، پھر ۲۰ ویں رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد "الٓمٓ" سے آغاز کرکے "المفلحون" تک پڑھتا ہے۔ اس عمل کا راز کیا ہے؟ دراصل یہ بتانا مقصود ہے کہ مسلمان کا تعلق قرآن سے دائمی ہے وہ ایک دفعہ ختم کرنے کے بعد پھر اسی مجلس میں دوبارہ اس کی تلاوت کا آغاز کرتا ہے، دوسری دفعہ ختم کرنے کے بعد وقفہ دیئے بغیر پھر سے پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے اس قرآنی سفر کا سلسلہ یوں ہی جاری رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی زندگی کا سفر ہی تمام ہوتا ہے اور وہ موت کی منزل سے ہمکنار ہو جاتا ہے ——— قرآنی سفر کے اس تسلسل کو آپ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی اس روایت سے سمجھ سکتے ہیں کہ "ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا" یا رسول اللہ! کونسا عمل اللہ کو بہت پسند ہے؟ آپؐ نے فرمایا "الحالُّ المُرتَحِلُ" یعنی سفر ختم کرنے والا اور پھر سفر شروع کرنے والا۔ اس شخص نے کہا" سفر ختم کرنے والا اور پھر سفر شروع کرنے والے سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا "اس شخص سے وہ شخص مراد ہے جو قرآن کو شروع سے آخر تک ختم کر کے پھر شروع کرتا ہے اور اسی طرح سب ختم کرتا اور پھر شروع کر دیتا ہے" (ترمذی)

قرآن مجید کی تلاوت کو ایک "مسلسل سفر" سے تعبیر کرنے کا مقصد یہ ہوا کہ یہ ایسی کتاب ہے جس سے نہ کبھی سیری حاصل ہوتی ہے اور نہ کبھی اس کے حقائق اور معانی ختم ہوتے ہیں۔ یہ کتاب ہمیشہ

جدید رہتی ہے، پڑھنے والے اگر علم وشعور اور بصیرت رکھتے ہیں تو ان کا ہر سفر ایک نیا سفر ہوگا۔

یہ صحیح ہے کہ رمضان میں قرآنی مسافر کا قدم تیز اٹھنا چاہیئے (یعنی بکثرت قرآن کی تلاوت کرے) مگر دوسرے دنوں میں بھی اس کی رفتار میں سستی نہیں آنی چاہیئے، اسے چاہیئے کہ اپنا یہ سفر ہر روز جاری رکھے، بہار ہو کہ خزاں اسے تو چلنے سے کام ہے، یہ چلنا ایک دانا و بینا کی طرح ہو (یعنی ترجمہ وتفسیر کے ساتھ قرآن پڑھنے کی کوشش کرے) اپنے گھر والوں کو بھی ساتھ لئے رہے تاکہ اپنے دل کی دنیا بھی آباد ہو اور گھر کا ماحول بھی سرسبز و شاداب ہو۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں "جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اس کو دُہرا ثواب ملتا ہے۔ ایک تو پڑھنے کا، دوسرا اس کے دیکھنے کا۔ اور ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیاں اس کے اعمالنامہ میں لکھی جاتی ہیں اور دس دس بدیاں دور ہوتی ہیں۔ نیز آنکھ کی روشنی تیز ہوتی ہے اور وہ آنکھ دنیا کی مصیبت میں کبھی مبتلا نہیں ہوتی۔"

بیٹا! تو بھی سو جاتا تو اچھا تھا!

حضرت شیخ سعدیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "گلستاں" میں ایک جگہ بیان کرتے ہیں کہ:

"میں بچپن میں بڑا عبادت گذار و شب بیدار تھا، ایک رات میں اپنے والد محترم کی خدمت میں حاضر تھا، ساری رات آنکھوں آنکھوں میں کٹ گئی اور مسلسل تلاوتِ قرآن اور عبادتِ خدا میں مشغول رہا۔ مگر میرے اِرد گِرد لوگوں کی ایک جماعت بڑے آرام سے سو رہی تھی، ان لوگوں کا اس طرح بے فکر سونا مجھے بُرا معلوم ہوا اور میں نے اپنے والد سے شکایت کی کہ "یہ لوگ تو ایسے سو گئے ہیں جیسے مر گئے ہوں، کوئی بھی تہجد کیلئے بیدار نہیں ہوتا۔" والد صاحب نے جواب دیا "بیٹا! اچھا ہوتا کہ تُو بھی سو جاتا تاکہ دوسروں کی غیبت نہ کرتا۔"

دُور اندیش باپ نے بروقت اور نہایت مؤثر انداز میں بیٹے کی غلطی کو اُجاگر کر دیا، اس سے بچنے کی تاکید کر دی اور جتلا دیا کہ غیبت (پیٹھ پیچھے بُرائی، اگرچہ اس میں وہ بُرائی موجود ہی کیوں نہ ہو) سے کس طرح نیکی برباد، گناہ لازم آتا ہے۔

قرآن نے مسلمانوں کو غیبت سے نفرت دلانے کیلئے کہا ہے کہ غیبت کرنا ایسا ہے جیسے کوئی اپنے مَرے ہوئے بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھائے۔ کون مسلمان ہے کہ جو اس کو گوارا کریگا۔ معراج کے موقع پر عالمِ ارواح کے مشاہدات میں حضورؐ کو یہ دکھایا گیا ہے کہ غیبت کرنیوالے اپنے تانبے کے ناخن سے خود ہی اپنے چہرے کو نوچ رہے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز بہت سے لوگوں کا نامۂ اعمال جب ان کے ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ دیکھے گا کہ اس کے بعض اعمالِ صالحہ اس میں لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ تو عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! اس میں میرے فلاں فلاں عمل درج نہیں ہیں تو حق تعالیٰ کی طرف سے جواب ملے گا کہ ہم نے ان اعمال کو اسلئے مٹا دیا کہ تم لوگوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔

ہم اور آپ مجلسی گفتگو، ماحول، اور معاشرہ کا جائزہ لیں اور عہد کریں کہ "کسی کی غیبت نہ کریں گے اور نہ سنیں گے۔" یاد رکھئے! جو دوسروں کی غیبت آپ کے سامنے کرتا ہے وہ یقیناً آپ کی بھی غیبت دوسروں کے سامنے کرے گا۔ اس لئے آپ ایسے لوگوں کی قطعاً حوصلہ افزائی نہ کریں اور غیبت کا پہلو آتے ہی اپنی دانشمندی سے بات کا رُخ دوسری طرف موڑ دیں۔ (نوٹ) بغرض اصلاح کسی کی شکایت اسکے ذمہ دار سے غیبت نہیں ہے۔ نیز کسی کے شر اور فتنہ سے محفوظ رکھنے کیلئے متعلقہ آدمی سے حقیقت حال کا انکشاف بھی غیبت نہیں۔

ایک صالح بچّے کی فریاد

آج کل کے اسکولوں اور کالجوں کے ماحول سے گھبرایا ہوا ایک نیک اور صالح بچہ، ایک دن اسکول سے آکر اپنے والد سے درد بھری آواز میں کہتا ہے:۔

ابا جان! مجھے ماڈرن نیشنل اسکول کیوں بھیجتے ہیں۔ مجھے تو وہ اسکول بالکل پسند نہیں ہے۔ وہاں لڑکیاں ناچتی ہیں اور لڑکے وائلن (ستار) بجاتے ہیں۔

میرے اُردو ٹیچر بہت بڑے شاعر ہیں، مگر شراب پیتے ہیں، وہ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ روسی خلاباز نے خدا کو آسمان میں ہر جگہ تلاش کیا لیکن کہیں نہیں ملا۔ وہ خدا کے غضب سے بالکل نہیں ڈرتے ——— انگریزی کے استاذ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اُڑاتے ہیں۔

سائنس کے استاذ انسان کو بندر کی اولاد بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ڈاروِن نے اسے ثابت کردیا ہے ——— تاریخ کے استاذ مسلمانوں کو لٹیرا اور ڈاکو کہتے ہیں ——— آرٹ کے استاذ مجھے ڈرامے میں شرابی کا پارٹ دینا چاہتے ہیں ——— میرا ایک دوست چور بھی ہے وہ کہتا ہے کہ جب میرے ڈیڈی (والد) شراب پی کر مدہوش ہوجاتے ہیں تو میں ان کی جیب سے نوٹ نکال لیتا ہوں۔ ایک فلم میں اس نے ایسا ہی دیکھا تھا۔

ابا جان! آپ چاہتے ہیں کہ میں ڈاکٹر بن جاؤں، پھر کبھی انجینئر بنانا چاہتے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ اس سے میرا مستقبل سنور جائے گا لیکن یہی ایک مستقبل تو نہیں ہے، ایک اور مستقبل ہے جو آنے کے بعد ہمیشہ "حال" بن جائے گا، یعنی آخرت، اس کا سنورنا تو دل و دماغ کے مسلمان ہونے اور اسلامی کردار پر ہے۔ آخر اس بارے میں میری فکر تو کیجئے، اسکول اور کالج کے ماحول کے زہر کا تریاق تو تلاش کیجئے۔

والدین کیلئے
ایک سبق آموز واقعہ

خلفاء بنو عباس میں سے ایک خلیفہ نے اپنے زمانہ کے بعض علماء سے یہ خواہش کی کہ آپ کچھ ایسے اہم اور مؤثر واقعات لکھ بھیجئے جنہیں آپ نے خود دیکھا ہو یا سُنا یا پڑھا ہو۔ اس خواہش کی تکمیل میں ایک عمر رسیدہ عالم نے لکھا کہ میں نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو دیکھا ہے۔ جب یہ مرض موت میں مبتلا تھے تو کسی نے کہا "امیر المؤمنین آپ نے اس مال کو اپنے بیٹوں سے دور رکھا ہے، یہ فقیر و بے نوا ہیں، کچھ تو ان کیلئے چھوڑنا چاہیئے تھا۔"

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے بیٹوں کو بلایا جن کی تعداد دس تھی، جب یہ حاضر ہوئے تو رونے لگے پھر مخاطب ہو کر فرمایا۔ "میرے بیٹو! جو تمہارا حق تھا وہ میں نے تم کو پورا پورا دے دیا ہے کسی کو محروم نہیں رکھا اور لوگوں کا مال تم کو دے نہیں سکتا، تم میں سے ہر ایک کا حال یہ ہے کہ یا تو وہ صالح ہوگا تو اللہ تعالیٰ صالح بندوں کا والی اور مددگار ہے، یا غیر صالح ہوگا اور غیر صالح کیلئے میں کچھ چھوڑنا نہیں چاہتا کہ وہ اس مال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں مبتلا ہوگا ——— اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا قُومُوا عَنِّیْ (بس تم سب جاؤ اتنا ہی کہنا چاہتا تھا)

عالم نے لکھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ایک بڑے فرماں روا اور ایک وسیع مملکت کے مالک تھے، اس کے باوجود ان کی اولاد کو ان کے ترکہ میں سے بیس بیس درہم سے بھی کم ملے لیکن بعد میں میں نے دیکھا کہ ان کے یہ لڑکے سو سو گھوڑے فی سبیل اللہ دیتے تھے تاکہ مجاہدین اسلام ان پر سوار ہو کر جہاد کریں (عالم نے اس کے بعد لکھا کہ) میں نے اس کے برعکس بعض ایسے فرماں رواؤں کو بھی دیکھا ہے جنہوں نے اپنا ترکہ اتنا چھوڑا تھا کہ ان کے مرنے کے بعد جب لڑکوں نے باہم تقسیم کیا تو ہر ایک کے حصہ میں چھ چھ کروڑ اشرفیاں آئی تھیں لیکن میں نے اُن لڑکوں میں سے بعض کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ لوگوں کے سامنے بھیک مانگا کرتے تھے۔"

(السیاسۃ الشرعیۃ للإمام ابن تیمیہؒ (الفصل الاول).

یہ ایک نہایت سبق آموز واقعہ ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ والدین کے لئے اولاد کے سلسلہ میں نہایت مالدار یا غیر مالدار بنانے کا اہم مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اہم اور بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ انہیں صالح بنایا جائے، صالح بندوں کی امداد اور حمایت کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

______________ (الاعراف)

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے لڑکوں کو والد کے ترکہ سے صرف بیس بیس درہم ہاتھ لگے تھے لیکن چوں کہ لڑکے صالح تھے، اللہ نے ان کو بہت کچھ عطا فرمایا اور وہ بھی اللہ کے راستہ میں جی کھول کر دینے لگے۔ دوسری طرف بعض خلفاء عباسیہ چھ چھ کروڑ اشرفیاں اپنے لڑکوں کے لئے ترکہ میں چھوڑ گئے تھے لیکن بدعملی کی پاداش میں انہیں دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ذلت اٹھانی پڑی۔

پس کتنے والدین ہیں جو اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرتے ہوں اور اُن کے سامنے اہم مسئلہ اولاد کو صالح بنانے کا ہو اور اس سلسلہ میں وہ سارے جتن کرتے ہوں جو انہیں کرنے چاہئیں

والدین کے حقوق

معاشرتی زندگی میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے، اس حق کی عظمت و اہمیت کا اندازہ قرآن مجید کے اس اندازِ بیان سے کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ اپنے حق کے ساتھ ساتھ والدین کے حقوق کا ذکر فرمایا ہے اور اپنے شکر کی تاکید کے ساتھ ساتھ یہ تاکید بھی کی ہے کہ والدین کے شکر گذار رہو۔

قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے: "اور ان سے ادب و احترام کی بات کہو" یعنی گفتگو میں ان کی عظمت اور اپنے مقام فرزندی کا خیال رکھو ——— ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا، "کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ جہنم سے دور رہیں اور جنت میں داخل ہوں؟" ابن عباسؓ نے کہا، "کیوں نہیں، خدا کی قسم یہی چاہتا ہوں"۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے پوچھا "آپ کے والدین زندہ ہیں؟" ابن عباسؓ نے کہا "جی ہاں، میری والدہ زندہ ہیں"۔ عبداللہ بن عمرؓ نے ارشاد فرمایا "اگر آپ ان کے ساتھ نرمی سے بات چیت کریں اور ان کے کھانے پینے کا خیال رکھیں تو آپ ضرور جنت میں جائیں گے بشرطیکہ آپ کبیرہ گناہوں سے بچتے رہیں"۔ ——— حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک بار دو آدمیوں کو دیکھا، ایک سے پوچھا "یہ دوسرے تمہارے کون ہیں؟" اس نے کہا "یہ میرے والد ہیں"۔ آپ نے فرمایا "دیکھو، نہ ان کا نام لینا، نہ کبھی ان سے آگے چلنا اور نہ کبھی ان سے پہلے بیٹھنا"۔

بڑھاپے میں کمزوری کے باعث بات کی برداشت کم ہو جاتی ہے، مزاج میں چڑچڑاپن پیدا ہو جاتا ہے اور زندگی کی ان آخری گھڑیوں میں اپنی اہمیت کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے اس دور میں خاص طور پر تاکید ہے کہ ان کے ساتھ عاجزی اور نرمی کا اہتمام کیا جائے اور شرعی حدود کا پاس رکھتے ہوئے ہر ہر بات میں ان کی مرضی اور مزاج کا خیال رکھا جائے۔

(دیکھئے سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۳)

سورۂ بقرہ آیت ۲۱۵ سے واضح ہے کہ سوسائٹی میں تمہارے مال کے جو مستحقین ہیں ان میں سب سے پہلا حق والدین کا ہے۔

میرا شہزادہ شکست کھا کر نہیں آسکتا

افغانستان کے بادشاہوں میں ایک بادشاہ امیر دوست محمد خاں گذرے ہیں، بڑے نیک دل اور دیندار تھے۔ ایک روز دربار سے یہ شاہی محل سرائے میں آئے تو چہرہ اداس تھا بیگم کے سوال کرنے پر بتایا کہ افغانستان کے سرحد پر دشمن نے حملہ کر دیا تھا تو اس کے مقابلے کے لئے اپنے شہزادے کو فوج دے کر بھیجا تھا، آج یہ خبر آئی ہے کہ شہزادے کو شکست ہوگئی ہے۔

"میرا شہزادہ شکست کھا کر نہیں آسکتا" بیگم خبر کو جھوٹی قرار دیتے ہوئے ایک دم بول پڑیں انہوں نے یقین و اعتماد کے لہجے میں مزید کہا "یہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ شہید ہو جائے لیکن دشمن کو پشت دکھا کر آئے یہ ممکن نہیں" مگر بادشاہ نے خبر رسانی کے سرکاری ذرائع کے مقابلہ میں بیوی کی بات کو لائق اعتنا نہیں سمجھا۔

امیر خاں اگلے دن دربار سے گھر آئے تو ان کا چہرہ خوشی سے پھول کی طرح کھل رہا تھا۔ بیوی کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "خبر جھوٹی نکلی" واقعہ یہ ہے کہ شہزادے نے دشمن کو بھگا دیا اور فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے آرہا ہے۔" لیکن یہ تو بتاؤ، تمہیں اس کی اطلاع کیوں کر ہوئی۔ بیگم نے اولاً اسے راز قرار دیتے ہوئے بتانے سے انکار کیا۔ مگر جب امیر خاں نے یہ کہا کہ بیوی کا خاوند سے زیادہ رازدار کون ہے؟ تو وہ اس پرشوق اور پرمحبت جملہ پر پسیج گئیں۔ کہنے لگیں۔ بات اصل یہ ہے کہ جب شہزادہ میرے پیٹ میں تھا تو میں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اس وقت سے بچہ کو دودھ چھڑانے کی عمر تک کوئی حرام اور مشتبہ لقمہ میرے پیٹ میں نہیں جائے گا۔ میں اس عہد پر قائم رہی۔ اس عرصہ میں میں نے سرکاری خزانے اور آپ کی تنخواہ سے "مالِ مشتبہ" ہونے کی خاطر ایک پیسہ نہیں لیا اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں بنا کر بکواتی تھیں اور اسی حلال کمائی سے میں کھاتی تھی۔ اسی طرح شہزادہ کو میں نے خود ہی دودھ پلایا، کسی انّا کے سپرد نہیں کیا، وہ بھی اس طرح کہ شہزادہ جب دودھ پینے کے لئے روتا تو میں پہلے وضو کرتی، دو رکعت نفل نماز پڑھتی، دعا مانگتی پھر دودھ پلاتی تھی، گویا حمل قرار پانے کے

بعد دودھ چھڑانے تک شہزادے کے معاملہ میں، میں اندر اور باہر کی پاکی کا پورا اہتمام کیا تو جب آپ نے شکست کی اطلاع دی تو میں نے سوچا جب اس کی نشو ونما ایسے پاک طریقے پر پاک غذا سے ہوئی ہے تو اس میں کمینہ اخلاق کیسے پیدا ہوں گے اور بزدلی اور کم ہمتی تو کمینہ اخلاق میں سے ہے جس کی اسلام میں گنجائش نہیں، اسی لئے میں نے وہ بات پوری قوت کے ساتھ کہی تھی جسے اللہ نے سچ کر دکھایا" سبحان اللہ!
بادشاہ کی بیگم، جسے شاہی محل میں نفس اور طبیعت کے ہر چونچلے کی تکمیل کا پورا موقع میسر، لیکن اولاد کی صالح تربیت اور پاکیزہ اخلاق و جذبات کی نشو ونما کی خاطر تقویٰ اور ظاہری و باطنی پاکیزگی کا کتنا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اور توقع کے مطابق اولاد پر اس کے کتنے اچھے ثمرات مرتب ہوئے۔

کیا سینما، فحش و عریانیت اور اکلِ حرام کے دَور کی مائیں اس واقعہ سے اپنے لئے کچھ سبق حاصل کریں گی؟ اور اس حقیقت پر نظر ڈالیں گی کہ بچوں کے بناؤ اور بگاڑ کی اصل ذمہ دار یہی ہیں ——— والدین کو اگر اپنے بچے کے کردار سے شکایت ہو تو پہلے انہیں اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہیئے، کیوں کہ ؏

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو۔

ایک حالت ـــــ تین رنگ

از : حضرت مولانا حافظ محمد احمد دیوبندی، مہتمم دارالعلوم، دیوبند

میں نے اپنے تین بزرگوں کو صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ برتا ہے۔ میرے پیر و مرشد حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب، میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور میرے سرپرست اور مربی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ بیماری کے معاملہ میں ان تینوں کے تین حال تھے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا تو یہ حال تھا کہ معمولی سی بیماری بھی آجاتی تو بہت زیادہ ہائے وائے کرتے بعض خدام نے عرض کیا کہ حضرت! یہ عبدیت کے منافی تو نہیں؟ تو فرمایا۔ کیا میں اپنے اللہ کے آگے بہادر بنوں کہ آپ کا ہر امتحان و ابتلار برداشت کرنے کی مجھ میں طاقت ہے! مزید فرمایا کہ بندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ معمولی سے معمولی ابتلار میں بھی اپنا ضعف، عجز اور بے چارگی آدمی ظاہر کردے اور عرض کردے کہ یا اللہ! میں تو بہت کمزور اور ضعیف بندہ ہوں، مجھ میں تیری آزمائش اٹھانے کی طاقت کہاں؟

حضرت والد ماجد مولانا نانوتویؒ کے ضبط و تحمل کا یہ حال تھا کہ بڑی سے بڑی بیماری آجاتی تو کسی کو یہ احساس بھی نہیں ہونے دیتے۔ مہینوں میں اتفاقیہ اگر ضمنِ کلام میں حضرت کی زبان سے کبھی اظہار ہو گیا تو پتہ چل جاتا تھا کہ کسی شدید مرض کا حملہ ہوتا تھا، ایسے موقع پر تدارک اور دفعِ مرض کے بارے میں کچھ کہا جاتا تو فرماتے کہ عبدیت اور رضا ہے کہ کچھ بھی ہو آدمی اُف نہ کرے اور معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد کردے۔ انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ۔ جب طبیب مطلق وہ ہے اور بیمار اور اس کی بیماری کا خبیر مطلق بھی وہی ہے تو وہی بندہ کی مصلحت سے واقف ہے، اس لئے تسلیم و رضا کا شیوہ اختیار کرنا ہی مقامِ عبدیت ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کا حال بیماری میں یہ تھا کہ نہ کراہتے نہ ساکت رہتے، بلکہ علاج دوا اور پرہیز کی طرف خاص توجہ ہوتی اور فرماتے کہ بیماری میں علاج کا اہتمام سنت ہے اور سنت کی پیروی ہی مقام عبدیت ہے کہ آدمی اپنے طبعی جذبہ کو چھوڑ کر شریعت کے اوامر کی پیروی میں لگ جائے۔

غرض بندگی اور عبدیت کے مختلف چولے نکلے، ایک جگہ اظہارِ ضعف و بے چارگی کے چولے میں نمایاں ہوئی، ایک جگہ تفویض اور تسلیم و رضا کی صورت میں ظاہر ہوئی، ایک جگہ اتباعِ سنت اور پیرویِ شریعت کی صورت میں کھلی، گویا بیماری کی ایک حالت میں تین بزرگوں کے تین رنگ نکلے اور تینوں رنگ بلاشبہ اپنی اپنی جہت سے عبدیت ہی کے ہیں۔

جب میں بیمار ہوتا ہوں تو کبھی حضرت پیر و مرشد کے حال کی پیروی کرتا ہوں، کبھی اپنے حضرت والد ماجد کی اور کبھی اپنے مربی اور استاذ حضرت گنگوہی کے حال کی، اور یہ تینوں حال چوں کہ عبدیت کے ہیں، اس لئے میں کسی حال کی پیروی میں عبدیت اور رضا بالقضاء سے الگ نہیں ہوتا۔ (عظیم مدنی نمبر، روزنامہ "نئی دنیا" دہلی، ۲۵ نومبر ۱۹۶۹ء ص: ۱۱۲، ۱۱۳)
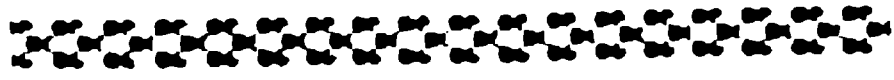
ایک آدمی ــــــــ تین کردار

مولانا احتشام الحسن کاندھلویؒ کے ایک دوست وکیل صاحب تھے، یہ میرٹھ میں رہتے تھے ایک دفعہ وکیل صاحب میرٹھ سے کاندھلہ مولانا کاندھلوی سے ملنے آئے، مولانا نے وکیل صاحب سے خواہش کی کہ آپ واپسی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے ملتے ہوئے جائیں، جب یہ پہنچے تو صبح کا وقت تھا۔ یہ وقت حضرت شیخ الحدیث کے لکھنے پڑھنے کا تھا۔ اپنے اس معمول کے حضرت شیخ ایسے پابند تھے کہ کبھی اس میں فرق نہیں لائے، ایک مرتبہ حضرت رائپوریؒ کی آمد کے موقع پر خلاف معمول احتراماً بیٹھ گئے تو سر میں درد ہونے لگا اور اجازت لے کر اوپر حجرے میں گئے اور چند سطریں لکھ کر آئے تو سر کا درد رفع ہوا ــــــــ وکیل صاحب سے جب ملاقات ہوئی تو حضرت شیخ نے اپنا معمول بتا دیا اور فرمایا کہ میں اس وقت بات نہیں کر سکتا۔ ½ ۱۱ بجے کے بعد انشاء اللہ ملاقات ہوگی۔ اور اوپر اپنے لکھنے کے مخصوص حجرے میں تشریف لے گئے۔

حضرت شیخ ½ ۱۱ بجے نیچے اُترے، دوپہر کے کھانے میں وکیل صاحب کو بلایا، وہ آیا، اس وقت حضرت کی طبیعت خوب چلتی تھی اور پُر لطف باتیں کیا کرتے تھے، وکیل صاحب سے فرمایا کہ آپ وکیل ہیں بتائیے اگر آپ مثلیں دیکھنے میں مشغول ہوں اور کوئی آپ سے آکر بات کرنا چاہے تو آپ اسے پسند کریں گے؟ گویا حضرت شیخ نے اپنے جملہ سے بتانا چاہا کہ اہم مصروفیت اور مقررہ معمول کے وقت بات اور ملاقات سے احتراز کر کے ہی ایک انسان اپنے فریضہ کو انجام دے سکتا ہے، اس جملہ کے بعد اور بھی حضرت شیخ نے وکیل صاحب سے باتیں کیں۔ یہ تمام باتیں نہایت بے تکلفی کے ساتھ ہوئیں، کھانے کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ اب انشاء اللہ عصر کے بعد ملاقات ہوگی۔ چنانچہ عصر کے بعد وکیل صاحب مجلس میں تشریف لائے اور اس وقت کا بھی منظر دیکھا۔

دوسرے دن وکیل صاحب میرٹھ واپس آگئے، وہاں سے اسی دن انہوں نے مولانا احتشام الحسن کاندھلوی کو خط لکھا کہ "آپ نے مجھے ایک ایسے شخص کی زیارت کرائی کہ اس ایک آدمی میں

مجھے تین آدمی نظر آئے۔ جب میری ملاقات صبح کے وقت ہوئی تو مجھے بڑا غصہ آیا کہ کس آدمی کے پاس مجھے بھیج دیا، مولویوں کے یہاں اخلاق نہیں ہوتے۔ اگر دوپہر کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو اسی وقت وہاں سے چلا آتا۔ مگر دوپہر کو میں نے محسوس کیا کہ میرا بہت بے تکلف دوست ہے جس سے ہمیشہ کا یارانہ رہا ہے عصر کے بعد میں نے دیکھا کہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں، بلکہ ایک تیسرا آدمی ہے جو شیخِ وقت اور مرشدِ کامل معلوم ہوتا ہے۔ وکیل صاحب نے آخر میں لکھا کہ "میں آپکا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے ایک آدمی میں مجھے تین آدمی دکھا دیئے"۔

اس واقعہ پر اپنی طرف سے کچھ تبصرہ کرنے کے بجائے حضرت شیخ الحدیث ہی کے الفاظ نقل کرنا چاہتا ہوں کہ" اپنے کاموں کے لئے اوقات مقرر کرو۔ اس کے درمیان چھوٹے بڑے کسی کی پرواہ نہ ہونی چاہیئے"۔ بعض لوگ اخلاق کا عذر کرتے ہیں کہ اگر کوئی آجائے تو اخلاق برتنا چاہیئے، میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ اگر اس وقت قضاء حاجت کی ضرورت پیش آجائے تو کیا اس کا عذر نہ کروگے؟

؎ کیسے گلے رقیب کے، کیا طعنِ اقربا ∴ تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے دیکھتا آرہا ہوں، کہ حضرت کا وقت پر دروازہ بند ہو جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ یہ دونوں حضرات حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے یہاں تشریف لے گئے، ملاقات وغیرہ کے بعد حضرت تھانویؒ نے ان دونوں حضرات سے اجازت لی کہ تھوڑی دیر کے لئے "بیان القرآن" لکھنے جارہا ہوں، اس وقت میرا یہی معمول ہے (حالانکہ شیخ الہندؒ حضرت تھانویؒ کے استاذ تھے) چنانچہ تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آگئے، مگر طبیعت کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔

واقعہ ہے کہ تقسیم کار اور اوقات و معمولات کی پابندی کے بغیر کوئی فریضہ ذمہ دارانہ طریقہ پر انجام نہیں دیا جا سکتا۔ آپ بھی اپنی زندگی میں اس کا خیال رکھیئے۔ اور جو لوگ اس کے عادی ہیں ان کا بھی لحاظ رکھیئے۔

بقولِ حضرت شیخ الحدیثؒ "یہ ہر طرح کی ترقی کا زینہ ہے"۔

چار مرض ——— ایک عِلاج

حضرت حسن بصریؒ کی مجلس منعقد تھی، رشد و ہدایت کی باتیں ہو رہی تھیں، لوگ اپنے دَرد کا درماں تلاش کر رہے تھے، اس مجلس کے دَوران وقفہ وقفہ سے چار آدمی آئے، ہر ایک نے اپنے مسئلہ کو پیش کر کے جواب چاہا ——— پہلے آدمی نے اپنے مصائب اور تکالیف کی شکایت کی، حضرت بصریؒ نے فرمایا: "استِغفار کرو" ——— دوسرے نے اولاد نہ ہونے کی شکایت کی۔ جواب میں فرمایا: "استِغفار کرو" تیسرے نے فقر وفاقہ کی شکایت کی، آپ نے کہا "استغفار کرو" ——— چوتھے نے زمین و باغات کی بَربادی اور خشک سالی کی شکایت کی، اُسے بھی یہی فرمایا: "استغفار کرو" ——— گویا چار مریض آئے اور سب کیلئے حضرت بصریؒ نے ایک ہی نسخہ "استغفار" کا تجویز فرمایا ——— حاضرین میں سے جب ایک صاحب نے مرض کے اختِلاف کے باوجود علاج کی یکسانیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے درج ذیل آیتیں تلاوت کیں اور فرمایا کہ ان سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۗ (نوح ——— ۱۰ تا ۱۲)

پس میں (حضرت نوحؑ) نے (اپنی قوم سے) کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو (استغفار کرو) کہ وہ بڑا معاف کرنیوالا ہے وہ تم پر آسمان سے بارش برسائے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغ عطا کرے گا اور ان میں تمہارے لئے نہریں بہادے گا۔

دل میں اپنے گناہ پر نادم سمجھنا، آنکھوں سے آنسو بہانا اور آئندہ کیلئے قصد کرنا کہ اگلی زندگی، پچھلی نافرمانیوں سی نہ ہوگی، یہ ہے استغفار۔ اس حساس و شعور کے ساتھ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ کا وِرد رکھنا چاہیے۔ جس طرح گندے کپڑے کو صابن وغیرہ سے دھولیا جاتا ہے اسی طرح گناہوں سے زنگ آلود دِلوں کی جِلا اور صفائی استغفار سے ہوتی ہے، یہ بڑی قیمتی چیز ہے، اس سے دنیوی پریشانیاں دُور ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے ——— کس قدر رحمت بے پایاں ہے کہ ایک حدیث کے بموجب "اللہ رات میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا خطا کار توبہ کرلے اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا خطا کار توبہ کرلے ——— (مُسلِم)

استقامت اور درگذر

امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ ۲۴۱ھ) کے زمانے میں ایک گمراہ فرقہ معتزلہ کا ظہور ہوا، یہ فرقہ قرآن مجید کے بارے میں ایسی رائے رکھتا تھا جو اہلِ سنت کے عقیدے کے خلاف تھی، خلیفۂ وقت نے بھی اسی نظریہ کو قبول کرلیا تھا اور ائمہ اہلِ سنت پر بڑی شدت اور سختی روا رکھتا تھا ——— چنانچہ اسی سلسلہ میں دربارِ خلافت میں آپؒ کی طلبی ہوئی۔ آپ نے وہاں بھی حق کا اظہار فرمایا اور باوجود ضعف و کمزوری کے تقریباً اسی (۸۰) کوڑے آپ کے جسم پر لگائے گئے۔

پہلے کوڑے پر آپ نے بسم اللہ دوسرے پر لاحول ولاقوۃ الا باللہ تیسرے پر القرآن کلام اللہ اور چوتھے پر "قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا" کہا، اس کے بعد بے ہوش ہوگئے لیکن جب ہوش آتا اظہارِ حق سے نہ چوکتے۔

گھر واپس آئے تو جراح نے زخم دیکھے، مردہ گوشت اور چمڑے کاٹ دیئے اور مرہم پٹی کی۔ اس حال میں بھی خلیفہ معتصم جس نے یہ ستم روا رکھا تھا، کیلئے دعا کرتے اور کہتے کہ میں نہیں چاہتا کہ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قرابت دار کا فریق بنوں، اور یہ آیت پڑھتے:-

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○	معاف کرنا اور درگذر کرنا چاہیئے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کردے اور خدا بھی بہت معاف کرنیوالا اور رحم کرنے والا ہے۔

علم و فضل کا آستانہ

ہارون الرشید جب خلیفہ ہوئے تو علماء و صلحاء مبارکباد پیش کرنے کیلئے ان کے پاس آئے اور خلیفہ نے خوشی میں ہر ایک کو انعام و اکرام سے نوازا لیکن سفیان ثوریؒ (مشہور فقیہ) مبارکباد کیلئے نہیں تشریف لائے، ہارون سے چوں کہ ان کے مراسم بہت پہلے سے تھے اس لئے ان کے تشریف نہ لانے سے تشویش ہوئی اور استفسار حال کیلئے ایک خط ان کے پاس بھیجا جس کا مضمون یہ تھا:

"آپ جانتے ہیں کہ اللہ نے اخوت و بھائی چارگی میں کیسی فضیلت رکھی ہے، اگر حکومت و سلطنت کا بارِ عظیم میرے کندھے پر نہ ہوتا تو میں ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، خلیفہ ہونے کے بعد میرے تمام دوست و احباب مبارکباد پیش کرنے کے لئے آئے لیکن میں آپ کا انتظار کرتا رہا، براہِ کرم خط ملتے ہی آپ تشریف لے آئیں میں آپکی ملاقات کا بے حد مشتاق ہوں" سفیان ثوریؒ نے اس کا یہ جواب دیا:

"خط ملا، اس کے پڑھنے سے مجھے سخت تکلیف ہوئی، آپ کو اس بات کا کوئی حق نہ تھا کہ مبارکباد پیش کرنے والوں کو انعام و اکرام سے نوازیں، بیت المال میں سب کا حق ہے ان کی مرضی کے بغیر آپ نے یہ تصرف کیسے کیا؟ اللہ کی جواب دہی کے لئے تیار رہیے، میں اور میرے احباب اس بیجا تصرف پر اللہ کے سامنے آپ کے خلاف گواہی دیں گے ——— اے ہارون! مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض محتسب (کوتوال) خود شراب پیتے ہیں اور دوسروں کو شراب پینے کی سزا دیتے ہیں، خود چوری کرتے اور چوری کرنیوالوں کا ہاتھ کاٹتے ہیں، خود زنا کرتے اور دوسروں کو دُرّے مارتے ہیں، اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہے تو ان سب کا وبال آپ پر ہوگا اس وقت کو یاد کیجئے جب ظالم اللہ کے روبرو کھڑے ہوں گے اور ان کے سردار کے ہاتھ میں ہتھکڑی اور گردن میں طوق ہوگی، مظلوم اللہ سے فریاد چاہیں گے اور سردار کی نیکیاں ان کی ترازو میں ڈال دی جائیں گی ——— اے ہارون اللہ سے ڈریئے، یہ ملک کسی ایک کے ہاتھ میں ہمیشہ نہیں رہتا، جس طرح آپ کو دوسرے سے ملا ہے اسی طرح آپ سے دوسرے کو ملے گا۔ آئندہ آپ مجھے خط لکھنے کی زحمت نہ کریں"

واقعہ ہے کہ علم بجائے خود مملکت و سلطنت ہے جو دولت و اقتدار کے آگے نہیں جھکتا

خوشحال طبقہ اور دینی مدارس کے ارباب حل وعقد کی توجّہ کیلئے

دین کے موثر اور جاندار داعی پیدا کرنے کے لئے دینی درسگاہوں میں بڑی تعداد میں ان حضرات کا اپنی اولاد کو تعلیم دلانا ضروری ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مالی حیثیت سے خوشحال بنایا ہے جو تجارت، زراعت یا کسی جائز ذریعہ سے اپنی اولاد کیلئے رزق حلال کی ایسی سبیل رکھتے ہیں جو انہیں سرکاری ملازمتوں سے بے نیاز اور کالج و یونیورسٹی کی ڈگریوں سے مستغنی کردے۔

معاشرے کے خوشحال سربرآوردہ، زمانہ شناس اور مدنیت سے آشنا طبقہ کے نونہال اور نوجوان دینی تعلیم کی طرف متوجہ ہوں تو دین وعلم کو ایسے خادم مل جائیں گے جو یدِ علیا، بلند نظری، عالی ظرفی، وسیع القلبی اور خودداری کی اعلیٰ صفات سے آراستہ ہوکر دین اور علمِ دین کی خدمت بحسن وخوبی انجام دیں گے، قوم ان کی رہنمائی کی ہر لمحہ محتاج ہوگی، وہ قوم کے دست نگر نہ ہوں گے۔

مسلمانوں کے خوشحال طبقہ میں ان لوگوں کی خاصی تعداد ہے جو اپنے قول وعمل سے دین کی ضرورت، اہمیت، برکت کے قائل ہیں، یہ طبقہ علمِ دین کی بقا اور ترویج واشاعت کیلئے دینی مدارس کو کچھ مالی امداد تو دیتا ہے مگر اسے اس سعادت کی توفیق کم ہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی تمام اولاد کو نہ سہی بعض ہی کو دین اور علم کیلئے وقف کردے ـــــ جو خوشحال حضرات اپنے بچوں کی شرارتوں یا ذہنی ودماغی کمزوری اور پڑھنے میں عدم دلچسپی سے عاجز اور تنگ آکر انہیں لئے ہوئے دینی درسگاہوں کا رُخ کرتے ہیں گو کہ وہ ایسا کرنے میں اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ بچوں کے اخلاق وکردار کی درستی اور عقل وشعور کی پختگی صحیح معنی میں دینی درسگاہوں میں ہی حاصل ہوتی ہے مگر یہ طرزِ عمل اچھا نہیں۔ انہیں بچوں کی شرارتوں اور ذہنی کمزوریوں سے عاجز آکر بادلِ ناخواستہ نہیں بلکہ دینی قدروں اور اس کی رفعتوں سے متاثر ہوکر دل کی پوری آمادگی

کے ساتھ دینی درسگاہوں میں داخل کرنا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں دینی مدارس کے اربابِ حل وعقد کی بھی بعض اہم ذمہ داریاں ہیں۔ یہ کہ وہ اپنے حلقہ اثر کے رؤسار اور اپنے عقیدت مند خوشحال مسلمانوں کو ان کی اولاد کی دینی تعلیم کی دعوت و ترغیب دیں اور مالی اعانت کے حصول سے زیادہ دعوتِ حصولِ علم دین کو اہمیت دیں اور ایسے حضرات کی کشش کیلئے تعلیم و تربیت کا بہتر معیار قائم کریں، قیام و طعام اور عمومی نظم و نسق میں حسن و خوبی اور سلیقہ و قرینہ کا اظہار کریں تو یقیناً دینی مدارس کو مستطیع بامقصد و باشعور طلبہ کی خاصی تعداد میسر آجائے گی۔

اس دعوت و ترغیب سے مستقبل میں علمار کی وہ جماعت تیار ہوگی جن کا ذکر ملت کی علمی تاریخ کا زریں ورق ہے۔ جو تاجر تھے، اہلِ حرفہ تھے مگر ان میں سے ہر ایک علم و دین کا مرکز و مرجع، فی سبیل اللہ اس کی ترویج و اشاعت کے جذبے سے سرشار، وقت کے بادشاہوں اور حاکموں سے بے نیاز اور حق گوئی و بے باکی کا نمونہ تھا، ضرورت مندوں کو اپنی طرف سے بخشش و عطا اور داد و دہش علمائے سلف کا شعار تھا، یہ امام ابوحنیفہؒ کا علم و عمل تھا جو امت کو قاضی ابو یوسفؒ جیسا فقیہہ اور "کتاب الخراج" جیسی کتاب عطا کرنے کا ذریعہ بنا۔

غربار کے دم سے دین قائم ہے، یہ بات اپنی جگہ بجا ـــــ مگر ـــــ قابلِ تحسین، اطمینان بخش اور آخرت کی جواب دہی سے نجات دینے والی نہیں ـــــ آخرت میں نعمتوں کے متعلق پرسش ہوگی (ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ) مال اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اس کا وہ انفاق و استعمال جو ابدالآباد تک صدقہ جاریہ، اصلاحِ امت کا ذریعہ اور آئندہ نسلوں کی فلاح و نجات کا وسیلہ بنے وہ یہ ہے کہ صاحبِ ثروت اپنی اولاد کو علمائے دین کے اس گروہ میں شریک کریں جن کا ذکر قرآن مجید میں لِیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ (تاکہ دین کے مسائل میں سمجھ بوجھ پیدا کریں) کے تحت آیا ہے۔

میری یہ آواز
ہر دینی ادارے تک پہنچادی جائے

محترم مولانا محمد تقی امینیؒ سابق ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا شمار ہندوستان کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے، قلم ان کا معیاری ہونے کے ساتھ بڑا شگفتہ ہے، قدیم وجدید پران کی گہری نظر ہے، فقہ اسلامی اور فکرِ جدید ان کا خاص موضوع ہے، متعدد قیمتی کتابوں کے مصنف ہیں، پندرہ روزہ "احتساب" علی گڑھ کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ شعبان (۱۴۰۲ھ) کے موقع پر مشہور دینی درسگاہ "معہدِ ملّت مالیگاؤں" میں ختمِ بخاری شریف کی تقریب منعقد کی گئی تھی جس کی صدارت مولانا امینیؒ نے فرمائی تھی، مولانا نے اپنی صدارتی تقریر میں دینی درس گاہوں اور ملی اداروں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایک خاص پہلو کی طرف توجہ دلائی تھی اور پُرجوش انداز میں فرمایا تھا ——— "میری یہ آواز ہر دینی ادارے تک پہنچادی جائے" ——— واقعہ ہے کہ حالات کی سنگینی اور اس کے خطرناک نتائج کے پیشِ نظر یہ آواز ہر دینی ادارے اور عامۃ المسلمین تک پہنچنی چاہیئے تاکہ وہاں کے ذمہ داران اور منتظمین اس تعلق سے بدلے ہوئے حالات میں نیا لائحۂ عمل مرتب کرکے اُسے جاری کریں۔

مولانا کی دردمندانہ باتیں یہ ہیں:

"آج عرب کا زرِ سیّال فتنہ بن کر ہمارے سامنے آرہا ہے، اس فتنہ کی زد میں مدارس بھی آگئے ہیں، حالات بدل گئے ہیں اور زمانہ کی بہت سی ضرورتیں تبدیل ہوگئی ہیں اور عُلماء کیلئے روزی اور روٹی کا مسئلہ پیچیدہ بن گیا ہے اس لئے باصلاحیت اور ذی استعداد کہاں سے کہاں چلے جارہے ہیں، ان کا میدانِ عمل کیا ہونا چاہیئے تھا اور کیا منتخب کر رہے ہیں، آخر فکرِ معاش میں جب تک ان کو فراغت نہ ہوگی وہ کیسے ریسرچ کریں گے کس طرح تدریس، تصنیف وتالیف، افتاء وتبلیغ اور امامت وخطابت کے

فریضے کو انجام دیں گے؟ اس لئے ان کی ضرورتوں کا تو خیال رکھنا ہی چاہئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا۔ (یعنی فقر اور محتاجی بسا اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے) اس لئے میری یہ آواز ندوۃ العلماء لکھنؤ، امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، دار العلوم دیوبند اور تمام دینی درسگاہوں، ملی اداروں اور مساجد کے ذمہ داروں تک پہنچا دی جائے کہ علماء اور دینی خدمت گذاروں کو خود کفیل بنایا جائے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ انہیں مالدار بنا دو مگر ایک متوسط زندگی کی کفالت کا انتظام تو ہونا چاہیئے، ان کی ہوس کی تکمیل مت کرو مگر ان کی ضرورتوں کی تکمیل کا سامان تو ضرور کرو۔ اگر تم ان کی ضرورتوں کو اپنی ضرورت جیسی نہ سمجھو گے اور انہیں خود کفیل نہ بناؤ گے تو وہ کسی دوسری جگہ سے اپنی ضرورت کی تکمیل کریں گے اور آہستہ آہستہ دینی رجحان کم ہوتا چلا جائے گا اور اس طرح اچھے اور ذہین افراد کی آمد اور کم ہو جائے گی جس کے نتیجہ میں علمی تحقیق اور دینی معیار پست سے پست تر ہوتا چلا جائے گا جس کی ذمہ داری موجودہ ذمہ داروں پر عائد ہوگی۔ آج مدارسِ دینیہ داؤں پر لگ رہے ہیں، زرِ ستیال کا سیلاب جو آج موج کی طرح آ رہا ہے اس سے بڑے خطرات پیدا ہو رہے ہیں، لہذا پانی سر سے اونچا ہونے سے قبل ہی اس سیلاب کا ضرور تدارک کرنا ہوگا۔ ورنہ اچھے اور باصلاحیت علماء اور دینی خدمت گذاروں کا قحط پڑ جائے گا۔"

ہوش و خرد اور تجربہ و مشاہدہ میں آئی ہوئی مذکورہ بالا باتوں پر پوری توجہ دی جائے ورنہ سنگین نتائج کیلئے قوم کو تیار رہنا چاہیئے۔

علماء اور اربابِ مدارس کیلئے
ایک سبق آموز واقعہ

شہر فتح پور (یو، پی) کے حضرت مولانا مولوی حاجی حکیم ظہور الاسلام کو گذرے ہوئے کچھ ایسا زمانہ نہیں ہوا، ابھی ممدوح کے سینکڑوں دیکھنے والے موجود ہوں گے، ندوہ کے اجلاس کے موقعہ پر ان سطور کے راقم کو بھی اپنے لڑکپن میں زیارت نصیب ہوئی تھی، بڑے صاحب علم ہونے کے ساتھ بڑے صاحبِ دل بھی تھے اور تقویٰ اور خوفِ خدا کے ایک پیکرِ مجسّم، شہر میں ایک بار ہیضہ پھیلا اور لوگ چٹ پٹ ہونا شروع ہو گئے، مدرسہ (اسلامیہ فتحپور) میں متعلق دارالاقامہ بھی تھا، اس کا ایک غریب پردیسی لڑکا دور دراز بنگلہ دیش کا رہنے والا بھی مبتلا ہو گیا، اور مولانا کو بھی اس کی خبر ہوئی، بے قرار ہو گئے، ہسپتال بھجوانے کے بجائے خود جا کر مریض کو جھٹ اپنے گھر اٹھا لائے، ہیضہ کا مریض اور وہ بھی کوئی اپنا عزیز نہیں اسے اپنے گھر اٹھا لانا کوئی معمولی بات تھی! موت و ہلاکت کو اپنے یہاں دعوت دینا تھی اور اب خدمت و تیمار داری مولانا نے خود شروع کی، ہیضہ کے مریض کی جو گندی حالتیں ہو سکتی ہیں، ان سب کو تصور میں لے آئیے اور پھر یہ سوچئے کہ مولانا خود اپنے ہاتھ سے دوا پلا رہے ہیں اور خدمت کرتے جاتے ہیں۔ گھر والے ایسے موقع پر ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ مولانا کیا بشر نہ تھے، کوئی فرشتہ تھے؟ مریض کی حالت بگڑتی گئی ادھر مولانا کی گریہ وزاری بھی بڑھتی گئی، بار بار دعائیں اپنے رب اور زندگی و موت دونوں کے خالق سے تھیں کہ اے اللہ اس پر رحم کر، غریب پردیسی ہے، اپنے باپ کا اکلوتا ہے۔

" مالک ہو جو چاہو کرو، قادرِ مطلق ہو جو چاہو کر ڈالو، قانون قدرت تمہارا اپنا بنایا ہوا ہے جب چاہو اسے توڑ سکتے ہو آخر مجھے تو سُرخ رو کرنا ہے۔ یہ بچہ پردیسی ہے، میرے بھروسے پر آیا ہے ماں باپ کا کیا حال ہوگا، اگر یوں مجھ گنہگار کی دعا قبول نہیں کرتے تو میری نذر ہی قبول فرما لو، جان کے بدلے جان حاضر ہے، ایک میرا اپنا بچہ ہے اُسے اس کے عوض میں قبول کر جاؤ، وہ بھی تمہارا، میں بھی تمہارا "

اور یہ بھی سُن لیجئے کہ مولانا کے کئی بچے نہ تھے، کئی بچوں کے گذر جانے کے بعد یہی ایک رہ گیا

سال کی عمر کا زندہ تھا، ماں باپ ہی نہیں، گھر بھر کے ارمانوں کا مرکز ــــــــ ایک محض اجنبی کی خاطر نذر اس جگر کے ٹکڑے کی ہو رہی تھی!

سحر ہو رہی تھی کہ اچانک مکان کے اندر سے کنڈی کھٹکی، معلوم ہوا کہ بچہ پر وبا (ہیضہ) کا حملہ ہو گیا، مولانا اطمینان سے اُٹھ کر اندر گئے، دوا پلائی نفع خاک نہ ہوا، مولیٰ نے بندہ کی نذر قبول کر لی تھی، عبدیت کی کمان سے چھٹا ہوا تیر نشانہ پر پہنچ چکا تھا۔ ادھر وہ پردیسی اچھا ہوتا گیا، یہاں تک کہ مولانا اپنے ہاتھوں جا کر اکلوتے جگر گوشے کو پیوندِ خاک کر آئے۔

ــــــــ (مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ)

مُبارک ہیں وہ لوگ

جو ★ ترقی کے میدان میں ناکامیوں کی پرواہ کئے بغیر قدم بڑھائے چلے جاتے ہیں۔

★ اپنی نیک تدابیر پر اس وقت بھی عمل کرتے ہیں جب زمانہ اُن کا مذاق اُڑاتا ہے۔ اور آخرکار ایسی بلندی پر پہنچ جاتے ہیں کہ دنیا ان کو حیرت سے تکتی ہے۔

★ اپنے دشمنوں کیلئے تباہی کی بجائے ہدایت کی دُعا مانگتے ہیں۔

★ دولتمندی کے نشہ سے مخمور ہو کر اخلاق ہاتھ سے نہیں دیتے۔

★ غریبی میں بھی عقل و ہوش اور خودداری کو قائم رکھتے ہیں۔

★ خطاوار کی خطا معاف کر دیتے ہیں اور ان کی پیشانی پر بَل تک نہیں آتا۔

★ یہ جانتے ہیں کہ سچ بولنے سے ان کی دولت اور عزت کو نقصان کا اندیشہ ہے، پھر بھی جھوٹ نہیں بولتے۔ ــــــــ

★ اپنے قیمتی وقت اور سرمایہ کا ایک حصّہ مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کے لئے وقف کر دیتے ہیں ــــــــ

عُلماء کا اختلاف ——— آپ کیا کریں؟

بہت سے حضرات مسائل میں اختلافِ علماء سے پریشان ہو کر پوچھا کرتے ہیں کہ ہم کدھر جائیں؟ جس کے تہہ میں یہ پوشیدہ ہوتا ہے کہ اب ہم کسی کی نہ سنیں، سب سے آزاد ہو کر جو سمجھ میں آئے کیا کریں اور بظاہر ان کا یہ معصومانہ سوال حق بجانب نظر آتا ہے لیکن ذرا غور فرمائیں تو ان کو اس کا جواب اپنے گرد وپیش کے معاملات میں خود ہی مل جائے گا۔ ایک صاحب بیمار ہوئے، ڈاکٹروں یا حکیموں کی آراء میں تشخیص وتجویز کے بارے میں اختلاف ہو گیا تو وہ کیا کرتے ہیں؟ یہی نا کہ وہ ان ڈاکٹروں، حکیموں کی ڈگریاں معلوم کر کے یا پھر ان کے مطب میں علاج کرانے والے مریضوں سے یا دوسرے اہلِ تجربہ سے دریافت کر کے اپنے علاج کیلئے کسی ایک ڈاکٹر کو متعین کر لیتے ہیں، اسی کی تشخیص وتجویز پر عمل کرتے ہیں مگر دوسرے ڈاکٹروں، حکیموں کو برا بھلا کہتے نہیں پھرتے۔ یہاں کسی کا یہ خیال نہیں ہوتا کہ معالجوں میں اختلاف ہے تو سب کو چھوڑو۔ اپنی آزاد رائے سے جو چاہو کرو۔ کیا یہی طرزِ عمل علماء کے اختلاف کے وقت نہیں کر سکتے۔

یہی فطری اور سہل اصول اختلافِ علماء کے وقت کیوں نہیں اختیار کیا جاتا؟ یہاں ایک بات یہ بھی سن لی جائے کہ بیماری اور مقدمے کے معاملات میں تو اگر آپ نے کسی غلط ڈاکٹر یا غیر معتمد وکیل پر اعتماد کر کے اپنا معاملہ اس کے حوالے کر دیا تو اس کا جو نقصان پہنچتا ہے وہ آپ کو ضرور پہنچے گا۔ مگر علماء کے اختلاف میں اس نقصان کا بھی خطرہ نہیں۔ حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے اگر کسی عالم سے سوال کیا اور اس نے فتویٰ غلط دے دیا تو اس کا گناہ سوال کرنیوالے پر نہیں بلکہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔ شرط یہ ہے کہ سوال اس شخص سے کیا گیا ہو جس کا عالم ہونا آپ نے ایسی ہی تحقیق وجستجو کے ذریعے معلوم کیا ہو جو اچھے معالج اور اچھے وکیل کی تلاش میں آپ کیا کرتے ہیں۔

(مولانا مفتی محمد شفیع صاحب)

حق گوئی و بے باکی

خلیفہ منصور اور اس کی بیوی کے درمیان کچھ اختلاف ہو گیا تھا۔ بیوی کو شکایت تھی کہ خلیفہ اپنی بیویوں کے درمیان عدل نہیں کرتے۔ خلیفہ نے کہا کہ کسی کو ثالث اور منصف بناؤ بیوی نے امام ابو حنیفہؒ (۸۰ ھ ۱۵۰ ھ) کا نام لیا۔ اسی وقت طلبی ہوئی، خلیفہ سامنے تھے، اور ان کی بیوی پردہ کے پیچھے تاکہ ساری کارروائی خود سن سکیں۔

منصور نے امام صاحب سے دریافت کیا کہ شریعت کی رو سے مرد کتنے نکاح کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا چار۔ خلیفہ نے بیوی کو آواز دیتے ہوئے پوچھا کہ تم نے سن لیا؟ بیوی نے کہا، ہاں! ——— اب امام صاحب نے منصور کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: مگر یہ اجازت اسی کے لئے ہے جو عدل کر سکتا ہو اور انصاف پر قادر ہو۔ ورنہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا مناسب نہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے: وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔

منصور خاموش ہو گیا۔ امام صاحب گھر تشریف لائے تو ایک خادم پچاس ہزار درہم لے کر حاضرِ خدمت ہوا کہ خلیفہ کی بیوی نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ کنیز آپ کو سلام کہتی ہے اور آپ کی حق گوئی کے لئے بہت شکر گذار ہے۔

امام صاحب نے روپئے واپس کر دیئے اور خادم سے کہلا بھیجا کہ میں نے جو کچھ کہا وہ فریضۂ منصبی کی ادائیگی تھی، کوئی اور غرض نہیں تھی اسلئے یہ درہم واپس کئے جاتے ہیں۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿
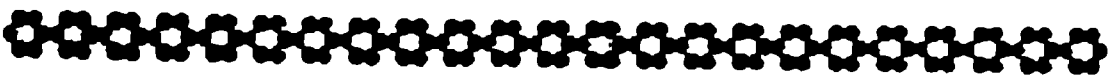
ایک عجیب شیر

مولانا جلال الدین رومیؒ (۶۰۴ھ ———— ۶۷۲ھ) نے اپنی مثنوی میں بہت سارے سبق آموز واقعات لکھے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایران کے مشہور شہر قزوین کے باشندوں کی عادت تھی کہ وہ جسم اور ہاتھ وغیرہ پر شیر اور اسی طرح کے دوسرے ہیبت ناک درندوں کی صورت بلا تکلف بنواتے تھے، ایک قزوینی پہلوان کی خواہش پر جب گودنے والے (دلاک) نے اس کی پیٹھ پر غضب ناک شیر کی شکل بنانی شروع کی تو اسے سخت درد ہوا، چلانے لگا، پوچھا کہ تم کیا بنا رہے ہو؟ دلاک نے کہا شیر۔ اس نے کہا شیر کا کونسا حصہ؟ دلاک نے کہا دُم۔ قزوینی پہلوان نے کہا کہ دُم مت بناؤ۔ خواہ شیر بغیر دُم ہی کا رہے، اس لئے کہ میرا دل سوئی کے زخم سے سست ہونے لگا، یعنی بے ہوشی طاری ہونے لگی ہے۔

دلاک بے دھڑک، بے رعایت اور بے رحمی کے ساتھ دوسری طرف زخم لگانے لگا، پہلوان پھر چلانے لگا کہ یہ شیر کا کونسا حصہ ہے؟ اس نے کہا "کان"۔ اس نے کہا، اے دلاک تو اپنی باتیں کم کر، خبردار اس شیر کے کان نہ ہوں، میں کہے دیتا ہوں کہ تو کانوں کو چھوڑ دے

پھر اس نے دوسری طرف سوئی چبھونا شروع کی تو پہلوان نے پھر چلا کر کہا کہ یہ کیا بنا رہا ہے، اس نے کہا شیر کا پیٹ، پہلوان نے کہا کہ تم پیٹ نہ بناؤ تاکہ میرے جسم کا درد بے انتہا نہ ہو جائے، کیا شیر کیلئے پیٹ ہونا کوئی ضروری ہے؟ رہے یا نہ رہے۔

دلاک بہت متعجب ہوا اور حیران ہو کر دیر تک دانت میں انگلی دبائے رکھا اور آخر میں اس نے سوئی کو زمین پر پٹک دیا اور کہا کیا دنیا میں کسی کو ایسا اتفاق ہوا ہے کہ شیر بغیر کان، دم اور پیٹ کے دیکھا ہو؟ ایسا شیر تو خدا نے خود بھی پیدا نہیں فرمایا ہے:

جس طرح یہ قزوینی پہلوان چاہتا تھا کہ اس کی پیٹھ پر شیر کی شکل بن جائے خواہ اس شیر کے پیٹ، پیٹھ، سر اور دُم رہے نہ رہے اسی طرح آج کل مغربی تہذیب کے دلدادہ یہ چاہتے ہیں کہ خواہ وہ خدا اور رسول صلعم کی باتوں کا استہزاء اور مذاق کریں یا ان کی

شان میں گستاخی و بے ادبی کریں یا انبیا۔ کرام علیہم السلام کو موجودہ زمانے کے سائنسدانوں سے کمتر سمجھیں یا قرآن و حدیث کے قوانین کو موجودہ زمانے کے لئے ناقص کہیں اور جنت کا مذاق اڑائیں یا مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کی باتیں کریں مگر وہ مسلمان بنے رہیں، انہیں کوئی ملحد اور بے دین نہ کہے۔

اِسی طرح وہ نماز نہ پڑھیں، روزہ نہ رکھیں، صاحبِ نصاب ہوکر زکوٰۃ ادا نہ کریں خدا کے گھر کعبہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھ کر حج نہ کریں، رشوت کھائیں، سُود کا لین دین کریں، چغلخوری اور جھوٹ کو مُباح سمجھیں، پڑوسیوں کو اذیت پہنچائیں لیکن وہ نیک اور صالح مسلمان بنے رہیں، انہیں کوئی خدا کا باغی اور سرکش نہ کہے۔

آج اسلام کی کوئی بات طبیعت کے خلاف ہوتی ہے تو اس کو اسی طرح چھوڑ دیا جاتا ہے جس طرح قزوینی پہلوان نے شیر کے ایک ایک حصہ کو چھوڑ دیا تھا۔ حالانکہ مسلمان ہونے کا مطلب طبیعت کو شریعت پر غالب کرنا نہیں ہے بلکہ شریعت کو طبیعت پر غالب کرنا ہے۔ اس دَور میں اس راز کو سب سے زیادہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ایاز قدرِ خود را بشناس!

آپ نے سلطان محمود غزنوی کا نام تو سنا ہی ہوگا، ایاز اسی کا غلام تھا، نیک صالح، مستعد اور فرض شناس ——— ایک اچھا انسان تو اچھی صفات کا قدرداں ہوتا ہی ہے۔ پھر محمود، ایاز کی ان صفات کا قدرداں کیوں نہ ہوتا، وہ اسے چاہتا تھا اور جی جان سے چاہتا تھا، قربِ محبوبیت کا اس نے اسے ایک خاص مقام عطا کیا تھا جس سے درباری وزرار بھی محروم تھے۔ آخر یہ وزرار اسے کیوں کر برداشت کرتے۔ ان کے سینوں میں ایاز کے خلاف رقابت کی آگ سلگتی رہی، بار بار چاہا کہ اس سلسلے میں محمود کے سامنے کچھ حرف مدعا بیان کریں لیکن ہمت نہ ہوئی۔ ایک دن دورانِ اجلاس غیر معمولی جرأت سے کام لیتے ہوئے گویا ہوئے: "بادشاہ سلامت! آپ ایاز کی کیوں اس قدر عزت کرتے ہیں، آخر ہم بھی تو آپ کے نمک خوار ہیں؟"

محمود نے خندہ پیشانی کے ساتھ اس اعتراض کو سنا اور کہا "ختمِ اجلاس پر اس کا جواب دیا جائے گا"

جب اجلاس ختم ہوا اور لوگ جانے لگے تو ایاز نے بھی اپنے کمرے کی راہ لی، محمود ان وزرار کو ساتھ لئے چپکے سے اس کمرے کے پاس کھڑا ہوگیا، اس وقت کمرے کے کھلے ہوئے دریچے اندر کا جو منظر پیش کیا وہ یہ تھا:۔

"ایاز خلعتِ شاہی اتار کر پہلے وقت کے پھٹے پرانے کپڑے پہن لیتا ہے پھر کمرے میں موجود قدِ آدم آئینے کے روبرو آجاتا ہے اور اپنے آپ کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے: "ایاز! تو غرور میں نہ آنا، اپنے ماضی میں جھانک کر دیکھ، یہی وہ لباس ہے جس میں تو غلامی کیا کرتا تھا، ایاز! قدرِ خود را بشناس (ایاز اپنی حقیقت اور قیمت پہچان) آج تم جو شاہی لباس پہنے ہو اور شاہی دربار میں تجھے قدر و منزلت حاصل ہے یہ محض خداوند کریم کا فضل و کرم اور محمود غزنوی کی ذرہ نوازی ہے ورنہ تو کہاں اور کہاں یہ نکہتِ گل۔ ایاز! اپنے آپ کو نہ بھولنا کبھی نہ بھولنا"

ایاز کا یہ روزانہ کا معمول تھا اور محمود اس سے خفیہ طور پر واقف تھا، اس لئے وزرار کے اعتراض کا زبانی جواب دینے کی بجائے ایاز کی وہ ادا ہی انہیں دکھلادی جس سے ان کا دل گھائل ہوا تھا، وزرار یہ دیکھ کر اپنے اعتراض پر جھینپ گئے۔ محمود نے کہا "ایاز کے اسی پاکیزہ اخلاق، اعلیٰ کردار، تواضع و کسرِ نفسی کی وجہ سے اس کی قدر کرتا ہوں اور میرے پاس اس کا ایک بلند مقام ہے"

واقعہ ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے۔ اللہ دنیا میں بھی اسے بلند مقام عطا فرماتے ہیں، پس جس کا جی چاہے اس نسخہ پر عمل کر کے دیکھ لے ———

اسلامی دعوت میں زبان کی اہمیت

یہ ایک حقیقت ہے کہ دوسری زبانوں کا سیکھنا اسلام کی سنت میں شامل ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہلو سے علم حاصل کرنے کی طرف سبقت کی ہے، آپؐ نے اپنے کاتب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سُریانی زبان میں مہارت پیدا کرنے کا حکم دیا، حضرت زیدؓ کا بیان ہے کہ مجھے اللہ کے رسولؐ نے اس کا حکم دیا اور میں نے آپؐ کے حکم کے مطابق سُریانی زبان میں یہودیوں سے خط وکتابت سیکھا، آپؐ نے فرمایا "بخدا میں یہودیوں کے سلسلہ میں مطمئن نہیں ہوں کہ میرے خط کی صحیح املا کریں گے"۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ بخدا نصف مہینہ بھی نہیں گذرا ہوگا کہ میں نے سُریانی زبان میں مہارت حاصل کرلی۔ پھر میں یہودیوں کے پاس آپؐ کی جانب سے خط لکھا کرتا اور ان کی طرف سے آئے ہوئے خطوط کا آپؐ کی جانب سے جواب دیا کرتا تھا۔ (بخاری) بلکہ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیدؓ نے پیغمبری تحریک پر چھ زبانوں میں عبور حاصل کرلیا تھا۔

کون نہیں جانتا کہ اسلام کا پیغام سَاری دنیا کے انسانوں کے لئے ہے، اس لئے مختلف قوموں کی زبانیں سیکھنا اسلام کی دعوتی ضروریات کے نقطۂ نظر سے نہایت اہم ہے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تمام انسانوں کا ایک زبان پر متفق ہونا محال ہے جب کہ زبان کا اختلاف اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ اس لئے تمام انسانوں کا عربی زبان (یا اُردو وغیرہ) کی تعلیم دینے سے زیادہ آسان اور قرین عقل واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات ان تمام زبانوں میں منتقل ہوں جنہیں لوگ بولتے اور سمجھتے ہوں اور مختلف علاقوں کے اعتبار سے وہاں کی بولی جانے والی زبانوں کے ماہرین ائمہ، خطباء اور داعیان ایک منصوبے کے سَاتھ تیار کئے جائیں۔ سورۂ ابراہیم آیت (۴) سے بھی اس کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ بڑی دینی درسگاہوں، ذمہ دار مسلم جماعتوں، مسلم ممالک کے سَربراہوں اور رابطہ عالمِ اسلامی کو اس طرف علی الفور بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ❀❀❀❀

اگر آپ داعی ہیں

اختلافات کی بنیاد ہمیشہ یا تو کسی غلط فہمی یا اپنی ذات کے سلسلہ میں تنگ نظری پر ہوتی ہے اسی لئے اختلافات کو ختم کرنے کا طریقہ ایک داعی کے نزدیک ہمیشہ یہی رہا ہے کہ لوگوں کے سلسلے میں فراخدلی دوسروں کی غلطیوں سے چشم پوشی کرنے کی امتیازی صفت پیدا ہو، بہت پرانا قول ہے: "اپنے بھائی کے لئے ستر عذر تلاش کرو اگر کوئی عذر نہ ملے تو کہو کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس کوئی عذر ہو جو مجھے معلوم نہیں ہے۔"

داعی کے عظیم مقصد پر نظر ڈالتے ہوئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے چشم پوشی کی صفت پیدا کرے جو ایک قافلے کے مسافروں سے سرزد ہوتی رہتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو مخاطب کرکے فرماتا ہے: وَدَعْ أَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ وَكِيلًا (احزاب ۴۸) اور کوئی پروا نہ کرو ان کی اذیت رسانی کی اور بھروسہ کرو اللہ پر اور اللہ ہی اس کیلئے کافی ہے کہ آدمی اپنے معاملات اس کے سپرد کر دے۔

کوئی عقلمند شخص کسی بڑی اور نفع بخش چیز کو اس لئے ختم نہیں کر دیتا ہے کہ اس میں کچھ خرابی آگئی ہے بلکہ سب سے پہلے وہ ان خرابیوں کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ بڑی چیز بیکار نہ ہو جائے، اسی طرح بہترین اور نیک عناصر اس معاشرہ میں بہت کم ہوتے ہیں اس لئے اگر ان سے غلطیاں ہو جائیں تو ایک بڑے نفع کی امید میں انہیں درگذر کر دینا چاہیئے، قرآن میں ہے: فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران آیت ۱۵۹) ترجمہ: ان کے قصور معاف کردو ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو۔

دعوت اسلامی کی یہ خصوصیت ہے کہ اتحاد کو پسند اور افتراق و انتشار کو ناپسند کرتی ہے، محبت کے بیج بوتی اور بغض کی بیخ کنی کرتی ہے، قلیل کو قربان کرتی ہے تاکہ کثیر حاصل کر سکے۔ جو ان چیزوں کو سمجھ کر انہیں عملی جامہ پہنائے گا، صحیح معنوں میں وہی صراطِ مستقیم کا پیرو ہے۔

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا

ایک زمانہ وہ بھی گذرا ہے جب ہماری نگاہوں کے سامنے زندگی کا مقصد اور حیات کا نصب العین تھا تو علم کی طلب میں خشکی کی مسافت اور تری کی ہولنا کی ہماری ہمتوں کو پست اور ہمارے ارادوں کو کمزور نہ کرتی تھی، محدثین نے ایک ایک حدیث کی خاطر مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق تک کی سرزمین کو چھان ڈالا۔

بخارا کا یتیم محمد بن اسماعیل بخاری اپنی بیوہ ماں کی زیر سایہ ترکستان سے عرب جاتا ہے اور واپسی میں عراق، ایران اور خراسان کے ایک ایک مشہور شیخ کی درسگاہ چھان ڈالتا ہے، بیت المقدس کے ایک عالم طاہر (متوفی ۵۰۷ھ) نے طلب علم میں بغداد، مکہ، مدینہ، حلب، اصفہان، مرو، نہاوند، ہمدان، واسط، بسطام وغیرہ شہروں کی خاک چھانی۔ نحو کے مشہور امام ابو علی قاری، پیدا عراق کے شہر دیارِ بکر میں ہوئے، پھر تعلیم کے لئے ملکوں کی سیر کرتے ہوئے بغداد موصل سے چل کر اسپین میں دم لیا اور ۳۵۲ھ میں قرطبہ میں وفات پائی۔ حماسہ کے مشہور شارح شوقِ علم میں پیٹھ پر کتابوں کا پشتارہ باندھے جب پیادہ اپنے وطن سے ابوالعلاء المعری کی خدمت میں شام پہنچے ہیں تو پسینے سے کتابوں کی یہ حالت تھی کہ اس کا ایک ایک ورق دوسرے سے چپک گیا تھا۔

یہ گذشتہ عہد کی داستانِ کہن استخواں فروشی یا دماغی تفریح کیلئے آپ کو نہیں سنائی گئی بلکہ اس سوال کے جواب کے لئے کہ وہ کون سا جذبہ تھا جو طالبِ علموں کو کوچہ کوچہ، شہر شہر اور ملک ملک لئے پھرتا تھا۔ لیکن آج دینی مدارس و مکاتب اور علماء کی کثرت و سہولت کے باوجود ہم اور ہمارے بچے شرابِ علم کی لذت سے محروم ہیں، ہم اس علم کی طرف بھاگے چلے جا رہے ہیں جس سے روزی روٹی کا رشتہ جڑا ہوا ہے اور اس علم کی بنیادی اور ضروری باتوں سے بھی ہم ناواقف ہیں جس سے آخرت وابستہ ہے۔ فکر و نظر کی یہ تبدیلی اور عمل کا یہ انقلاب نہ جانے ہمیں کہاں لے جائے گا؟ اس لئے دعا یہی ہے کہ

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا | وہی جام گردش میں لا ساقیا
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے | دلِ مرتضیٰ سوزِ صدیق دے

نفس کبھی بوڑھا نہیں ہوتا

میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا جس کی عمر (۷۰) سال تھی، اس کا جسم کمزور اور صحت بھی اچھی نہ تھی لیکن وہ شہرت چاہتا تھا، جاہ و منصب کا طالب تھا، عیش و نشاط کی زندگی بسر کرنا چاہتا تھا دولت کا حریص تھا، اس کے ۲۴ گھنٹوں میں شاید ایسا کوئی وقت نہ آتا تھا کہ وہ اپنی آخرت کے متعلق کچھ سوچ سکتا ہو، دنیا اور حصولِ دنیا بس اس کی یہی آرزو تھی اور اس کوشش میں وہ لگا رہتا تھا حد تو یہ ہے کہ اس عمر میں وہ نوجوان لڑکیوں کو گھورتا اور اس کی خواہش تھی کہ کوئی حسین کم عمر لڑکی اس کی بیوی بن جاتی ۔ لطف یہ ہے کہ وہ نمازیں پڑھتا، آخرت پر تقریریں اتنی فراٹے سے کرتا کہ لوگ آخرت کا خیال کرنے والا اس سے بڑھ کر کسی کو نہیں سمجھتے تھے ۔ میں نے بادشاہوں اور رئیسوں کی تاریخ میں ان کے بڑھاپے کی ہوس کاریوں کی داستانیں تو پڑھی تھیں لیکن یہ بوڑھا نہ تو کہیں کا بادشاہ تھا اور نہ رئیس، ریاست کیلئے کوشاں تو ضرور تھا مگر حاصل نہ کر سکا تھا۔

میں یہ سوچتا تھا کہ آخر اس بوڑھے کی حالت ایسی کیوں ہے؟ اب تو اس کے مرنے کے دن قریب ہیں، قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے ہے ۔ اگر کوئی حسین اور کم عمر لڑکی اس کو مل جائے تو یہ کیا کرے گا؟ پھر مجھے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو دعائیں یاد آ گئیں اور ان کی پوری معنویت ذہن میں اتر گئی ۔ ایک دعا کا فقرہ یہ ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ (اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ایسے نفس سے جو آسودہ نہیں ہوتا) شَبَعَ کے معنی صرف شکم سیری کے نہیں ہیں، دراصل ایسے نفس سے پناہ مانگی گئی ہے جو آسودہ نہیں ہوتا، نہ کھانے سے، نہ پینے سے، نہ جاہ و منصب سے اور نہ جنسی بوالہوسی سے ۔

دوسری دعا کا فقرہ یہ ہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ خَیْرَ عُمُرِیْ اٰخِرَہٗ (اے اللہ میری آخری عمر کو بہترین بنا دے)

اور جب میں نے بوڑھے کے بارے میں اپنے قلب و ضمیر سے سوال کیا تو جواب ملا "نفس کبھی بوڑھا نہیں ہوتا"

مولانا احمد عروج قادری

اِن شیطانی کاموں سے پرہیز کیجیے!

از: حضرت مولانا مفتی محمد سہول عثمانی بھاگلپوری، مفتی دار العلوم دیوبند!

اللہ تعالیٰ نے شیطان مَردود کے قول کو نقل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے" شیطان نے (اپنے مردود ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ سے) کہا کہ میں ضرور لیا کروں گا تیرے بندوں سے حصۂ مقررہ اور میں ان کو ضرور گمراہ کیا کروں گا اور ان کو ضرور امیدیں دلاؤں گا اور ان کو سمجھاؤں گا، سو وہ چیرا کریں گے جانوروں کے کان، اور ان کو سمجھاؤں گا تو وہ ضرور بدلا کریں گے اللہ کی بنائی ہوئی شکل وصورت کو" (النساء)

ترجمہ شیخ الہندؒ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ" کافروں کا دستور تھا کہ گائے، بکری، اونٹ کا بچہ بُت کے نام کر دیتے اور اس کا کان چیر کر یا اس کے کان میں نشانی ڈال کر چھوڑ دیتے اور صورت بدلنا جیسے خوجہ کرنا، بدن کو سوئی سے گود کر تِل بنانا یا نیلا داغ دینا یا بچوں کے سر پر چوٹیاں رکھنا کسی کے نام کی، مسلمانوں کو ان کاموں سے بچنا ضروری ہے، ڈاڑھی منڈوانا بھی اسی تغیر میں داخل ہے۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ سے اجازت پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن اعضاء کے جس جس طور سے تغیر وتبدل کی اجازت دی ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، مثلاً سُرمہ لگانا، ختنہ کرنا، ناخن تراشنا، بغل اور زیرِ ناف صاف کرنا، عورتوں کے لئے کان چھیدنا اور مہندی لگانا، مونچھوں کو پست کرنا، جو ڈاڑھی ایک مشت سے زیادہ ہو اس کو بمقدار زائد کاٹنا وغیرہ؛ اور جس کی اجازت نہیں دی ہے اس کو اپنی اصلی ہیئت پر رکھنا ضروری ہے، اس میں تغیر وتبدل شیطانی کام اور حرام ہے۔

مذکورہ بالا وضاحت سے معلوم ہوا کہ ڈاڑھی منڈوانا بھی شیطانی کام ہے، جس سے مسلمانوں کو پرہیز لازمی ہے، ڈاڑھی رکھنا تمام انبیاء کی سنت ہے، فطرت کی پکار ہے، عورت اور مَرد کے درمیان نمایاں امتیاز ہے اور مسلمانوں کے لئے یونیفارم اور شعار بھی۔

(ماہنامہ قاسم العلوم دیوبند، ذوالحجہ ۱۳۵۵ھ)

تقویٰ کیا ہے؟

تقویٰ لفظ وقی (وق ی) سے مشتق ہے، اس کے حسب ذیل معنی ہیں:-

(۱) بچانا (۲) اصلاح کرنا (۳) خیال رکھنا (۴) ڈرنا، خوف کرنا (۵) اللہ کی بڑائی کرنا۔ (۶) بچنا، احتیاط کرنا، پرہیز کرنا (۷) خدا کا خوف اور اس کی فرمانبرداری، بچانے والا۔

تقویٰ کو سمجھنے سے قرآن کی بنیادی تعلیمات کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے، تقویٰ کا ذکر قرآن کریم میں تقریباً ۲۴۲ مرتبہ آیا ہے۔

تقویٰ کیا ہے؟

تقویٰ ایک روشنی ہے جس سے انسان صحیح اور غلط میں تمیز کر سکتا ہے۔

تقویٰ ایک عظیم الشان قلعہ ہے جس میں معصیت کا دخل ممکن نہیں۔

تقویٰ آتشِ ہولناک ہے جس میں عفریت آثم کاغذ کی طرح جل جاتا ہے۔

تقویٰ بحرِ بے کراں ہے جس میں نارِ شہوت اعمیٰ فوراً سرد ہو جاتی ہے۔

تقویٰ سیلابِ زور دار ہے جس میں کشتی بخل و حسد فی الفور غرق ہو جاتی ہے۔

تقویٰ طوفانِ مہیب ہے جس میں چوری اور جھوٹ گرد و غبار بن کر اڑ جاتے ہیں۔

تقویٰ جنّت کی مفتاح مرصع ہے۔

تقویٰ صدق و صفا کا لولوئے آبدار ہے۔

تقویٰ وفا کا خوبصورت پیکر ہے ـــــ تقویٰ صبر و تحمل کا شجرِ سدا بہار ہے۔

تقویٰ امانت و شرافت کا لعلِ درخشاں ہے ـــــ تقویٰ فلکِ اطاعت کا بدرِ منیر ہے۔

تقویٰ اخوت و مروت کا گلِ خوشبودار ہے ـــــ تقویٰ جود و کرم کا محیط ذخار ہے۔

تقویٰ احسان و تعاون کا شیریں ثمر ہے ـــــ تقویٰ امن و سلام کی پرکشش فاختہ ہے۔

تقویٰ نیکی و بھلائی کا ابدی سرچشمہ ہے۔

تقویٰ وہ آفتاب ہے جس سے ساری اچھی صفات طلوع ہوتی ہیں۔

تقویٰ وہ قوت ہے جس کے سامنے دنیا کے سارے اسلحہ جات بے کار ہیں۔
تقویٰ اگر انسان کا رہنما ہو تو پھر فلاح و بہبودی کی منزل قریب تر ہو جاتی ہے۔
تقویٰ ایک عظیم الشان گھنا درخت ہے جس کی بہت ساری شاخیں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں، اور ہر شاخ ایک اچھی اور عمدہ صفت کی حامل ہے۔

لہٰذا ہر انسان کا فرض ہے کہ اس درخت کی ریاضتِ نفس سے خوب آبپاشی کرے تاکہ اس میں زیادہ سے زیادہ شاخیں یعنی اچھی صفات اور عمدہ خصلتیں پیدا ہوں اور اس شجر کی حفاظت اور نگرانی کرتا رہے تاکہ اعدائے تقویٰ یعنی صفاتِ شیطانی اس کی کسی شاخ کو نقصان نہ پہنچائیں۔

تقویٰ پر جو چلے اسے متقی کہتے ہیں، مولانا ابوالکلام آزادؒ نے تقویٰ اور متقی کی تعریف یوں کی ہے:

"زندگی کی تمام باتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ دو طرح کے انسان پائے جاتے ہیں، بعض طبیعتیں محتاط ہوتی ہیں، بعض بے پروا ہوتی ہیں، جن کی طبیعت محتاط ہوتی ہے وہ ہر بات میں سمجھ بوجھ کر قدم اُٹھاتے ہیں، اچھے بُرے، نفع نقصان، نشیب و فراز کا خیال رکھتے ہیں، جس بات میں بُرائی پاتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں، جس بات میں اچھائی دیکھتے ہیں اختیار کر لیتے ہیں، جس حالت کو ہم نے یہاں احتیاط سے تعبیر کیا ہے اس کو قرآن تقویٰ سے تعبیر کرتا ہے۔ متقی یعنی ایسا آدمی جو اپنے فکر و عمل میں بے پرواہ نہیں ہوتا۔ ہر بات کو درستگی کے ساتھ سمجھنے اور کرنے کی کھٹک رکھتا ہے، برائی اور نقصان سے بچنا چاہتا ہے اور اچھائی اور فائدے کی جستجو رکھتا ہے۔" (ترجمان القرآن جلد دوم صہ)

تقویٰ سے متعلق قرآن حکیم میں واضح الفاظ میں یہ حکم موجود ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ۔

(اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جو اس کے تقویٰ کا حق ہے اور جان نہ دینا بجز اس حال کے کہ تم مسلم ہو) ——— (آلِ عمران ۱۰۲)

مطلب یہ ہے کہ جیو تو قانونِ تقویٰ الٰہی کے ماتحت اور مرو تو قانونِ اسلام کے مطیع رہ کر، زندگی اور موت دونوں کی منزلوں سے مسلمان کو اللہ کے تابع فرمان ہو کر ہی گذرنا ہے۔

تمہارے دل کا تقویٰ پہنچتا ہے!

اللہ تعالیٰ کے پاس ان قربانی کے جانوروں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ اس کے پاس تمہاری جانب سے تمہارے دل کا تقویٰ پہنچتا ہے۔

قربانی کے سلسلہ میں اس آیت کریمہ سے ایک بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ خدا کے یہاں جو چیز مطلوب ہے اور جس کی فی الواقع اس کے یہاں قدر ہے وہ قلب متقی (پرہیزگار دل) ہے نہ کہ کسی جانور کا خون بہاکر اس کا گوشت کھانا یا کھلانا۔ جانور کی قربانی دراصل قربانی دینے والے کی ایک اندرونی حالت کا ایک خارجی اظہار ہے کہ ہمیں کوئی تعصب، کوئی دلچسپی، کوئی ذاتی مفاد، کوئی دباؤ اور لالچ، کوئی خوف اور نقصان، غرض کوئی اندر کی کمزوری اور باہر کی طاقت اللہ کے راستے اور تقویٰ و پرہیزگاری کے کام سے ہٹا نہیں سکتی، اس طرح کہ کوئی صورت پیش آجائے تو ہم مالک حقیقی کے نام پر بہ رضا و رغبت اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے آمادہ و تیار ہیں مگر اس کے راستے اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں سے رُخ موڑ سکتے ہیں، نہ اسے چھوڑ سکتے ہیں، گویا دوسرے لفظوں میں ؎

سر کٹا سکتے ہیں لیکن سر جھکا سکتے نہیں

جانور کی قربانی دینے والے کے اندر اگر یہ جذبات نہ ہوں تو اس کا یہ خارجی عمل ایک ایسا سائن بورڈ ہے، جس کے پیچھے کوئی دکان موجود نہ ہو اور جو فرضی طور پر کسی دیوار سے لٹکا دیا گیا ہو۔

توبۃ النصوح

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے حضور توبہ کرو خالص توبہ، امید ہے تمہارا رب تم سے تمہاری برائیاں دُور کردیگا، تمہارے گناہ معاف کردیگا اور تمہیں بہشت میں داخل کریگا ——— سورۃ تحریم آیت ۸)

اس آیتِ کریمہ میں یقیناً ایمانِ حقیقی یعنی ایمان بالقلب کا ذکر کیا جارہا ہے نہ کہ اس قانونی اور موروثی ایمان کا جہاں کلمۂ شہادت پڑھ لینے سے انسان قانونی مسلمان کہلاتا ہے اور جس کا آخرت سے کسی درجہ میں کوئی تعلق نہیں ہوتا، اس کی واضح ترین مثال عبداللہ بن ابی ہے، جس کے جہنمی ہونے کی اطلاع خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ ایمانِ حقیقی تو صرف وہی ہے جس میں ایمان لانے والا ہر خوش نصیب اپنے آپ کو قرآن وسنت کے ہر حکم کے بالفعل تابع کرتا ہے۔ اس سے تو کسی شریف النفس باشعور انسان کو اختلاف نہیں ہوسکتا کہ صرف روٹی روٹی کہتے رہنے سے نہ بھوک مٹتی ہے اور نہ پیٹ بھرتا ہے، اسی لئے روزِاول سے اہلِ علم حضرات پورے شدومد کے ساتھ یہ واضح فرماتے رہے ہیں کہ صرف لفظ توبہ یا توبہ کی کسی آیت یا حدیث کے الفاظ دہراتے رہنے سے نہ ہی تو انسان توبہ کے ثمرات سے بہرہ ور ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے اعمال تغیر دنیا میں کوئی سے واقع ہوتا ہے۔ خالص اور حقیقی توبہ جس کا حکم اللہ رب العزت مذکورہ بالا آیت میں دے رہے ہیں اور جس پر گذشتہ گناہوں کی معافی اور داخلۂ جنت کی بشارت دی جارہی ہے اس کی جامع ترین صورت تو وہی ہے جسے حضرت علیؓ نے توبۃ النصوح کہا ہے۔ توبہ کیا ہے؟ کے جواب میں چھ۶ شرائط بیان کیں:

۱۔ گذشتہ عمل پر انسان ندامت محسوس کرے۔

۲۔ رہے ہوئے فرائض وواجبات کی قضا کرے۔

۳۔ ظلماً حاصل کیا ہوا مال واپس کرے۔

۴۔ جسے قولاً وفعلاً ستایا ہو اس سے معافی مانگے۔

۵۔ آئندہ پہلے والے عمل کو نہ دہرانے کا مصمم ارادہ کرے۔

۶۔ اپنے نفس کو قرآن وسنت کے مطیع کرے ——— یقین کیجئے کہ جس دن امتِ مسلمہ صرف اس ایک آیت پر عمل کرلے گی دَورِ صحابہؓ کی برکات لَوٹ آئیں گی۔

۲ دو دوست اور ان کا انجام

حافظ ابن کثیرؒ نے تفسیر ابن کثیر میں حضرت علیؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ دو دوست مؤمن تھے اور دو کافر۔ مؤمن دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوا اور اسے جنت کی خوشخبری سنائی گئی تو اسے اپنا دوست یاد آیا، اس نے دُعا کی کہ یا اللہ! میرا فلاں دوست مجھے آپ کی اور آپ کے رسولؐ کی اطاعت کی تاکید کرتا بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا تھا اور یہ یاد دلاتا رہتا تھا کہ مجھے ایک دن آپ کے پاس حاضر ہونا ہے، لہٰذا یا اللہ اس کو میرے بعد گمراہ نہ کیجیے گا تاکہ وہ بھی (جنت کے) وہ مناظر دیکھ سکے جو آپ نے مجھے دکھائے ہیں اور آپ جس طرح مجھ سے راضی ہوئے ہیں اسی طرح اس سے بھی راضی ہو جائیں۔

اس دُعا کے جواب میں اس سے کہا جائے گا کہ جاؤ، اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں نے تمہارے اس دوست کیلئے کیا اجر و ثواب رکھا ہے تو تم روؤ کم اور ہنسو زیادہ۔ اس کے بعد جب دوسرے دوست کی وفات ہو گی تو دونوں کی ارواح جمع ہوں گی، باری تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ تم میں سے ہر شخص دوسرے کی تعریف کرے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں یہ کہے گا کہ وہ بہترین بھائی، بہترین ساتھی اور بہترین دوست ہے۔

اس کے برخلاف جب دو کافر دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہو گا اور اسے بتایا جائے گا کہ اس کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو وہ بھی اپنے دوست کو یاد کرے گا، اس وقت وہ یہ دعا کرے گا کہ یا اللہ! میرا فلاں دوست مجھے آپ کی اور آپ کے رسولؐ کی نافرمانی کرنے کا حکم دیتا تھا، برائی کی تاکید کرتا اور بھلائی سے روکتا تھا اور مجھ سے کہا کرتا تھا کہ میں کبھی آپ کے حضور حاضر نہ ہوں گا، لہٰذا یا اللہ! اس کو میرے بعد ہدایت نہ دیجیے گا تاکہ وہ بھی دوزخ کے وہ مناظر دیکھے جو آپ نے مجھے دکھائے ہیں اور آپ جس طرح مجھ سے ناراض ہوئے ہیں اسی طرح اس سے بھی ناراض ہوں۔

اس کے بعد دوسرے دوست کا بھی انتقال ہو جائے گا تو دونوں کی روحیں جمع کی جائیں گی اور ان سے کہا جائیگا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے ساتھی کی برائی کرے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں کہے گا یہ بدترین بھائی، بدترین ساتھی اور بدترین دوست ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۲۴)

اصلاح کا حکیمانہ انداز

ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم کی سند سے نقل کیا ہے کہ ایک اہل شام میں سے بڑا بارعب قوی آدمی تھا اور فاروق اعظمؓ کے پاس آیا کرتا تھا، کچھ عرصہ تک وہ نہ آیا تو فاروقِ اعظمؓ نے لوگوں سے پوچھا، لوگوں نے کہا کہ امیرالمؤمنین اس کا حال نہ پوچھئے، وہ تو شراب میں بدمست رہنے لگا ہے۔ فاروقِ اعظمؓ نے اپنے منشی کو بُلایا اور فرمایا کہ یہ خط لکھو۔

"منجانب عمر بن خطاب بنام فلاں بن فلاں! سلامٌ علیک۔ اس کے بعد میں تمہارے لئے اس اللہ کی حمد پیش کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ گناہوں کو معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنیوالا، سخت عذاب والا، بڑی قدرت والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کی طرف لَوٹ کر جانا ہے۔"

پھر حاضرین مجلس سے فرمایا کہ سب مِل کر اس کے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو پھیر دے اور اس کی توبہ قبول فرمائے، فاروقِ اعظمؓ نے جس قاصد کے ہاتھ یہ خط بھیجا تھا اس کو ہدایت کردی تھی کہ یہ خط اس کو اس وقت تک نہ دے جب تک کہ وہ نشہ سے ہوش میں نہ آئے اور کسی دوسرے کے حوالے نہ کرے، جب اس کے پاس حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ خط پہنچا اور اس نے پڑھا تو بار بار ان کلمات کو پڑھتا اور غور کرتا رہا کہ اس میں مجھے سزا سے ڈرایا بھی گیا ہے اور معاف کرنے کا وعدہ بھی کیا گیا ہے، پھر رونے لگا اور شراب خوری سے باز آگیا، اس نے ایسی توبہ کی کہ پھر اس کے پاس نہ گیا۔

حضرت فاروق اعظمؓ کو جب اس اثر کی خبر ملی تو لوگوں سے فرمایا کہ ایسے معاملات میں تم سب کو ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ کہ جب کوئی بھائی کسی لغزش میں مبتلا ہوجائے تو اس کو درستی پر لانے کی فکر کرو اور اس کو اللہ کی رحمت کا بھروسہ دلاؤ اور اللہ سے اس کے لئے دعا کرو کہ وہ توبہ کرلے اور تم اس کے مقابلہ پر شیطان کے مددگار نہ بنو، یعنی اس کو بُرا بھلا کہہ کر یا غصہ دلا کر دین سے اور دُور کردو گے تو یہ شیطان کی مدد ہوگی۔

چھوٹی بات بڑی تبدیلی!

شراب کا دَور چل رہا تھا اور زاذان نامی ایک مغنّی بربط پر گا رہا تھا عبداللہ بن مسعودؓ کا ادھر سے گذر ہوا، مغنی کی آواز سُن کر فرمایا:
"کیا ہی اچھی آواز ہے، کاش! اس آواز سے قرآن پڑھا جاتا۔"
عبداللہ بن مسعودؓ چلے گئے، مگر زاذان نے ان کی آواز سُن لی تھی، اس نے لوگوں سے پوچھا: "یہ کون شخص تھا؟"
"عبداللہ بن مسعودؓ تھے" لوگوں نے جواب دیا۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر ساتھی۔"
"کیا فرما رہے تھے؟" زاذان نے دریافت کیا۔
"کہتے تھے کتنی اچھی آواز ہے، کاش! اس آواز سے قرآن پڑھا جاتا۔"
یہ سنتے ہی زاذان کی حالت غیر ہو گئی، دل میں ایک ہُوک اٹھی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اٹھا، بربط کو زمین پر مار کر توڑ ڈالا اور پھر دَوڑتا ہوا عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس پہنچا اور ان کے قدموں میں گر کر رونے لگا عبداللہ بن مسعودؓ نے اسے اٹھا کر گلے سے لگالیا اور خود بھی رونے لگے، پھر بولے:
"جس شخص سے خدا محبت کرتا ہے، میں اس کو اپنا دوست کیوں نہ بناؤں۔"
اَب زاذان حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں رہنے لگے، قرآن سیکھا اور دوسرے علوم پڑھے اور ایسا کمال حاصل کیا کہ آج ان کا شمار ائمۂ تابعین کے صفِ اول میں ہوتا ہے۔

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں

انسان ازل سے ہی ایک دوسرے کا گلا کاٹتا آیا ہے، دوسروں کو دھوکا اور فریب دیکر خوش ہوتا ہے اور پھر یہ سوچکر مطمئن بھی ہو جاتا ہے کہ اس نے جو دغا و فریب کیا ہے اسے دیکھنے والا کوئی نہیں مگر خدا جو قادرِ مطلق اور عالم الغیب ہے اس کی نظر سے کچھ پوشیدہ نہیں، ہم ایک دوسرے کا سامان، مال و دولت، زمین، جائداد اور نہ جانے کیا کیا زبردستی فریب دیکر اور دوسری ترکیبوں سے ہتھیا لیتے ہیں مگر اس کا بدلہ ہمیں اس دنیا ہی میں مل جاتا ہے۔ ایسے ہزاروں واقعات تاریخ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

مولانا رومؒ نے ایک اسی قسم کا واقعہ لکھا ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں:

"داؤد علیہ السّلام کے زمانے میں ایک یتیم لڑکا تھا وہ دن بھر اللہ تعالیٰ سے صرف یہ دُعا کرتا رہتا کہ اے اللہ! تو مجھے حلال روزی بھیج، وہ خود تو کچھ کرتا نہیں تھا بس یہی ایک بات دُہراتا رہتا تھا۔ وہ کافی مشہور ہوگیا، لوگوں کے کہنے پر بھی وہ کچھ نہ کرتا صرف حلال روزی ہی کی مانگ اللہ سے کرتا رہتا۔ ایک دن اتفاق سے اس کے یہاں ایک موٹی تازی گائے پہنچی۔ وہ بہت خوش ہوا اور اس گائے کو ذبح کر دیا، اس کا گوشت اس نے خود بھی کھایا اور دوسروں کو بھی تقسیم کیا۔

پھر یہ بات گائے کے مالک کو بھی معلوم ہوگئی وہ بے چارہ لڑکے کے پاس دوڑا ہوا آیا اور اپنی گائے کی قیمت طلب کی۔ مگر لڑکے نے یہ کہہ کر دینے سے انکار کر دیا کہ میں تو ہر روز اللہ سے حلال روزی مانگتا ہوں پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مجھے حرام روزی کھلائے۔

لاچار ہوکر گائے کا مالک حضرت داؤد علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی فریاد ان کے گوش گذار کر دی۔ حضرت داؤد علیہ السّلام نے اس لڑکے کو بلا بھیجا۔ جب لڑکا حاضر ہوا تو آپؑ نے فرمایا:

" اے لڑکے! تو نے اس شخص کی گائے بغیر اجازت کھالی ہے، لہٰذا تجھے اس گائے کی قیمت دینی ہوگی" مگر لڑکے نے مسکرا کر اور مستقل مزاجی سے جواب دیا:

" اے اللہ کے نبی! یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہر روز اللہ سے حلال روزی مانگنے والے کو اللہ حرام روزی بھیجدے، مجھے پورا یقین ہے کہ میں نے حلال روزی ہی کھائی ہے۔"

حضرت داؤد علیہ السلام سوچ میں پڑ گئے، انہوں نے فیصلہ دوسرے دن پر ملتوی کر دیا اور اللہ سے دُعا کی اور پھر اُن پر یہ ظاہر ہو گیا:

دوسرے دن آپؑ نے لڑکے اور گائے والے کو طلب کیا، جب دونوں آگئے تو اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ یہ سُن کر گائے والے کا منہ فق ہونے لگا پھر بھی وہ ان کے ساتھ چلتا رہا۔ وہ ایک جنگل کی طرف جا رہے تھے، جوں جوں جنگل قریب آتا گیا گائے والے کی گھبراہٹ بڑھتی گئی آخر کار آپؑ نے جنگل میں گھُس کر ایک جھاڑی کے درمیان کی مٹی ہٹائی جہاں سے ایک زنگ آلود چھُرا برآمد ہوا۔ دوسری جگہ بھی جھاڑی سے مٹی ہٹائی جہاں سے چند ہڈیاں نکلیں۔ لڑکا سب کچھ دیکھتا رہا۔ گائے والے کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور دوسرا جا رہا تھا۔ پھر آپؑ نے راز فاش کر دیا۔ آپؑ نے فرمایا:

" لڑکے نے حلال روزی ہی کھائی ہے، یہ گائے والا دراصل اس لڑکے کا خادم ہے جب یہ لڑکا بچہ تھا تو اس خادم نے اس کے باپ کو جنگل میں لا کر قتل کر دیا اور چھُرا اور اس کے مُردہ جسم کو یہیں دفن کر دیا، پھر بچّے کو گھر سے باہر نکال دیا اور خود اس کی ساری دولت کا مالک بن بیٹھا۔ اس لئے اس شخص کی ساری دولت بھی اس لڑکے کی ہوئی اور وہ گائے بھی اس کی اپنی تھی۔"

ان کی بات سُن کر سب متعجب ہو گئے اور خادم نے بھی اس بات کی تصدیق کر دی۔

اس واقعہ سے اسماعیل میرٹھی کے اس شعر کی وضاحت ہوتی ہے کہ ؎

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں،
ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

ایک کے بدلے گیارہ

حضرت رابعہ بصریؒ بہت بڑی عارفہ اور ولیہ تھیں، ان کی ایک بڑی خصوصیت ان کا اپنے اللہ کی ذات پر یقین اور توکل تھا۔ ایک مرتبہ اُن کے ہاں بیک وقت دس مہمان آگئے، گھر میں صرف ایک روٹی تھی، اتنے میں دَروازے پر ایک سَوالی آگیا، خادمہ سے کہا کہ وہ روٹی اسے دیدو۔ خادمہ کیلئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی، حضرت رابعہ کا معمول تھا کہ خود بھوکی رہ جاتیں مگر سَائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتیں۔ وہ حیران تھی کہ اِن دس مہمانوں کا کیا ہوگا؟

خاصی دیر گذر گئی، حضرت رابعہؒ مصلیٰ پر بیٹھی تھیں کہ دَروازے پر دستک ہوئی، خادمہ باہر گئی، واپس آکر بتایا کہ ایک شخص کھانا لایا ہے، آپؒ نے پوچھا کتنی روٹیاں لائی ہیں، خادمہ نے کہا "دو" فرمایا اُسے واپس کردو یہ ہمارا کھانا نہیں۔

تھوڑی دیر بعد خادمہ پھر حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ کوئی اور شخص کھانا لایا ہے، دریافت کیا کتنی روٹیاں ہیں؟ خادمہ نے کہا "پانچ" فرمایا اسے بھی واپس کردو، یہ ہمارا کھانا نہیں۔

کچھ وقت اور گذر گیا، اَب ایک تیسرے آدمی نے دستک دی، خادمہ نے آکر بتایا کہ ایک اور شخص کھانا لایا ہے، آپ نے پوچھا کہ کتنی روٹیاں ہیں؟ جواب دیا "گیارہ" فرمایا، ہاں یہ ہمارا کھانا ہے، لے آؤ۔ حضرت رابعہؒ نے دس روٹیاں دس مہمانوں کو دیدیں۔ اور گیارھویں کے دو حصے کئے، ایک حصہ خادمہ کو دیدیا اور دوسرا خود کھایا۔ خادمہ نے دریافت کیا کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ یہ ہمارا کھانا تھا اور وہ پہلے دونوں ہمارے نہ تھے؟

فرمایا "اللہ کا ارشاد ہے کہ میں دنیا میں ایک کے بدلے دس اور آخرت میں ستّر دوں گا۔ میں نے بھی ایک روٹی سَائل کو دے کر اس سے سودا کیا تھا، اللہ کا وعدہ جھوٹا نہیں ہوسکتا چنانچہ پہلا آدمی دو روٹیاں لایا تو میں فوراً سمجھ گئی کہ یہ کسی اور کا کھانا ہے ہمارا نہیں، پھر دوسرا آدمی پانچ روٹیاں لے کر آیا تو وہ بھی ہماری نہ تھیں۔ تیسری مرتبہ کھانا اللہ کے وعدے کے مطابق ملا۔ دس روٹیاں تو میری ایک روٹی کے عوض تھیں اور گیارھویں ہماری اپنی جسے اللہ میاں کو ہمیں واپس کرنا تھی۔" ●●

مُصیبت میں بشر کے جوہر مردانہ کھلتے ہیں

زبیر بن العوام کے بیٹے عُروہ صبر و استقامت کے پیکر مجسّم تھے، بڑی سے بڑی آزمائش اور تکلیف کے موقع پر بھی زبان سے اُف نہ نکلتی تھی، ایک دفعہ خلیفہ عبدالملک کے پاس شام گئے، ان کے لڑکے محمد بھی ساتھ تھے، شاہی اصطبل دیکھنے گئے، ایک گھوڑے نے انہیں پٹک دیا، محمد اسی وقت جان بحق ہو گئے۔ خود ان کے پاؤں میں سخت چوٹ آئی۔ کچھ مدت بعد عُروہ کے پاؤں میں ایک قسم کا زہریلا زخم بن گیا، اطبار نے مشورہ دیا کہ پاؤں کاٹ دیا جائے ورنہ تمام جسم میں زہر پھیلنے کا اندیشہ ہے، اس وقت عُروہ ضعیف ہو چکے تھے لیکن انہوں نے جوانوں سے بڑھ کر ہمت و استقلال سے کام لیا، پاؤں کاٹنے سے پہلے طبیب نے کہا کہ تھوڑی سی شراب پی لیجیے تاکہ تکلیف کا احساس کم ہو، فرمایا جس مرض میں مجھے صحت کی امید ہو اس میں بھی حرام سے مدد نہ لوں گا۔ طبیب نے کہا پھر بے ہوش کر دینے والی دوا ہی استعمال کر لیجئے، فرمایا یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میرے جسم کا ایک عضو کاٹا جائے اور میں اس کی تکلیف محسوس نہ کروں۔

آپریشن کے وقت چند آدمی سنبھالنے آئے تو فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تمہاری مدد کی ضرورت پیش نہ آنے گی اور نہایت استقلال کے ساتھ پاؤں کٹوا دیا۔ پاؤں ٹخنوں سے الگ کیا گیا تو زبان پر تسبیح و تہلیل تھی۔ خون بند کرنے کیلئے داغا گیا تو تکلیف کی شدت سے تڑپ اٹھے اور بے ہوش ہو گئے۔ لیکن جلد ہی ہوش آگیا۔ چہرے کا پسینہ پونچھا اور کٹا ہوا پاؤں منگوایا اور دیکھا اس کو اُلٹا پلٹا اور خطاب فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے تجھ سے میرا بوجھ اُٹھوایا وہ خوب جانتا ہے کہ میں کسی حرام راستے پر گامزن نہیں ہوا۔

ان حوادث اور مصائب کے باوجود زبان شکوہ و شکایت سے آلودہ نہ ہوئی اور ہمیشہ خدا کا شکر ہی ادا کرتی رہی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے: ——————

”خدایا! تیرا شکر ہے کہ تو نے میرے چار ہاتھ پاؤں میں سے ایک ہی لیا اور تین سلامت رکھے۔ اور ایک ہی بیٹے کو لیا اور تین باقی رکھے، تو نے کچھ لیا ہے تو بہت کچھ باقی رکھا ہے۔ اگر کچھ مصیبت میں مبتلا کیا ہے تو بہت دنوں عافیت میں بھی رکھ چکا ہے۔“

●●

گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

سنہ ہجری اور سنہ عیسوی کا ایک سال اور ختم ہوگیا، بچہ جوانی کی جانب اور جوان بڑھاپے کی جانب ایک سال اور کھسک آئے، بچے جوان بوڑھے سب سے موت اور قبر ایک سال اور قریب ہوگئی۔ اور زندے اور مردے سب قیامت اور روز حساب سے بقدر ایک سال کے اور نزدیک ہو گئے، فرصتِ عمر جو عطا ہوئی تھی اس کی مقدار میں ایک سال اور گھٹ گیا۔

"وقت گذر گیا"۔ وقت چلا گیا۔" اس قسم کے فقرے جو آپ رات دن بولتے رہتے ہیں، کبھی آپ نے یہ بھی سوچا کہ وقت گذر جانے سے مفہوم کیا ہوتا ہے اور یہ وقت جو چلا جاتا ہے' سو آخر کہاں جاتا ہے؟ ایک مسلمان کیلئے اس کا جواب کچھ بھی دشوار نہیں۔ اسے شروع ہی سے یہ بتا دیا گیا ہے کہ ہر شئ خدا ہی کی طرف واپس جاتی رہتی ہے بس وقت بھی وہیں جاتا ہے اور ہر سال، ہر مہینہ، ہر ہفتہ، ہر روز، ہر گھنٹہ، ہر لمحہ، غرض وقت کا ہر حصہ وہیں چلا جاتا ہے اور اسی ذخیرۂ غیب میں جمع ہوتا چلا جاتا ہے، اَب جس شئ کو مذہب کی زبان میں قیامت اور روزِ حشر کہا جاتا ہے اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ گذرے ہوئے وقت کی واپسی اور بازگشت کا وقت ہوگا، ہر لمحہ اور ہر دقیقہ جو اس دنیا میں گذر چکا ہے اور جو بطور امانت خزانۂ غیب میں جمع ہوتا چلا جا رہا ہے اس وقت پھر از سرِ نو باہر لایا جائے گا اور ہر "ماضی" کا نقش ایک بار پھر "حال" کے آئینہ میں نمودار ہو جائے گا۔

اَب ارشاد ہو، آپ اس وقت کا سامنا کرنے کو تیار ہیں؟ آج جن چالاکیوں سے آپ دوسروں کا مال اُڑا رہے ہیں، اپنی جن ہوشیاریوں اور دانائیوں پر آج خوش ہو رہے ہیں، زندہ دل رنگین مزاج احباب مجلس کی صحبتوں میں آج جو جو حرکتیں کر رہے ہیں، رات کی اندھیریوں میں آج آپ کو سیہ کاریوں کی مہلت مل رہی ہے، دن کی روشنیوں میں آج آپ اپنی دولت وحکومت کے جو تماشے دیکھ رہے ہیں، گھر کی خلوت میں آپ اپنے ظلم وغضب کا کے جو نمونے پیش کر رہے ہیں، باہر کی جلوت میں آج آپ اپنی جس ریاکاری کی نمائش فرما رہے ہیں ان میں سے ایک ایک شئ وقت کے رجسٹر میں درج ہو رہی ہے، وقت کے کیمرے میں اس کی تصویر اُترتی جا رہی ہے، جس وقت یہ رجسٹر مکمل کر رہے گا، جس وقت یہ مرقع نظر کے سامنے آ کر رہے گا، سوچیے اور سمجھیے کہ اس وقت آپ کے دل پر کیا گذرے گی؟ سنبھلیے کہ ابھی سنبھلنے کا موقع باقی ہے، جاگیے کہ بہت سو چکے، روئیے کہ بہت ہنس

چکے، حاصل کیجئے بہت ضائع کر چکے۔ پچھلا سال اگر بالکل غفلتوں اور نادانیوں کی نذر ہو چکا ہے تو اس سے سبق لیجئے اور دل میں پختہ عہد کیجئے کہ اگر زندگی ہے تو زندگی کا یہ سال بیکار نہ جانے پائے گا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ۝

——————(مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)

دس باتوں کی وصیت

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی:

(۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اگرچہ تم کو قتل کر دیا جائے اور جلا ڈالا جائے۔

(۲) اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو اگرچہ وہ تم کو حکم دیں کہ اپنے اہل وعیال اور مال ومنال چھوڑ کر نکل جاؤ۔

(۳) کبھی ایک فرض نماز بھی قصداً نہ چھوڑو، کیوں کہ جس نے ایک مرتبہ فرض نماز بھی قصداً چھوڑ دی اس کے لئے اللہ کا عہد اور ذمّہ نہیں رہا۔

(۴) ہرگز کبھی شراب نوشی نہ کرو کیوں کہ شراب سارے فواحش کی جڑ ہے۔

(۵) ہر گناہ سے بچو، کیوں کہ گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غصّہ نازل ہوتا ہے۔

(۶) جہاد کے معرکے سے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو اگرچہ کشتوں کے پشتے لگ رہے ہوں۔

(۷) جب تم کسی جگہ لوگوں کے ساتھ رہتے ہو اور وہاں (وبائی مرض کی وجہ سے) موت کا بازار گرم ہو جائے تو تم وہیں جمے رہو۔

(۸) اپنے اہل وعیال پر اپنی استطاعت اور حیثیت کے مطابق خرچ کرو۔

(۹) ان پر ادب سکھانے کیلئے سختی بھی کیا کرو۔

(۱۰) اور ان کو اللہ سے ڈرایا بھی کرو۔

یہ وقت بھی گذر جائے گا

ایک بہت ہی طاقتور بادشاہ تھا، اس نے اپنے دربار میں بہت سے زیرک اور عقلمند آدمی مصاحب کی حیثیت سے رکھ لئے تھے جو مختلف مسائل میں اس کو مشورہ دیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ بہت اُداس تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے اپنے ذہین اور زیرک ترین درباریوں کو جمع کیا اور کہا:

"مجھے نہیں معلوم کہ کیا وجہ ہے؟ لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ میرے ایک ہاتھ کی ایک انگلی میں ایسی انگوٹھی ہو جس کے دیکھتے ہی میں اپنی اصلی حالت میں واپس آجاؤں۔ اگر میں کسی وجہ سے غمگین ہوں تو انگوٹھی دیکھتے ہی اپنا غم بھول جاؤں اور اگر خوشی سے دیوانہ ہو رہا ہوں تو انگوٹھی دیکھتے ہی اپنی حالت پر قابو پالوں"۔

سارے عقل مند یکجا ہو گئے اور سر جوڑ کر اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگے، بالآخر بڑے غور وخوض کے بعد انہوں نے ایک انگوٹھی تیار کی جس پر یہ عبارت درج تھی:

"یہ وقت بھی گذر جائے گا"

انسان دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں ہوتا ہے، یا تو وہ غم اور مصیبت سے دوچار ہوتا ہے یا خوشی اور راحت سے ہم کنار۔ یہ دونوں کیفیتیں اس پر اثر انداز ہوتی ہیں اور اکثر حالت میں اس مرحلہ پر وہ "جادۂ اعتدال" سے دُور جا پڑتا ہے۔ غم اور مصیبت میں وہ مایوس، پست ہمت اور احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔ طبیعت کی جولانی اور ذہن کی جودت ماند پڑ جاتی ہے اور خوشی اور راحت میں وہ عیش و مستی، خود بینی، ناشکری اور خدا فراموشی کی حد میں داخل ہو جاتا ہے۔

اگر اس موقعہ پر انسان اپنے ذہن و دماغ پر یہ احساس طاری کرلے کہ یہ دونوں کیفیتیں عارضی ہیں اور یہ "وقت" گذر جانے والا ہے۔ یہاں تک کہ میں خود اس دنیا سے گذر جاؤں گا۔ تو یقیناً وہ غم و خوشی اور مصیبت و راحت میں "اعتدال" کی روش اختیار کرے گا (یعنی غم اور مصیبت میں صبر اور مسرت و راحت میں شکر)۔ بقولِ شاعر ؎

تو ہی یہ بتا دلِ مضطرب کہ میں سمجھوں اُسکے معتبر ٭ ملی جو بھی شئے ملی عارضی، نہ تو غم رہا، نہ خوشی رہی

اس کے ہنسنے اور رونے میں ایک خاص قسم کی "لطافت" ہوگی جسے حکیم شاعر اکبر الٰہ آبادی نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے ؎

لطافت کو نہ چھوڑے رنگ تیری شادی وغم کا ٭ ہنسی آئے تو پھولوں کی جو رونا ہو تو شبنم کا

یاد رکھئے! یہ دن، یہ رات اور یہ ماہ وسال جن کے مجموعہ کو "وقت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، بہرحال گذرنے والا ہے، ہر آنے والا وقت انسان کو زندگی اور دنیا سے دُور اور موت اور آخرت سے قریب کرتا ہے، آپ جس حالت میں بھی رہیں اس حقیقت پر نگاہ رکھیں۔

ہوش وخرد کی دس باتیں

- آدمی اگر اپنے آپ سے باخبر ہوجائے تو وہ زیادہ بہتر طور پر خدا سے باخبر ہوسکتا ہے۔
- آدمی اگر اپنے آپ کو موت کے کنارے کھڑا ہوا پائے تو وہ زیادہ بہتر طور پر زندگی کا مقام حاصل کرسکتا ہے۔
- آدمی اگر اصلاح کا آغاز اپنے آپ سے کرے تو وہ زیادہ بہتر طور پر دوسروں کی اصلاح کرسکتا ہے۔
- آدمی اگر چھوٹے مقاصد کو اپنا نشانہ بنائے تو وہ زیادہ بہتر طور پر بڑے مقاصد تک پہنچ سکتا ہے۔
- آدمی اگر یہ جان لے کہ اس کو چُپ رہنا چاہیئے تو وہ زیادہ بہتر طور پر بولنے والا بن سکتا ہے۔
- آدمی اگر لڑائی کے میدان سے ہٹ جائے تو وہ زیادہ بہتر طور پر اپنی لڑائی کو جیت سکتا ہے۔
- آدمی اگر اپنی غلطی کا اعتراف کرلے تو وہ زیادہ بہتر طور پر اپنے آپ کو صحیح ثابت کرسکتا ہے۔
- آدمی اگر اپنے جاہل ہونے کا اقرار کرلے تو وہ زیادہ بہتر طور پر اپنے عالم ہونے کا ثبوت دے سکتا ہے۔
- آدمی اگر خود اپنے امکانات کو بروئے کار لانے کے لئے سرگرم ہو تو وہ زیادہ بہتر طور پر اس چیز کو پالے جس کو وہ دوسروں سے مانگ کر پانا چاہتا ہو۔
- آدمی اگر جہنم کے شعلوں کو دیکھ لے تو وہ زیادہ بہتر طور پر جنت کے باغوں کو دیکھ سکتا ہے۔

(ماخوذ)

تراویح کی رکعتیں ـــــــــ ۲۰ یا ۸

امام حسن البنا شہیدؒ (۱۹۰٦ ـــ ۱۹۴۹ء) اونچے پائے کے عالم، مرشد اور مصلح گزرے ہیں، چودھویں صدی ہجری میں اٹھنے والی عظیم تحریک "الاخوان المسلمون" کے بانی ہیں، فقہی اور گروہی اختلافات کے سلسلہ میں ان کا ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک گاؤں میں تقریر کرنے گئے، رمضان کا مہینہ تھا اور گاؤں کے لوگ تراویح کی رکعتوں کے مسئلہ کو لے کر دو حصہ میں تقسیم ہو گئے تھے کہ آیا تراویح کی رکعتیں بیس ہیں یا آٹھ؟ ان کا اختلاف اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ لڑائی جھگڑے کی نوبت آگئی تھی، ہر فریق یہی دعویٰ کر رہا تھا کہ وہی حق و سنت پر ہے۔ مگر جب انہیں حسن البناء کی آمد کا پتہ چلا تو اس نزاعی مسئلہ میں ان کو حکم بنانے پر اتفاق کیا۔ جب یہ مسئلہ امام کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے ان سے سوال کیا کہ نمازِ تراویح کا حکم کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا سنت ہے۔ پھر پوچھا کہ مسلمانوں میں باہمی اخوت اور بھائی چارہ کا کیا حکم ہے؟ جواب ملا کہ یہ ایک دینی فریضہ اور ایمان کا ایک ستون ہے۔ اپنے حکیمانہ سوال کا جواب جب امام نے پالیا تو فرمایا کہ کیا یہ جائز ہو سکتا ہے کہ سنت کی خاطر ایک دینی فرض کو ضائع کر دیا جائے؟ یاد رکھو! اگر تم اخوت اور باہمی اتحاد پر قائم رہو اور پھر تم میں سے ہر شخص آٹھ یا بیس رکعت میں سے جس پر اس کا دل مطمئن ہو پڑھ لے تو اس لڑائی جھگڑے سے کہیں زیادہ بہتر ہوتا۔

اس واقعہ میں ان لوگوں کیلئے عبرت ہے جو ہمیشہ تراویح کی رکعتوں کے بارے میں سوال اٹھاتے رہتے ہیں اور بحث و تحقیق کے کتابی اور مجلسی دائرے کو چھوڑ کر دیواری پوسٹر بازی سے کام لیتے ہیں اور شاید سمجھتے ہیں کہ وقت کا اہم ترین مسئلہ یہی ہے۔

اس زمانہ میں جب کہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ خود اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینے کے لئے ہر طرح کی کوششیں عمل میں لائی جا رہی ہیں اور ہماری نسل مذہب کے بنیادی تصورات سے غافل ہے کیا ہمارے لئے جائز ہوگا کہ ہم اپنی توانائیاں فروعی بحثوں میں ضائع کریں، ضرورت تو اس کی ہے کہ اس وقت مذہب کے مجموعی ڈھانچے اور دین کے مشترکہ اقدار کو پوری قوت سے پیش کیا جائے اور ہم اپنی توجہ اسی اہم تقاضے کی طرف مرکوز کریں ـــــــ ●●

یہ ہے امانت

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ وفات ۱۸۱ھ ایک امیر کبیر کے باغ کی رکھوالی کیا کرتے تھے، ایک روز امیر اپنے باغ میں گیا اور ان سے کہا کہ اے عبداللہ بن مبارک! کوئی میٹھا انار توڑ لاؤ، ابن مبارک ایک انار توڑ لائے، امیر نے اس کو چکھا تو نہایت ترش تھا، کہا کہ کوئی میٹھا انار لاؤ، پھر ایک انار توڑ لائے تو وہ بھی ترش نکلا، کئی مرتبہ انار منگوائے مگر وہ سب ترش نکلے، اس پر امیر نے کہا کہ تم اتنے دن سے اس باغ میں رہتے ہو لیکن یہ بھی خبر نہیں کہ کونسا انار ترش ہے اور کونسا میٹھا؟

ابن مبارک نے جواب دیا کہ جناب آپ کا فرمانا بجا اور درست ہے۔ واقعی میں کئی برس سے اس باغ میں رہتا ہوں لیکن مجبوری اس بات کی ہے کہ میں نے آج تک اس باغ کا ایک دانہ بھی اپنی زبان پر نہیں رکھا جو مجھے شیریں اور ترش پھلوں کا کچھ حال معلوم ہوتا۔

یہ سُن کر وہ امیر سخت متعجب ہوا اور اپنے دل میں کہا کہ اتنا امانت دار آدمی ابھی تک میری نگاہ سے نہیں گذرا، اس سے باغ کی خدمت نہ لینی چاہیئے، یہ تو اس قابل ہے کہ اسے اپنے سر کا تاج بنایا جائے چنانچہ اسی وقت اس کام سے سبکدوش کر کے اپنے ہمراہ لے گیا اور چند روز اپنی مصاحبت میں رکھ کر اپنی دختر کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا، کچھ دن بعد امیر کا انتقال ہو گیا، اس کی یہی ایک دختر تھی جو سارے ترکہ کی وارث ہوئی، اس طرح ابن مبارک ایک رئیس بن گئے، اپنی دیانتداری اور نکوکاری کے صلہ میں ثروتِ دنیا بھی ان کے ہاتھ آئی اور اعزازِ دینی بھی۔

امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے، خدا کی جانب سے انسان کو جو کچھ ملا ہے وہ سب امانت ہے وقت، عمر، صحت، دولت، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں، زبان سب امانت ہیں، ان کا استعمال خدا کی مرضی کے مطابق ہونا چاہیئے، کام یا وقت کی پابندی کے لحاظ سے کہیں کوئی ملازم ہے تو اس کا لحاظ رکھنا بھی امانت ہے۔ عہدہ، منصب، قلم یہ بھی امانت ہے ان کا غلط استعمال خیانت ہے، کسی نے کوئی چیز رکھنے دی ہے تو جوں کا توں واپس کرنا بھی امانت ہے۔

آج بداعتمادی اور خیانت کے عام ماحول میں امانت کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ آخرت کی جوابدہی کا تصور ہی انسان کو امین بناتا ہے ●●

کردار کی عظمت

محدثِ کبیر حضرت امام بخاری کو تحصیلِ علم کے زمانہ میں ایک دفعہ دریا کا سفر پیش آیا۔ ان کے پاس ایک ہزار اشرفیاں تھیں، جہاز میں ایک آدمی ان سے بہت گھل مل گیا، وہ خدمت میں حاضر ہوتا اور حسنِ عقیدت کا اظہار کرتا۔ امام صاحب کو بھی اس آدمی سے ایک گونہ انس ہو گیا، انہوں نے ایک دن اس پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی اشرفیوں کی اطلاع کر دی تاکہ بوقتِ ضرورت یہ اشرفیاں اس کے بھی کام آسکیں۔ لیکن یہ آدمی تھا بڑا مکار اور چالباز۔ اشرفیاں دیکھتے ہی اس کے منہ میں پانی بھر آیا اور کسی طرح ان اشرفیوں کو اپنے قبضہ میں لینے کی ٹھان لی، ایک دن جب وہ سو کر اٹھا تو نہایت زور و شور سے رونے اور چلانے لگا۔ اپنا سر اور کپڑے بھی پھاڑنا شروع کر دیا، لوگ دوڑے اور سبب دریافت کیا۔ مگر بجائے وہ کچھ کہتا اور بھی چیختا چلاتا گیا، لوگوں نے جب بہت اصرار کیا تو بھرائی ہوئی آواز میں اس نے کہا: "میرے پاس ایک ہزار اشرفی کی تھیلی تھی وہ گم ہو گئی"، لوگوں کو اس پر رحم آگیا اور تھیلی کا نشان پتہ پوچھ کر مسافروں کے سامان کی تلاشی شروع کر دی۔

اس سے پہلے کہ تلاشی میں حضرت امام بخاریؒ کی باری آئے انہوں نے چپکے سے اشرفیوں کی تھیلی دریا میں ڈال دی۔ دوسری طرف یہ آدمی امام صاحب کی باری کا بے چینی سے منتظر تھا، اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب امام صاحب کے پاس وہ تھیلی نہیں نکلی جسے دیکھ کر حاصل کرنے کے لئے اس نے یہ چال چلی تھی۔ جب تمام لوگوں کے سامان کی تلاشی لی گئی اور کہیں سے وہ تھیلی نہیں نکلی تو لوگوں نے لعن طعن شروع کر دیا کہ خواہ مخواہ تم نے سب کو پریشان کر دیا۔

جہاز جب ساحل پر لنگر انداز ہوا اور لوگ اتر کر اپنی اپنی منزل کی طرف جانے لگے تو یہ آدمی اترتے ہی امام صاحب کے پیچھے ہو گیا، اس نے امام صاحب سے کچھ دیر کے لئے تنہائی میں ملنے کی خواہش کی، امام صاحب نے اپنی عالی ظرفی سے وقت عنایت فرمایا۔

"آپ نے اشرفیوں کی وہ تھیلی کیا کی؟" تعجب سے اس نے پوچھا۔

"میں نے اسے دریا میں ڈال دیا" امام صاحب نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔
"آپ کے دل نے اتنی خطیر رقم ضائع کرنا کیوں کر گوارا کر لیا؟" اس نے تاسف کے لب و لہجہ میں دوبارہ سوال کیا۔

"تمہاری عقل کو کیا ہوا؟ تم نہیں جانتے کہ میں نے اپنی تمام عمر حدیث کی طلب میں لگائی ہے، میری ثقاہت عالم میں مشہور ہے۔ کیا میرے لئے چوری کا اشتباہ لینا کسی طرح بھی مناسب تھا، جس دولت (ثقاہت) کو میں نے تمام عمر میں حاصل کیا ہے اُسے چند اشرفیوں کے عوض کھو دیتا، امام صاحب نے پورے جوش و اعتماد کے ساتھ اس سے فرمایا۔

بالآخر وہ آدمی خفت و ندامت کی ٹوکری سر پہ لادے ہوئے چلتا بنا مگر امام صاحب اپنے کردار کی عظمت کا نشان رہتی دنیا تک چھوڑ گئے اور اس حقیقتِ حدیث کو سمجھا گئے کہ "اپنے آپ کو تہمت کی جگہ سے بچاؤ۔"

---

۵ پانچ عمل اور ۵ پانچ نتیجے!!

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ کا ہاتھ تھاما اور یہ پانچ باتیں گن کر بتائیں:

۱: اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو سب سے بڑے عابد بن جاؤ گے۔

۲: اللہ نے تمہارے لئے سعی و عمل کے بعد جتنی روزی مقدر فرما دی ہے اس پر راضی اور مطمئن رہو تو سب سے زیادہ غنی بن جاؤ گے۔

۳: اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو تو کامل مومن ہو جاؤ گے۔

۴: دوسروں کیلئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو تو پورے مسلم ہو جاؤ گے۔

۵: زیادہ نہ ہنسو، اس لئے کہ زیادہ ہنسی سے آدمی کا دل مردہ ہو جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

تبلیغی دستر خوان

نواب بہادر یار جنگ (وفات ۱۳۶۴ھ) بڑی خوبیوں اور کمالات کے انسان تھے۔ خطابت میں تو ان کو شہرت حاصل تھی ہی لیکن یہ اپنی دینی فکر اور ملی درد کی وجہ سے بھی کم شہرت یافتہ نہیں تھے، قرآن سے والہانہ شغف تھا اور تبلیغ اسلام کا ان کے اندر بے پناہ جذبہ تھا، اپنے اسی جذبہ کے تحت انہوں نے ۱۹۲۷ء میں "انجمن تبلیغ اسلام" قائم فرمائی، ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہونیوالوں کی تعداد پانچ ہزار بتائی جاتی ہے۔

ایک دفعہ نواب صاحب مرحوم تبلیغ اسلام کیلئے ایک قصبہ میں تشریف لے گئے، چند اچھوتوں کو مشرف باسلام فرمایا اور وہاں کے مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ آئندہ سے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک رہے جو آپس میں ہوتا ہے، کسی طرح کا امتیاز نہ برتا جائے، سبھوں نے وعدہ کرلیا، کچھ عرصہ بعد خبر گیری کیلئے اس قصبہ میں آئے تو نومسلموں نے شکایت کی کہ ہمارے ساتھ مسلمانوں کا سلوک مساویانہ نہیں ہے، سنتے ہی نواب صاحب غصہ سے بھر گئے مسلمانوں کو جمع کیا، خوب ڈانٹ پلائی، اس پر قدیم مسلمان کہنے لگے ہم نومسلموں کو برابر تو سمجھیں گے مگر اپنے دستر خوان پر کھانے نہ دیں گے۔

مرحوم کو اس جملہ سے سخت تکلیف پہنچی، فرمایا: "جب تک تم لوگ ان کے ساتھ کھانا نہ کھالو گے میں ہرگز اس گاؤں سے نہ جاؤں گا اور نہ تمہارا کھانا کھاؤں گا، لوگ کوئی جواب دیئے بغیر چلے گئے اور یہ فاروق اعظم کا شیدائی اپنا مختصر سا بستر لیے قریب ہی ایک درخت کے نیچے فاروقی آرام کا لطف اٹھاتا رہا۔

دو روز اسی حالت میں گذر گئے، تیسرے روز مسلمانوں نے آکر بہت معافی چاہی، عہد کیا کہ آئندہ ان نومسلموں کے ساتھ بالکل اقربا کا سا برتاؤ رکھیں گے، مرحوم کو یقین کیسے ہوسکتا تھا؟ اس کی تدبیر یہ نکالی کہ کھانا پکوایا اور ایک دستر خوان پر ان لوگوں کو اور نومسلموں کو ساتھ ساتھ بٹھایا۔ جب دونوں فریق اپنی اپنی رکابیوں میں کھانا اور سالن لے چکے تو انہیں اچھی طرح ملانے کا حکم دیا۔ پھر اس فریق کی رکابیاں اس فریق کے سامنے رکھ دیں اور فرمایا کہ اب کھاؤ ——— جب انہوں نے بلا تکلف کھالیا تو وہاں سے روانہ ہوئے۔

اس عاشق رسولؐ مبلغ اسلام کے اس تبلیغی دستر خوان کا واقعہ ہم سبھوں کیلئے غور و فکر کا بہت کچھ سامان مہیا کرتا ہے یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کے درمیان نومسلم اور آبائی مسلم کا کوئی فرق روا نہیں رکھتا یہاں نسلی، لسانی اور لونی (باعتبار رنگ) اور جغرافیائی بنیادوں پر امتیاز کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یہاں تو یہ مطلوب ہے کہ ؎ تیرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے ———

امیر کویت کے قصر کا ایک کتبہ

کویت میں موجودہ امیر کویت الشیخ جابر الاحمد الصباح کے کئی قصر ہیں، ایک قصر شہر کویت کے مشرقی جانب سمندر کے کنارے "قصر السیف" کے نام سے مشہور ہے، الشیخ جابر الاحمد کا عملاً آفس یہی ہے، یہیں وہ لوگوں سے ملاقاتیں کرتے، سرکاری کاغذات دیکھتے اور احکام و فرامین جاری کرتے ہیں، اس قصر کو پہلی دفعہ ۱۹۰۴ء میں الشیخ عبداللہ سالم الصباح نے بنایا تھا، اس کے بعد الشیخ سالم المبارک نے ۱۹۱۷ء میں دوبارہ تعمیر و ترمیم کرائی پھر ۱۹۶۱ء میں الشیخ عبداللہ السالم الصباح کے عہد میں مزید تعمیر و ترمیم کا کام ہوا۔

راقم السطور کا جب ادھر سے گذر ہوا تو ایک رفیق اور عزیز نے اس قصر کا تعارف کرایا اور میری توجہ اس جلی کتبہ کی طرف مبذول کرائی جو باب الداخلہ کے اوپر آویزاں ہے، میں نے دیکھا تو اس پر لکھا ہوا تھا" لو دامت لغیرك ما اتصلت الیك" —— اس کتبہ کی معنویت نے تھوڑی دیر کے لئے میرے ذہن کو اپنے گرفت میں لے لیا اور پھر تاریخ کے دریچے سے میں دیکھنے لگا کہ مشہور عباسی خلیفہ ہارون رشید اپنے زمانے کے ایک بزرگ اور بلند پایہ واعظ محمد بن السماک سے درخواست کر رہے ہیں کہ مجھے کچھ نصیحت کیجیے بزرگ کی زبان پر بے ساختہ یہ جملہ آتا ہے" لو دامت لغیرك ما اتصلت الیك " یعنی اگر یہ عالی شان عمارت اور خلافت کا تاج و تخت کسی ایک شخص کے لئے ہمیشہ رہنے والی چیز ہوتی تو تم تک کبھی نہ پہنچتی۔

ہارون الرشید اس جملہ سے غیر معمولی متاثر ہو کر بزرگ محترم سے مزید فرمانے کی خواہش کرتا ہے، تو وہ فرماتے ہیں" ھٰذہٖ قصورھم وتلك قبودھم "، تم سے پیشرو حکمرانوں کے یہ تو محلات ہیں اور وہ سامنے ان کی قبریں ہیں (اس لئے ان محلات میں دادِ عیش دیتے وقت اس انجام سے غافل مت ہو جانا کہ تمہاری منزل بھی قبر ہی ہے)

ہارون الرشید نے چاہا کہ اس معنی خیز اور بلیغ نصیحت کا صلہ مال و زر کی صورت میں پیش کرے، چنانچہ ان سے حاجت دریافت کی تو بزرگ نے نہایت استغناء کے ساتھ فرمایا" ان من اعطاك احق ان یسئل منہ "، یعنی جس نے تم کو تاج و تخت کی دولت سے نوازا ہے میری حاجت روائی کے لئے وہی ذات کافی ہے، تمہارے پاس اپنی کیا چیز ہے جو تم سے مانگی جائے۔

کیا اسی کا نام وفاداری ہے؟

ڈاکٹر حمید بن فلاب مراکشی اور محمد اقبال لبنانی نے تحقیق کے بعد بتایا کہ ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۸ء کے دوران آزادئ تحریر و تقریر کے علمبردار ملک امریکہ نے مخالف اسلام موضوعات پر ۲۵ ہزار کتب، ۲۰۰ ہزار رسائل اور ۶۰ ہزار مضامین شائع کئے اور ۲۵۰۰ فلمیں بنائیں۔ فرانس اور سویڈن جیسے روشن خیال اداروں نے ۱۵ ہزار کتابیں، ۱۲ ہزار رسالے اور ۵۰ ہزار مضامین چھاپے اور تین ہزار فلمیں جاری کیں۔

آہنی پردے کے ممالک روس اور چین دلآزاری کے اس عالمی مقابلہ میں نسبتاً پس ماندہ رہے لیکن اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہاں کی حکومتیں خود بہ نفسِ نفیس مخالفِ اسلام ہیں۔

یہ تو ہوا غیروں کا کام ! ۔ اَب ہمارا کام کیا ہے ؟

سگریٹ کے کش اور چائے کی پیالیوں کے ساتھ ان پر تاسف اور تبصرہ اور خدا پر اپنے غیر متزلزل یقین کا اظہار، کہ دین اللہ تعالیٰ کا ہے اور اللہ بڑی قدرت والا ہے۔ گویا دینداروں پر اظہار دین کی اللہ کی جانب سے کوئی ذمہ داری ہی نہیں، اِلّا ماشاء اللہ۔

ع اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا

اَب ایسے لوگوں کو کوئی کس طرح سمجھائے کہ امتِ مسلمہ کے نصب العین اور وجہ تشکیل کا خلاصہ صلاحِ نفس کے ساتھ اصلاحِ عالم، دین کی دعوتِ عام، اعلاء کلمۃ اللہ اور احیائے سننِ انبیاءؑ ہے۔

امت اسی راستہ سے آگے بڑھی ہے اور اسی لائن سے دنیا کے خطے اس کے تابع فرمان ہوئے ہیں۔

افسوس چائے نوشی، سگریٹ نوشی، سینما بینی، فیشن پرستی اور پُر تکلف، مسرفانہ تقریبات کے لئے تو ہماری آمدنیوں میں باقاعدہ بجٹ ہے اور کافی وقت بھی۔ لیکن غیروں تک دین پہنچانے کیلئے مقصد سے کتابچے وغیرہ بطور تحائف دینے کے معاملہ میں ہم گرانی کے مارے، کثیر اہل وعیال والے اور نہایت عدیم الفرصت۔ دکانوں، دفتروں اور کارخانوں میں برسوں غیر مسلموں کے ساتھ رہتے ہیں مگر اسلام کا تعارف کرانا ہم اپنے لئے عار اور معیوب بات سمجھتے ہیں۔

اَب آپ اپنے دل اور ضمیر سے خود فتویٰ لیجئے کہ کیا اسی کا نام دین سے وفاداری ہے؟

اِن دریچوں سے جھانکتا ہے زوال!

عیسائیوں کا مشہور جنگ باز جرنیل رچرڈ فوج کا ایک ٹڈی دل ساتھ لئے صلاح الدین کے مقابلہ کیلئے نکلا، صلاح الدین ایوبی ان دنوں بیمار تھا اور اس کی ٹانگ میں بال توڑ پھوڑا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے یہ مجاہد بہادر ایک کروٹ پلنگ پر پڑا رہتا تھا۔ معالج نے مکمل آرام کا مشورہ دے رکھا تھا۔ صلاح الدین نے اپنے کمانڈروں کو بلایا اور انہیں رچرڈ کے مقابلہ پر جانے کی ترغیب دی۔ صلاح الدین نے ان سے بات چیت کے بعد جب یہ محسوس کیا کہ میرے بیمار پڑ جانے کی وجہ سے میری فوج کے حوصلے پست ہو گئے ہیں تو اس نے دو جاسوسوں کو طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ رچرڈ کے لشکر کے حالات سے آگاہ کریں، جاسوس حالات کا تفصیلی جائزہ لے کر جب واپس آئے تو انہوں نے خبر دی کہ ہم نے عیسائی لشکر کے خیموں میں دو باتیں خاص طور پر دیکھی ہیں۔ ایک بات یہ دیکھی کہ فوجی شراب و کباب میں مست ہیں اور رنگ رلیاں منا رہے ہیں۔ دوسری بات یہ دیکھی کہ پادری مباحثے میں مصروف ہیں اور آپس میں اس مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیشاب پاخانہ پاک تھا یا ناپاک؟

صلاح الدین ان جاسوسوں کی بات غور سے سنتا رہا اور ایکدم جوش میں آکر کھڑا ہو گیا اور اپنے فوجی جرنیلوں سے مخاطب ہوا "قسم ہے خدا کی! جو قوم اپنے مذہبی پیشوا کے بارے میں بحث و مباحثہ کرتی ہے، خدا تعالیٰ اسے رُسوا کر دیتا ہے عیش پرستی اور ہوس رانی بھی کسی قوم کی ہلاکت کیلئے کافی ہے"۔

یہ کہہ کر اسی تکلیف کی حالت میں اپنی فوج کو لے کر رچرڈ کے مقابلہ میں آگیا اور ایک ہی حملے میں صلیبی فوجوں کے قدم اکھڑ گئے۔

بڑے طبقہ کا نفسانی تعیش اور مذہبی قیادت کا بحث و مباحثہ اور مذہبی جھگڑوں میں الجھنا زوال و بربادی کی علامت ہے اور صلاح الدین نے اس سے فائدہ اُٹھایا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہر دانشور گروہ اپنے مدِمقابل کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے بلکہ کوشش کرتا ہے کہ مدمقابل کو ان دو کمزوریوں میں مبتلا کر دے، اس کام کیلئے حکومتیں بڑی بڑی رقمیں صرف کرتی ہیں اور باقاعدہ پلاننگ کی جاتی ہے، ادارے قائم کئے جاتے ہیں آدمی چھوڑے جاتے ہیں۔ قومیں اگر ان کمزوریوں سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکتیں تو فریقِ مقابل ان کو آسانی سے برباد کر دیتا ہے۔

دین داری کیا ہے؟

بیان کیا جاتا ہے کہ مالوہ کا حاکم سلطان محمود خلجی (م ۱۴۶۹ء) ایک بہادر سپاہی تھا اور ذاتی زندگی میں نہایت شریف اور منصف مزاج تھا، یہ حلال غذا کا بہت زیادہ اہتمام کرتا تھا ۱۴۶۱ء میں اس نے بیدر پر جب حملہ کیا جو نظام شاہ بہمنی کا دار السلطنت تھا تو دورانِ محاصرہ اس کے سامنے ایک مسئلہ یہ آیا کہ اپنے لئے حلال غذا کو کہاں سے حاصل کرے، حلال سبزیوں کا ذخیرہ جو اس کے پاس تھا وہ محاصرہ کے طول پکڑ جانے کی وجہ سے ختم ہو گیا۔

اس مسئلہ کا اسے پہلے سے اندازہ تھا چنانچہ اپنے معمول کے مطابق وہ اپنے ملک سے مٹی اور تختے لے کر گیا تھا، اس نے لکڑی کے تختوں پر مٹی ڈال کر سبزی اُگائی مگر وہ اس کی ضرورتوں کیلئے ناکافی ثابت ہوئی، بالآخر اس نے اس علاقے کے ایک بزرگ مولانا شمس الدین کرمانی کو بلایا، اور ان سے کہا کہ مجھے کسی ایسے شخص کا پتہ بتلائیے جس کے پاس حلال روپے سے خریدی ہوئی زمین ہو اور وہ میرے ہاتھ اس کو فروخت کردے، میں اس کو لیکر اپنے لئے سبزیاں اگاؤں گا، مولانا شمس الدین کرمانی نے جواب دیا: تم نے ایک مسلمان ملک پر حملہ کیا ہے، یہاں آکر تم لوگوں کا خون بہا رہے ہو اور آباد گھروں کو اُجاڑ رہے ہو، حرام سالن سے تو تمہیں بچنے کی اتنی فکر ہے مگر مسلمانوں کے خون سے بچنے کی کوئی فکر نہیں۔ یہ سُن کر سلطان محمود رو پڑا۔

اس واقعہ کو نقل کرکے یہ بتانا مقصود ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی چھوٹی چھوٹی چیزوں میں شریعت کا بہت اہتمام کرتا ہے مگر بڑے بڑے امور میں اس کو خدا کی شریعت کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، وہ ایسے معاملات میں "بال کی کھال" نکالنے کی حد تک مذہبی بنتا ہے جن میں اس کے ذاتی مفادات مجروح نہیں ہوتے جو اس کے دنیوی عزائم میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتے جن میں اسے یہ قیمت نہیں دینی پڑتی کہ دین کی خاطر اپنے ایک مبغوض شخص سے محبت کرے اور اپنے ایک محبوب شخص سے قلبی تعلق ختم کردے۔

خلاصہ یہ کہ جو دین اس کی اپنی زندگی میں خلل نہ ڈالے وہ اس کی پیروی میں بہت آگے ہوتا ہے مگر وہ دین جو اس کی اپنی زندگی سے ٹکرائے جو اس سے "یہ کرو اور وہ نہ کرو" کا مطالبہ کرے، اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

یاد رکھئے ——————! دین داری یہ ہے کہ دین پوری زندگی پر چھا جائے نہ کہ وہ زندگی کا محض ایک وقتی ضمیمہ ہو۔

(ماخوذ)

مریض سے ڈاکٹر کی شفایابی

شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی مشہور عالم ہیں[1]، عربی زبان وادب میں انہیں سند کا درجہ حاصل ہے، ایک زمانہ پہلے وہ ہندوستان میں متعلم اور معلم دونوں حیثیتوں سے رہ چکے ہیں، محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو ان سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ شیخ ہلالی چند سال قبل پیرس گئے ہوئے تھے، وہاں ان کی ملاقات مشہور سرجن ڈاکٹر موریس بوکائی سے ہوئی، شیخ ہلالی نے ڈاکٹر صاحب سے ان کی مشہورِ زمانہ کتاب "التوراۃ والانجیل والقرآن والعلم" کی وجہ تالیف معلوم کی تو ڈاکٹر صاحب نے بڑا دلچسپ جواب دیا جس کی تفصیل ایک جریدہ کے حوالے سے ذیل میں درج ہے:

" ڈاکٹر صاحب نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وہ رسول اللہ صلعم اور قرآن کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھے، جب کوئی سرجری کا محتاج مسلم مریض ان کے پاس آتا تو وہ اس کا علاج کرتے اور علاج کی تکمیل اور مریض کے شفایاب ہو جانے پر اس سے پوچھتے کہ قرآن کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا اسے اللہ نے محمدؐ پر نازل کیا ہے یا وہ محمدؐ کا کلام ہے اور انہوں نے غلط طور پر اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے؟ وہ مجھے جواب دیتا وہ اللہ کی طرف سے ہے اور محمدؐ سچے ہیں لیکن میں اسے کہتا کہ میرا اعتقاد تو یہ ہے کہ نہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور نہ محمدؐ سچے ہیں، اس پر وہ چپ رہتا۔

ایک زمانہ اسی طرح گذر گیا یہاں تک کہ سعودی عرب کے شاہ فیصل بن عبدالعزیز آئے میں نے ان کا بھی علاج کیا اور وہ شفایاب ہو گئے۔ ان سے بھی وہی سوال کیا، انہوں نے کہا کہ قرآن حق ہے اور رسول اللہ صلعم سچے ہیں۔ میں نے کہا مگر میں ان کی سچائی کا قائل نہیں ہوں۔ تو شاہ فیصل نے کہا "کیا آپ نے قرآن پڑھا ہے؟" میں نے کہا "ہاں" کئی بار پڑھا ہے اور غور بھی کیا ہے، بولے آپ نے قرآن اس کی زبان میں پڑھا ہے یا غیر زبان میں؟ میں نے کہا ترجمہ پڑھا ہے تو انہوں نے کہا تب تو آپ ترجمہ نگار کے مقلد ہوئے اور تقلید کرنے والے کو علم نہیں ہوتا۔ وہ حقیقت کو جھانک کر نہیں دیکھتا وہ مترجم سے کوئی بات سنتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے اور مترجم سہواً یا عمداً تحریف سے معصوم نہیں ہوتا اس لئے عہد کیجئے کہ آپ عربی زبان سیکھیں گے اور قرآن کو عربی میں پڑھیں گے،

[1]: اب وہ مرحوم ہو چکے ہیں

ڈاکٹر موریس کا بیان ہے کہ مجھے ان کے اس جواب سے تعجب ہوا اور میں نے کہا کہ آپ سے پہلے بہت سے مسلمانوں سے میں نے یہ سوال کیا مگر جواب آپ کے پاس پایا۔ پھر میں نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیکر یہ عہد کیا کہ اب قرآن یا محمدؐ کے بارے میں کوئی گفتگو اس وقت تک نہ کروں گا جب تک کہ عربی زبان سیکھ کر قرآن نہ پڑھ لوں اور غور نہ کرلوں، چنانچہ اسی دن میں پیرس کی سب بڑی یونیورسٹی گیا اور اس کے شعبۂ عربی کے ایک پروفیسر سے اجرت پر یہ طے کیا کہ وہ روزانہ میرے گھر آکر ایک گھنٹہ مجھے عربی سکھائیں، ہر دن آئیں یہاں تک کہ اتوار کو بھی جو آرام کا دن ہے۔

دو سال تک میرا یہی معمول رہا اور کوئی گھنٹہ نہ چھوڑا، میں نے ان سے (۷۰۰) سبق لئے اور قرآن غور سے پڑھا پھر میں نے پایا کہ قرآن ہی وہ تنہا کتاب ہے جس کے بارے میں علومِ عصریہ سے آگاہ اور واقف کار شخص یہ اعتقاد رکھنے پر مجبور ہے کہ وہ منزّل من اللہ (اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ) ہے۔ نہ اس میں ایک حرف زائد ہے اور نہ کم، رہے توراۃ اور اناجیل اربعہ تو ان میں اس قدر کثرت سے جھوٹ ہے کہ کوئی عصری عالم ان کی تصدیق نہیں کرسکتا؛

شیخ ہلالی سے ڈاکٹر موریس کی گفتگو کا ایک حصہ یہاں ختم ہوتا ہے جس سے ان کی کتاب کی وجہ تالیف معلوم ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ فیصل شہید مرحوم جو ایک مریض کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب کے پاس پہنچے تھے وہ بفضلِ خدا ڈاکٹر صاحب سے جسمانی شفا تو پاگئے مگر اس کے ساتھ وہ اپنی مومنانہ فراست سے ڈاکٹر صاحب کے لئے روحانی شفا کا ذریعہ بنے اور بلاشبہ روحانی شفا جسمانی شفا سے کہیں زیادہ افضل ہے۔

آج ڈاکٹر موریس جیسے بہت سارے لوگ حقیقت کے متلاشی ہیں۔ کاش مومنانہ فراست اور حکمت کے ساتھ ...... دعوت دی جاتی تو وہ اسلام کی حقیقت کو پالیتے اور ان کے لیل و نہار اس یقین کے ساتھ گذرتے کہ قرآن خدا کی آخری اور سچی کتاب ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری اور سچے نبی ہیں، ان دو حقیقتوں کو پانا گویا دنیا کی سب سے بڑی حقیقت کو پالینا ہے۔

وہ خاموش ہوگئے

"آغا! ریش می تراشی؟" (جناب آپ داڑھی تراشتے ہیں؟)

جب ایران کے سفیر کی ملاقات دہلی میں فارسی کے مشہور شاعر مرزا بیدل سے ہوئی تو اس نے حیرت کے ساتھ یہ چبھتا ہوا سوال کیا ——— اس سوال کا پس منظر یہ تھا کہ مرزا بیدل کا کلام ایران تک پہنچا تھا اور اس میں صوفیانہ مضامین دیکھ کر لوگ بیدل کو قطب سمجھنے لگے تھے۔ ایسے کسی بھی قطب کی وضع قطع کا جو عام معیار ہونا چاہئے اس پر بیدل پورے نہیں اتر رہے تھے، کیوں کہ وہ داڑھی تراشتے تھے جس کی وجہ سے ان کی داڑھی خشخشی تھی۔

مرزا بیدل نہایت ذہین اور حاضر جواب تھے۔ اس سوال پر وہ فوراً بولے: "ریش می تراشم ولے دل کسے نمی تراشم" (جی ہاں میں اپنی داڑھی تو ضرور تراشتا ہوں لیکن کسی کا دل نہیں چھیلتا) ——— بظاہر یہ خاموش کر دینے والا جواب تھا، مگر سفیر ایران بھی کافی پڑھا لکھا اور ذہین تھا، اس نے جواب دیا:

"بلے دل رسول اللہ می خراشی" (ہاں مگر آپ اپنے اس عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل ضرور چھیلتے ہیں)

مرزا بیدل اپنی ذہانت اور شاعرانہ جودتِ طبع سے اب بھی کوئی جواب تلاش کر سکتے تھے مگر یہ سنتے ہی وہ خاموش ہو گئے اور غلطی کے احساس سے سر نیچا کر لیا، اس کے بعد گھر گئے تو اس جملہ کا اثر اتنا تھا کہ تین دن تک گھر سے باہر نہیں نکلے۔

واقعہ ہے کہ جو لوگ صحیح سوچ و فکر کے عادی ہوتے ہیں اور حقیقت پسندی ان کی طبیعت میں ہوتی ہے وہ اسی طرح صحیح اور تعمیری تنقید سُن کر خاموش ہو جاتے ہیں، وہ ایسے موقع پر خواہ مخواہ قیل و قال میں پڑنے کی بجائے اپنی غلطی پر نادم اور شرمندہ ہوتے ہیں اور اصلاح کی فکر کرتے ہیں۔

ہم اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہیں تو زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر سطح پر سینکڑوں

برائیاں اور کمزوریاں ہیں جو ہماری زندگی کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں لیکن انجام سے بے خبر ہم اپنی ظاہری حالت میں مست ہیں، کوئی توجہ دلائے اور ہماری کسی کوتاہی کی نشاندہی کرے تو ہم چڑتے ہیں اور ایسے شخص کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے اُسے بُرا بھلا کہتے ہیں ۔

حضرت امام غزالیؒ کا قول ہے کہ "فی الحقیقت وہ میرا دوست نہیں جو میرے منہ پر میری تعریف کرے بلکہ دوست وہ ہے جو میرے سامنے میری برائی بیان کرے اور اصلاحی و تعمیری تنقید کرکے مجھے اپنی زندگی کو بنانے اور سنوارنے کا موقع فراہم کرے ۔"

ایک مشت داڑھی سنت ہے، اس ترکِ سنت پر سفیرِ ایران نے جس بلیغ مگر چبھتے انداز میں بیدلؔ کو تنبیہ کی وہ تو قابلِ توجہ ہے ہی مگر بیدلؔ نے صحیح تنقید سن کر اصلاحِ حال کی طرف توجہ کی اور اس کا احساس اس قدر شدید ہوا کہ تین روز تک گھر سے باہر نہیں نکلے ۔ اس میں بھی ایک بڑا درس ہے ۔

ایک سبق آموز تحریر

"بوئے گل در برگِ گلُ"

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۸۶۳ء—۱۹۴۳ء) بلند پایہ عالم دین اور عظیم مصلح اور مرشد تھے، ان کے مواعظ اور تصانیف سے دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تجدید کا بڑا اونچا کام انجام پایا ہے۔ ان کے ہاتھ پر ہزاروں کی تعداد میں لوگ بیعتِ توبہ کر کے حق اور ہدایت کے راستہ پر گامزن ہوئے ہیں، اس سلسلہ میں ایک دفعہ جب ایک پولیس افسر مولانا کی طرف رجوع ہوئے اور بیعت کی درخواست کی تو مولانا نے ان کے نام ایک تحریر لکھی، یہ تحریر مولانا کا بہترین تعارف کراتی ہے اور "بوئے گل دَر برگِ گل" (پھول کی خوشبو پھول کے پتّے میں) کی ایک اچھی مثال ہے۔ کسی کو دیدۂ عبرت نگاہ حاصل ہو تو اس تحریر سے وہ اپنی شخصیّت اور کردار کو بنانے میں بہت کچھ مَدد لے سکتا ہے:۔

"میں نہ صاحب کرامت ہوں اور نہ صاحبِ کشف، نہ صاحبِ تعریف ہوں اور نہ عامل، صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام پر مطلع کرتا رہتا ہوں اور اپنے دوستوں سے کسی قِسم کا تکلف نہیں کرتا۔ نہ اپنی تعلیم کو اور نہ امورِ دینیہ کے متعلق کسی مشورہ کو چُھپانا چاہتا ہوں۔ عمل کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کرتا البتہ عمل کرتا ہوا دیکھ کر خوش اور عمل سے دُور دیکھ کر رنجیدہ ضرور ہوتا ہوں۔

میں کسی سے نہ کوئی فرمائش کرتا ہوں نہ کسی سے خواہ مخواہ کی سفارش، اس لئے بعض اہلُ الرائے مجھے خشک کہتے ہیں۔ سب سے زیادہ اہتمام مجھ کو اپنے لئے اور اپنے دوستوں کے لئے اس امر کا ہے کہ کسی کو کسی قِسم کی اذیت نہ پہنچائی جائے، خواہ بدنی ہو جیسے مار پیٹ، خواہ مالی ہو جیسے کسی کا حق مار لینا یا ناحق کوئی چیز لے لینا، خواہ آبرو کے متعلق ہو جیسے کسی کی تحقیر، کسی کی غیبت، خواہ نفسانی ہو جیسے کسی کو تشویش میں ڈالنا یا کوئی ناگوار رنجیدہ معاملہ کرنا اور اگر اپنی غلطی سے کوئی ایسی بات ہو جائے تو معافی چاہنے سے عار نہ کرنا، مجھے ان کا اس قدر اہتمام ہے کہ کسی کی وضع خلافِ شرع دیکھ کر تو صرف شکایت ہوتی ہے مگر ان امور میں کوتاہی دیکھ کر بے حد صدمہ ہوتا ہے اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ اس سے نجات دے۔"

جو اَماں ملی تو کہاں ملی

بلخ کا ایک گورنر تھا جس کا چچازاد بھائی بڑی جانفشانی اور قابلیت سے اس کی خدمت انجام دیتا تھا، یکایک اس نے ملازمت ترک کردی اور خدمتِ حق تعالیٰ (یعنی عبادتِ الٰہی) میں مصروف ہوگیا، گورنر نے اسے بُلا بھیجا اور پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا کہ تم نے ہماری ملازمت ترک کردی اور ہم سے دُور ہوگئے؟ ——— مردِ حق نے جواب دیا کہ میں نے آپ کی ملازمت میں پانچ عیب دیکھے اور خدمتِ حق تعالیٰ میں پانچ فضیلتیں پائیں:۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ میں جب آپ کی ملازمت میں تھا تو صبح سے لیکر دوپہر تک آپ کے سامنے پاؤں پر کھڑا رہتا تھا اور آپ ایک دفعہ بھی بیٹھنے کیلئے نہیں کہتے تھے، اب جب کہ میں خدمتِ حق میں مصروف ہوں اور چار رکعت نماز ادا کرتا ہوں تو اس دَوران مجھے اللہ تعالیٰ دُو مرتبہ بیٹھ جانے کے لئے فرماتا ہے ——— دوسرے یہ کہ جب تک آپ پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھا چکتے تھے مجھے کھانا نہیں دیتے تھے، میں اب اس آقا کی پرستش کرتا ہوں جو مجھے کھانا کھلاتا ہے اور خود کبھی کھاتا ہی نہیں ——— تیسرے یہ کہ جب آپ سوتے ہیں تو نگہبانوں کی ایک لمبی فوج آپ کے سرہانے کھڑی اور بے خواب رہتی ہے اور آپ کے بیدار ہونے تک آپ کی نگہبانی کرتی ہے۔ میں اب اس آقا کی عبادت کرتا ہوں جو مجھے سلا کر میرے جاگنے تک میری محافظت کرتا ہے اور خود کبھی نہیں سوتا۔

چوتھے یہ کہ جب میں آپ کا خادم تھا اور قصور کرتا تھا تو معافی کیلئے کسی بادشاہ کی سفارش لانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ اب میں اس مالک کا نوکر ہوں جو میرے توبہ کرنے پر خود ہی میرے بے شمار گناہ معاف کردیتا ہے۔

پانچویں یہ کہ جب میں آپ کی خدمت کرتا تھا تو مجھے کئی دوسروں کی خوشامد کی بھی ضرورت تھی۔ اب میں اس مالک کا بندہ ہوں جو مجھے اپنے سوا کسی دوسرے کی خدمت کرنے ہی نہیں دیتا بلکہ اس نے اپنی مخلوق کو میری خدمت پر لگا دیا ہے۔

توبہ بے چینی کا مفید علاج!

جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ کے شعبۂ علم النفس کے معاون استاذ ڈاکٹر عبدالمنان نے "توبہ اور اس کے نفسیاتی اثرات" کے موضوع پر لیکچر دیتے ہوئے توبہ کے معنی ومفہوم، اس کی حقیقت اور اس کے صحیح دینی تصور کی وضاحت کی اور اس کے نفسیاتی پہلوؤں کو اُجاگر کیا۔

انہوں نے بتایا کہ اسلامی شریعت میں توبہ کے معنی ہیں خدا سے ڈرتے ہوئے گناہوں سے اجتناب، بُرائی کا احساس اور معصیت پر اظہارِ ندامت اور دوبارہ نہ کرنے کا عزم۔

ڈاکٹر عبدالمنان نے توبہ کے نفسیاتی پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہوئے بیان کیا کہ اعترافِ گناہ سکونِ قلب کا موجب ہے۔ کیوں کہ گناہوں کی وجہ سے دِل کو بار اور احساس میں بے چینی پیدا ہو جاتی ہے اور توبہ دل کے بوجھ کو ہلکا کرتا اور احساس میں سکون لاتا ہے۔ توبہ کے اور بھی بے شمار پہلو ہیں جن سے بندۂ مسلم از سرِ نو اپنی شخصیت کی تعمیر کرتا ہے، تزکیۂ نفس اور توجہ الی اللہ کے لئے امید کے دَروازے کھل جاتے ہیں، توبہ کی وجہ سے وہ دِلی راحت محسوس کرتا ہے اور زندگی کے بارے میں نیک شگون رکھتا ہے۔ دَراصل یہ ایمان باللہ اور اتباعِ سنتِ نبویؐ کا لازمی نتیجہ ہے۔

ڈاکٹر عبدالمنان نے اس بات کو زور دے کر کہا کہ:

بندہ جب سچی توبہ کرتا اور اطاعتِ الٰہی کو لازمۂ حیات بنا لیتا ہے تو اس کا دِل پُرسکون اور نفس مطمئن ہو جاتا ہے اور اس گناہ کا احساس زائل ہو جاتا ہے جس سے اس کے دِل میں بے چینی اور شخصیت میں اضطراب پیدا ہوا تھا۔

(عربی اخبار "المدینۃ" سے ترجمہ)

بیت المقدس کی بازیابی کیلئے

مؤثر ہتھیار

اللہ تعالیٰ نے اِس زمین میں اپنی عبادت کے لئے دو جگہوں کو عبادت کرنے والوں کا قبلہ بنایا ہے۔ ایک بیت المقدس، دوسرا بیت اللہ ــــــ مگر قانونِ قدرت دونوں کے لئے الگ الگ ہے، بیت اللہ کی حفاظت اور کفار کا اس پر غالب نہ آنا، یہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لیا ہے۔ اسی کا نتیجہ وہ واقعہ فیل ہے۔ جو قرآن کریم کی سورۃ فیل میں ذکر کیا گیا ہے کہ یمن کے نصرانی بادشاہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تو اللہ تعالیٰ نے مع اس کے ہاتھیوں کی فوج کے بیت اللہ کے قریب تک جانے سے پہلے ہی پرندوں (ابابیل) کے ذریعہ ہلاک و برباد کر دیا۔ لیکن بیت المقدس کے متعلق یہ قانون نہیں، بلکہ بنی اسرائیل کی آیات ۴ تا ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمان گمراہی اور گناہ میں مبتلا ہوں گے تو سزا کے طور پر اُن سے یہ قبلہ بھی چھین لیا جائے گا اور کفار ان پر غالب آجائیں گے۔

یاد رکھیئے! وہ اسلحہ اور ہتھیار جس سے بیت المقدس اور فلسطین پھر مسلمانوں کو واپس مل سکتا ہے، صرف اللہ تعالیٰ کی طرف انابت و رجوع، آخرت پر یقین، احکامِ شرعیہ کی اتباع اپنی معاشرت اور سیاست میں غیروں پر اعتماد اور ان کی نقالی سے اجتناب اور پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے خالص اسلامی اور شرعی جہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے عرب حکمرانوں اور دوسرے مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

(مولانا محمد شفیع صاحبؒ، مفتی اعظم پاکستان)

بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو!

ہارون رشید (۷۶۶ء — ۸۰۹) کی بادشاہت کے زمانے میں ایک دفعہ قحط پڑا، لوگ قدرتی طور پر پریشان نظر آنے لگے، ایک دیہاتی کے دل میں خیال آیا کہ میں اور میرے بچے بھوکے مر رہے ہیں، ایسے شدید مرحلہ پر کیوں نہ بادشاہ کی خدمت میں پہنچ کر اس کے خزانے سے کچھ طلب کیا جائے تاکہ ہماری اصلاح حال ہو اور کچھ نہ کچھ پریشانی دُور ہو ——— جب وہ اس ارادے کے ساتھ آیا تو دیکھا کہ ہارون رشید نماز میں مصروف ہیں، دربان نے کہا ذرا ٹھہر جا۔ یہ دیہاتی بیچارہ ٹھہر گیا، ہارون رشید جب سلام پھیر چکے اور دُعا سے فراغت ہو چکی تو وہ دیہاتی کی طرف متوجہ ہوئے اور آنے کی غرض دریافت کی، دیہاتی نے کہا، یہ تو میں بعد میں بتاؤں گا کہ کیوں آیا ہوں، پہلے آپ یہ بتایئے کہ آپ کیا کر رہے تھے؟ ہارون رشید نے کہا میں اپنے اللہ کے آگے جھک رہا تھا۔ دیہاتی نے پوچھا کہ آپ سے بھی کوئی بڑا ہے؟ جواب دیا کہ مجھ سے بڑے اللہ میاں ہیں، میں ان سے مانگتا ہوں۔ بس دیہاتی یہ سُن کر لوٹ گیا، جب وہ لَوٹ رہا تھا تو معرفت سے بھرے ہوئے یہ الفاظ اس کی زبان پر تھے:

"میں اس سے کیوں نہ مانگوں جس سے آپ مانگ رہے ہیں، جب آپ بھی اس کے محتاج ہیں تو میں محتاج کا محتاج کیوں بنوں"۔ حقیقت یہی ہے کہ سب اللہ تعالیٰ کے سامنے بے بس ہیں، وہی سب کے کام آتا ہے، نہ کوئی کسی کو دے سکتا ہے اور نہ چھین سکتا ہے، وہی دیتا ہے اور اسی کو چھیننے کی قدرت ہے۔ آدمی کو اگر کچھ لینا ہے تو اپنے معاملے کو اللہ سے درست کرلے سب کچھ مل جائے گا، ان سے بگاڑلی تو ملا ملایا بھی چھن جائے گا ——— اس میں کوئی شک نہیں کہ غیر اللہ کے خاشاک کو جلانا اور ایک ہی اللہ سے اپنی تمام ضرورتوں، حاجتوں اور امیدوں کو وابستہ رکھنا یہ مؤمن کی زندگی کی سب سے بڑی پہچان ہے، قرآنِ حکیم کی متعدد آیات اور نبی اکرم صلعم کے بے شمار ارشادات میں اسی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

حکیم الشعراء حضرت امجد حیدر آبادی (۱۸۷۸ء — ۱۹۶۱) نے اس مضمون کو اپنے ان اشعار میں خوب ادا کیا ہے ؎

ہر چیز مسبّب سبب سے مانگو	منت سے خوشامد سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو	بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

جو ہو ذوقِ یقیں پیدا ......

بادشاہ اکبر کے زمانہ میں عمدۃ الملک نظام الدین شہباز خاں (اصلی نام شہر اللہ پیدائش ۹۲۸ھ ـــ وفات ۹۸۸ھ) لاہور کے مشہور امیر الامراء اور اکبری دربار کے رکنِ اعظم اور بڑے بہادر، فاتح اور نامور سپہ سالار تھے۔ اکبری دربار میں جو نت نئے خانہ بر اندازِ شریعت احکام جاری ہوئے، امراء کو ناچار ان کی پابندی کرنی پڑی مثلاً داڑھی منڈانا، کان چھدانا، شراب پینا، مہر میں لفظ مرید کندہ کرانا اور بہت سی خرافات آئینِ دربار کا لازمہ تھیں، مگر لاہور کے اس بہادر خدا پرست شہباز خاں نے بادشاہ سے قرب کے باوجود ان میں سے ایک بات کی بھی پیروی نہ کی اور غیر شرعی مراسم کی تعمیل میں کبھی بادشاہی احکام اور ناخوشی کی پرواہ نہ کی۔

شہباز خاں کے اتباعِ سنت اور اتقاء و پرہیز گاری کے بہت سے واقعات درج ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

ایک دن اکبر نمازِ عصر کے قریب شہباز خاں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے فتحپور سیکری کے تالاب پر چہل قدمی اور ہوا خوری میں مصروف تھا۔ حکیم ابو الفتح اور حکیم علی گیلانی وغیرہ چند امرائے سلطانی کچھ فاصلے پر کھڑے باہم کہہ رہے تھے کہ اگر آج اس شخص کی نماز قضا نہ ہوئی تو جانو پکا دیندار ہے ورنہ ریاکار ـــــــــــ تفریح جاری تھی اور نماز کا وقت اخیر ہونے لگا تھا۔ شہباز خاں نے بادشاہ کے خوف و لحاظ پر خدا کے خوف و لحاظ کو ترجیح دی اور نماز کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے کہا۔ قضا پڑھ لینا وقت تنگ ہوگیا ہے ـــــــــــ انہوں نے اس جملہ سے اندازہ کرلیا کہ بادشاہ نماز نہیں پڑھنے دے گا۔ چنانچہ یکایک بادشاہ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور رومال بچھا کر فوراً نیت باندھ لی۔ مجبوراً بادشاہ خاموش ٹہلنے لگا ـــــــــــ حکیم علی گیلانی اور دوسرے ندمائے سلطانی نے نواب شہباز خاں کی اس حیرت انگیز جرأت و جسارت پر ہزار آفریں کہی۔

نواب شہباز خاں کی شوکت و امارت اور ان کے تقرب سلطانی کو دیکھئے اور پھر اس پر غور کیجئے کہ وہ فانی دنیا کے ان تمام مٹ جانے والے اسباب کو ٹھوکر مار کر اپنے ذوقِ یقیں کی بنیاد پر خدا کی جناب میں حاضر ہوتا ہے اور سرِ نیاز جھکا دیتا ہے۔

اللہ تیرا شکر ہے!

حضرت عُروہ بن زبیرؓ عبدالملک کے پاس گئے ہوئے تھے، ایک روز وہ اپنے لڑکے کو ہمراہ لیکر شاہی اصطبل دیکھنے گئے، لڑکا ایک گھوڑے پر سوار ہوا جس نے اسے پٹخ دیا اور اس کے صدمے سے وہ جاں بحق ہو گیا ——— اس کے بعد ہی عُروہ کے پاؤں میں ایک نہایت زہریلا پھوڑا ہو گیا، اطباء نے کہا "پاؤں کاٹ دینا چاہیئے، ورنہ زہر سارے جسم میں پھیل کر ہلاکت کا باعث ہو گا۔"

حضرت عُروہ نے اپنا پاؤں کٹوانے کیلئے بڑھا دیا۔ طبیب نے کہا "تھوڑی سی شراب پی لیجئے تاکہ تکلیف کا احساس کم ہو" ——— حضرت عُروہ نے یہ کہہ کر جواب دیا "جس مرض میں مجھ کو صحت کی امید بھی ہو، میں اس میں بھی حرام شئے سے مدد نہیں لوں گا۔"

طبیب نے اوزاروں سے پاؤں کاٹ دیا۔ حضرت عُروہ نہایت استقلال سے بیٹھے رہے اور زبان تسبیح وتہلیل میں مشغول رہی۔ جب خون بند کرنے کیلئے زخم کو داغا گیا تو درد کی شدت سے بے ہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو کٹا ہوا پاؤں منگا کر دیکھا اور الٹ پلٹ کر اس سے فرمایا "اس ذات کی قسم جس نے تجھ سے میرا بوجھ اٹھوایا، اس کو خوب معلوم ہے کہ میں تیرے ساتھ کسی حرام راستے پر گامزن نہیں ہوا۔"

عُروہ بیٹے کے انتقال اور پاؤں کٹنے کی مصیبت پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتے اور کہتے:

"اللہ تیرا شکر ہے کہ میرے چار ہاتھ پاؤں میں سے تو نے ایک ہی لیا اور تین باقی رکھے اور چار بیٹوں میں سے ایک ہی لیا اور تین باقی رکھے۔ اگر تو نے کچھ لیا ہے تو بہت کچھ باقی رکھا ہے۔ اگر مصیبت میں مبتلا کیا ہے تو بہت دنوں عافیت میں بھی رکھ چکا ہے۔"

غم اور مصیبت کے طوفان میں ـــ عزم وحوصلے کے چراغ کو ہم جلائے جانا اور یہ سمجھنا کہ ؎

غم میں بھی قانونِ فطرت سے میں کچھ بدظن نہیں ∴ یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے دشمن نہیں

بس یہ ان ہی لوگوں کا کام ہے جو حضرت عروہ بن زبیر کے ذہن وفکر کے حامل ہوں، یہ لوگ اتنے عالی ظرف اور بلند نظر ہوتے ہیں کہ اُن سے کوئی "نعمت" لے لی جاتی ہے تو سوچتے ہیں کہ "جانے والی نعمتوں" کے مقابلے میں بچنے والی خدائی نعمتیں اور عطیات کس قدر زیادہ ہیں ـ یہی سوچ ان کے جذبۂ تشکر کو مہمیز کرتی ہے ●●

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو!

ایک بادشاہ کا ایک بڑا ہوشیار وزیر تھا، اچانک اس نے وزارت اور درباداری کو چھوڑ دیا اور گوشۂ تنہائی میں یادِ خدا میں مشغول ہو گیا۔ ایک دن بادشاہ وزیر کے گھر پہنچا اور دریافت کیا کہ آپ نے مجھ میں کیا غلطی دیکھی کہ وزارت سے آپ دست بردار ہو گئے؟

وزیر نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ پانچ وجوہ ہیں جن کی بنا پر میں... آپ کے دربار کو چھوڑ کر خدا کے دربار میں آگیا ہوں:

○ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ آپ بیٹھے رہتے تھے اور میں آپ کے سامنے کھڑا رہتا تھا، اب میں ایسے خدا کی بندگی کر رہا ہوں جس نے اہم ترین عبادت "نماز" میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے۔

○ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کھانا کھاتے تھے اور میں دیکھتا رہتا تھا، اب میں اس "رزاق" کے حضور آگیا ہوں جو خود نہیں کھاتا اور مجھے کھلاتا ہے۔

○ تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ سوتے تھے اور میں بیدار رہ کر نگہبانی کرتا تھا۔ اب میں اس خدا کی خدمت میں آگیا ہوں جہاں میں خود سوتا ہوں اور وہ میری نگہبانی فرماتا ہے۔

○ چوتھی وجہ یہ ہے کہ میں ہمیشہ ڈرا کرتا تھا کہ اگر آپ مر جائیں گے تو مجھ کو اور میرے اہل و عیال کو دشمنوں سے تکلیف پہنچے گی اور اب میں اس خدا کی پناہ میں آگیا ہوں جو کبھی نہیں مرے گا اور دشمنوں سے ہماری حفاظت کرے گا۔

○ پانچویں وجہ یہ ہے کہ میں آپ سے ڈرتا رہتا تھا کہ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی تو آپ معاف نہیں کریں گے اور اب جس خدا سے تعلق جوڑا ہے وہ ایسا رحیم ہے کہ ہر روز سینکڑوں گناہ کرتا ہوں اور وہ بخش دیتا ہے۔

"فیضانِ سماوی" سے محرومین کے لئے عبرت و نصیحت

جامع ازہر قاہرہ مصر کے سابق شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمودؒ (۱۹۷۸ ء ۱۹۱۰) بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو علم کے ساتھ عمل، ظاہر کے ساتھ باطن اور شریعت کے ساتھ طریقت کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ مشہور امریکی خلاباز پروفیسر جیمز (جو آپالو ۱۵ کے ذریعہ ۱۹۷۱ء میں چاند پر اُترے تھے) قاہرہ آئے تو انہوں نے شیخ مرحوم سے بھی ملاقات کی اور پتھر کا وہ ٹکڑا دکھایا جو چاند سے لائے تھے اور جس کی عمر تین ارب سال بتلائی جاتی ہے، اس موقع پر ان دونوں کے درمیان بڑی دلچسپ اور حقیقت آفریں گفتگو ہوئی، ہم یہ گفتگو ذیل میں نقل کر رہے ہیں :-

جیمز : جب میں چاند پر اُترا تو خدا کے بارے میں میرا عقیدہ اور زیادہ بڑھ گیا۔

شیخ : اگر یہ بات ہے تو آپ اِس حقیقت کا ہر جگہ اور بار بار اعلان کیجئے تاکہ امریکہ اور دوسری جگہوں پر جہاں مادیت کا زیادہ زور ہے لوگوں پر خوشگوار اثر پڑے۔

جیمز : اسلام میں فرد اور مذہب کا کیا رشتہ ہے؟

شیخ : عقیدہ ایک ذاتی چیز ہے، یہ آدمی اور خدا کے درمیان ایک رشتہ ہے، اسی رشتے سے مذہب کا وجود ہے اور مذہبِ اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں اور گوشوں کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے، اسلام میں ہر دَور اور ہر زمانہ کی کامل رہبری کے لئے جامع ہدایات موجود ہیں۔

جیمز : سائنس اور مذہب کے درمیان کیا رشتہ ہے؟

شیخ : سائنس کا تعلق "مادی وجود" سے ہے اور مذہب اس کی جستجو کرتا ہے جو "مادہ" سے "آگے" ہے۔

شیخ : کیا آپ روح پر یقین رکھتے ہیں؟ —— جیمز : ہاں ! لیکن مغرب مادہ پرستی میں اُلجھا ہوا ہے۔

شیخ : ہم چاہتے ہیں کہ سائنس کا استعمال انسانی اقدار اور فلاح کیلئے ہونا چاہیئے، ورنہ سائنس سے جبر و استحصال ہی حاصل ہوگا —— جیمز : بے شک، آپ نے درست فرمایا۔

وہ لوگ جو فیضانِ سماوی سے محروم ہیں یا اپنے آپ کو محروم رکھنا چاہتے ہیں اور جن کے کمالات کی حد بقول اقبالؒ "برق و بخارات" ہے ان کیلئے ان دو ماہرین کی مذکورہ بالا گفتگو میں عبرت و نصیحت کی صدہا موتی موجود ہیں، ایک ندہر ایمان و یقین رکھنے والوں اور مذہب سے رشتہ عزیز رکھنے والوں کو بھی اس گفتگو سے تقویت اور استحکام نصیب ہوتا ہے۔

امّتِ مُسلمہ کا نصب العین

بارگاہِ خداوندی سے امّتِ مسلمہ کو "خیر امّت (بہترین امّت) کا خطاب عطا فرمایا گیا ہے، یہ خطاب اس کے بلند نصب العین کی بنیاد پر ہے جس کا خلاصہ آیات واحادیث کی روشنی میں درج ذیل ہے۔

(۱) معروفات (بھلائیوں) کا حکم کرنا۔ منکرات (برائیوں) سے باز رکھنا، دین کو قائم کرنا اور رکھنا۔ اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کی جدوجہد کرنا امتِ مسلمہ کا فریضہ اور نصب العین ہے۔

(۲) فلاح وبہبود، کامیابی وکامرانی اس فریضہ کی ادائی کے ساتھ وابستہ ہے۔

(۳) اس فریضہ سے غفلت کفر وعصیان اور عدوان کے مترادف ہے جو لوگ اس سے غفلت کریں ان پر انبیاء کے ذریعہ لعنت کی گئی ہے اور قرآن نے اس غفلت کو بدترین جرم قرار دیا ہے۔

(۴) مسلمانوں میں باہمی محبت اور اُلفت اس نصب العین سے وابستگی کی وجہ سے ہے، نصب العین سے جس قدر لگاؤ اور اُنس ہوگا اسی قدر آپس میں اُنس ومحبت بڑھے گی اور آپس میں جس قدر الفت اور یگانگت ہوگی اسی قدر مقصد کے حصول میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا جاسکے گا۔

(۵) اللہ کا دین غالب ہونے ہی کیلئے آیا ہے، پستی، مغلوبیت اور پامالی کیلئے نہیں آیا ہے۔

(۶) اقامتِ دین کا فریضہ تمام امتوں پر عائد کیا گیا ہے، امتِ مسلمہ کیلئے یہ کوئی نیا اور نرالا فریضہ نہیں ہے۔

(۷) خود نیک بن جانا کافی نہیں ہے بلکہ بھلائیوں کو فروغ دینا اور برائیوں سے باز رکھنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے جو لوگ دین سے دور اور دین ناآشنا ہیں انہیں دین سے قریب اور واقف کرانا، دین سے واقف کاروں کا فریضہ ہے۔

(۸) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے سے غفلت عذابِ خداوندی کو دعوت دیتی ہے۔

(۹) شرک اور بت پرستی کی بیخ کنی اور توحید وسنت کی روشنی دنیا میں پھیلانا اسلام کا منشا ہے۔

(۱۰) دین اسلام کے علاوہ تمام نظام ہائے فکر وعمل خواہ وہ جدید نظام ہوں یا قدیم مذاہب سب باطل ہیں۔ اسلام انسان کو انسان کی بندگی بلکہ غیر اللہ کی بندگی سے آزادی دلانے اور صرف اللہ کی بندگی میں لے آنے کے بڑے اٹھاتا ہے۔ ——— امت مسلمہ کے فرد ہونے کی حیثیت سے ضروری ہے کہ آپ اپنے فریضہ اور نصب العین کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور ایک لحہ کیلئے بھی اس کی ادائی میں غفلت اور سستی کو راہ نہ دیں۔

مسلم نوجوانوں کیلئے لمحۂ فکر!

گذشتہ سال (۱۴۰۰ھ) ایک ریٹائرڈ مسلم فوجی افسر سے ایک مسلم صحافی کی ملاقات ہوئی۔ دورانِ گفتگو یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ آخر فوج میں مسلمان اتنے کم کیوں ہیں؟ فوجی افسر کہنے لگے:

"اس کی بنیادی وجہ تو یہ ہے کہ مسلم نوجوان اس طرف راغب ہی نہیں ہوتے۔ وہ پہلے ہی سے سوچ لیتے ہیں کہ ان کے ساتھ تعصب برتا جائے گا، میں سمجھتا ہوں کہ فوج میں اس طرح کا کوئی تعصب نہیں ہے"۔—— یہ سن کر مسلم صحافی نے کہا "بالائی سطح پر تعصب نہیں برتا جاتا لیکن نچلی سطح پر تو ایسا ہوتا ہے"۔ فوجی افسر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا: "اگر ہوتا بھی ہے تو معمولی، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اگر ایک پوسٹ کیلئے ایک غیر مسلم اور ایک مسلم بالکل برابر کی قابلیت کے ہیں تو عام طور پر غیر مسلم ہی کو ترجیح دی جاتی ہے"۔ انہوں نے مزید کہا "مسلمانوں کو فوج ہی کیا زندگی کے ہر میدان میں اپنے کو دوسروں سے زیادہ قابل بنا کر پیش کرنا ہوگا تب ہی ان کو فوج میں اور دوسری سرکاری نوکریوں میں لیا جائے گا اور لیا جائے گا کی بنیاد پر دوسرے شعبوں میں اہمیت دی جائے گی۔ پوری دنیا میں اقلیت کو اکثریت کے مقابلے میں زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے، تب ہی اقلیتی فرقے کے لوگ آگے بڑھ پاتے ہیں، میں خود اتنے بڑے عہدے تک صرف اس لئے پہنچ پایا کہ میں نے ہمیشہ دوسرے افسران سے زیادہ محنت کی۔ فرض شناسی اور ایمانداری سے کام کیا، نتیجہ یہ تھا کہ کسی کو میرے ساتھ تعصب برتنے کی ہمت نہیں ہوئی"۔

اس فوجی افسر کی بات میں مسلم نوجوانوں کے لئے بہت بڑا سبق ہے۔ آپ دنیا کی کسی بھی اقلیت پر نظر ڈالئے۔ اس کو شروع میں کچلا گیا، اس کے ساتھ تعصب برتا گیا، اس کی راہ میں روڑے اٹکائے گئے—— لیکن جب اس اقلیتی فرقے کے لوگوں کو یہ احساس ہوگیا کہ وہ صرف اور صرف اپنی صلاحیتوں سے اپنے لئے ایک باعزت مقام حاصل کر سکتے ہیں تو انہوں نے دوسروں سے زیادہ محنت کی۔ مثال میں یورپ کے ممالک میں یہودیوں اور ہندوستان میں پارسیوں، سکھوں، جینیوں کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

اب ملک کو تقسیم ہوئے تقریباً پینتیس برس ہو رہے ہیں اب بھی مسلمانوں کو اس بات کو پوری طرح

سے محسوس کرنا چاہیئے کہ ہندوستان میں ان کی حیثیت دوسری بڑی اکثریت کی سہی مگر یہ اکثریت اور جمہوریت میں مقابلتاً اقلیت ہی ہے اور کسی بھی ملک کی اقلیت، محنت اور صلاحیت ہی کی بنیاد پر آگے بڑھی ہے، اور اسی راہ سے اُسے عزت کا مقام حاصل ہوا ہے۔

جیسے جیسے ہندوستانی مسلمان اور مسلم نوجوان اس بات کی اہمیت کو سمجھیں گے اور اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کا استعمال شروع کریں گے ویسے ویسے ان کی ترقی کے دروازے کھلتے جائیں گے اور جب تک وہ صرف تعصب کا دُکھڑا روتے رہیں گے وہ پستی کے دلدل میں دھنستے چلے جائیں گے، کیوں کہ یہاں تعصب کی جڑ اتنی مضبوط اور گہری ہے کہ اسے کسی قانون سے کاٹا نہیں جاسکتا۔ ہم اپنے علم، صلاحیت، محنت اور فرض شناسی ہی سے تعصب کی کاٹ کرسکتے ہیں اور ہر میدان میں غیروں سے اپنی برتری کا لوہا منواسکتے ہیں۔ مسلم نوجوان اور مسلمانوں کو لہو ولعب، سیر و تفریح اور جمود و تعطل سے باز رکھ کر زندگی کے ٹھوس اور بنیادی حقائق کی طرف پوری سرگرمی اور خلوصِ دل کے ساتھ متوجہ ہونا چاہیئے۔

بیٹی کو ماں کی نصیحت!

اے میری بچی! میں تمہیں شادی کی حکمتِ عملیوں کی تعلیم دینا چاہتی ہوں۔ شادی ہوجانے کے بعد تمہیں اپنے رکھ رکھاؤ اور طور طریقوں کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی ہوگی، تمہیں ہر کام بہتر سے بہتر طریقے پر کرنا ہوگا، شوہر کے گھر کو اپنا گھر سمجھنا ہوگا۔ اس کے ماں باپ اور بھائی بہن کو اپنے ماں باپ اور بھائی بہن کا درجہ دینا ہوگا۔ شوہر کے گھر والوں کے دل کو محبت اور خدمت سے ہی تم جیت سکتی ہو، گھر کی کسی خدمت اور کام کو عار نہ جاننا۔ ہر کام میں صلہ و ستائش سے بے نیاز ہوکر دیورانی، جٹھانی اور نند سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنا اور کبھی اس کو احسان کے طور پر مت جتلانا۔

میری پیاری بیٹی! اگر تمہارا شوہر باہر سے گھر آئے تو تمہیں میٹھی مسکراہٹ سے اسے سلام کرنا چاہیئے، سلیقہ کے ساتھ اس کے سامنے کھانا لاکر رکھنا چاہیئے، ہر وقت اس کے کھانے پینے کی چیزوں کا خیال

رکھو اور انہیں ہر وقت مہیا رکھو، شوہر کے مزاج اور جذبات کی پوری رعایت رکھو اور اس پر اپنی پوری وفاداری کا عکس ڈالو، تمہیں اس سے ہمیشہ شیریں کلامی سے پیش آنا چاہیئے، دوسروں کے سامنے اس کی عزت کرنی چاہیئے، مجلس میں اس کا اعزاز کرنا چاہیئے، تمہیں ظاہر اور باطن میں اس کا مخلص ہونا چاہیئے، تمہیں اس سے کسی حالت میں منافقت اور دوغلاپن نہیں برتنا چاہیئے۔ تم پورے طور پر اس کے تصرف میں ہو اس کے مال اور سامان کی حفاظت کرنی چاہیئے، ناگزیر صورت میں گھر سے باہر جانا ہو تو اس سے اجازت لے کر پردہ کے ساتھ جاؤ، شوہر کی کوئی بات یا عمل ناگوار ہو تو اسے ایسے وقت بیان کرو جب وہ مسرور اور ہشاش بشاش ہو، کوئی تلخ بات ہو تو مذاق کے پیرایہ میں حرفِ مطلب زبان پر لاؤ تاکہ وہ بُرا محسوس نہ کرے۔

اے میری نورِ نظر! دیور اور جیٹھ سے بے تکلفی اور ہنسی مذاق کبھی مت کرنا، اگر کسی سواری میں سوار ہونے کا اتفاق ہو تو کسی دوسرے آدمی کے ساتھ مت بیٹھنا، کیوں کہ اگر تم نے ایسا کیا اور تمہارا لباس اس سے چھو گیا تو تم نے قرآنی تعلیم کی خلاف ورزی کی۔ کسی مجمع میں عورتوں سے ملو تو اپنی نگاہ اوپر نہیں رکھنی چاہیئے یا آنکھوں کو ہر وقت چاروں طرف گردش نہیں دینی چاہیئے، بس ایک نظر کافی ہے، بہت زیادہ ہنسنے اور بلند قہقہوں سے باز رہنا چاہیئے، تمہیں زیادہ باتیں بگھارنے سے پرہیز کرنا چاہیئے، تیز کلامی اچھی چیز نہیں ہے۔

اے میری لختِ جگر! ایک شادی شدہ عورت کو جب اس کا شوہر باہر گیا ہو تنہا باہر نہیں نکلنا چاہیئے، چھٹپٹے کے وقت گھر نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ سڑک پر کبھی نہیں کھڑا ہونا چاہیئے، مکان کی چھت کے کنارہ سے باہر کا نظارہ نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ بڑی معیوب باتیں ہیں۔

اے جانِ من! کام تمہارے لئے زندگی کا قانون ہے، تمہیں زردوزی، کروشیا، کاتنے اور بُننے کا کام آنا چاہیئے۔ تمہیں اشیاء کی گرانی اور ارزانی کا اندازہ ہونا چاہیئے، گھریلو کام کاج کے ساتھ نماز اور تلاوتِ قرآن سے کبھی غفلت نہیں برتنا چاہیئے، اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا بھی خاص خیال رکھو اگر تم ایسا نہیں رہو گی تو تم سچی عورت نہیں کہلاؤ گی۔ امید کہ تم میری ان باتوں کو زندگی بھر کے لئے ذہن میں محفوظ کرلو گی۔ تمہارے لئے دنیا و آخرت کا راز انہی باتوں میں پوشیدہ ہے۔

سینما ہے یا صنعت آذری ہے

آج کے بڑھتے ہوئے جرائم اور نت نئی خرابیوں کے اسباب وعلل کا سراغ لگانا چاہیں تو یقیناً بہت ساری چیزیں ہمارے سامنے آئیں گی مگر ان میں اولی حیثیت جس چیز کو حاصل ہوگی وہ "سینما"، کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہوگی، کیوں کہ اس طرح کی تمام باتوں کیلئے اس کا پردہ "ٹریننگ اسکول" کا کام انجام دیتا ہے، گویا" شراب کی طرح سینما بھی "ام الخبائث"، ہے جس کے بطن سے مختلف برائیاں جنم لیتی ہیں۔

سخت حیرت ہے کہ جو باتیں شرم کی سمجھی جاتی ہیں اور جنہیں بازار اور گھر میں رذیل سے رذیل آدمی بھی برداشت نہیں کرسکتا وہ سینما ہال میں کس طرح شرافت بن جاتی ہیں، جو لوگ اپنے کو اونچے خاندان والا سمجھتے ہیں وہ بھی اپنی بہو بیٹیوں کو ساتھ لے کر سینما ہال میں بوس وکنار، نیم عریاں اور عریاں تصویریں اور اس طرح کی نازیبا اور بے حیائی کی حرکتیں دیکھتے اور دکھاتے ہیں ——— افسوس صد افسوس۔

مرد اور عورت، چھوٹے بڑے، امیر وغریب سب ہی آج سینما بینی کی لعنت میں گرفتار ہیں اور کسی کو اس کے بڑے گناہ ہونے کا خیال نہیں إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ سینما بینی میں وقت اور دولت کا تو ضیاع ہے ہی لیکن شرافت، انسانیت، حیا اور شرم کا خون پوری بے جگری کے ساتھ ہوتا ہے مگر کسی میں اس کی کسک نہیں جب کہ ایک مسلم کو اس سلسلہ میں چونکانے کیلئے یہ آیت کافی تھی :-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ط أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ٥ (سورۂ لقمان آیت : ٦)

" ترجمہ :" اور انسانوں ہی میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کلام دلفریب خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے علم کے بغیر بھٹکا دے اور اس راستے کی دعوت کو مذاق میں اڑا دے، ایسے لوگوں کیلئے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

اس آیت میں " لَهْوَ الْحَدِيْثِ ،، (کلام دلفریب) جو آیا ہے اس کا اطلاق علماء نے تمام بری اور فضول اور بیہودہ باتوں پر کیا ہے مثلاً گپ، خرافات، ہنسی مذاق، داستانیں، افسانے، ناول.

گانا بجانا اور اس طرح کئی دوسری چیزیں جن میں سینما بھی داخل ہے۔ جس کے بارے میں شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ نے اپنے بلیغ انداز میں کہا ہے ؎

وہی بُت فروشی وہی بُت گری ہے ۔۔۔ سینما ہے یا صنعتِ آذری ہے
وہ صنعت نہ تھی، شیوۂ کافری ہے ۔۔۔ یہ صنعت نہیں، شیوۂ ساحری ہے
وہ مذہب تھا، اقوامِ عہدِ کہن کا، ۔۔۔ یہ تہذیبِ حاضر کی سوداگری ہے
وہ دنیا کی مٹی، یہ دوزخ کی مٹی ۔۔۔ وہ بت خانہ خاکی، یہ خاکستری ہے

سینما کی "عارضی لذت"، (جن میں دنیا کی تباہ کاریاں بھی ہیں) کو "جنّت کی ابدی راحت" پر یقین رکھنے والے مرد اور عورت ہی چھوڑ سکتے ہیں۔

میرا پیغام محبّت ہے جہاں تک پہنچے!

سینما:۔۔۔ آج کی پھیلی ہوئی نت نئی برائیوں کے لئے اس کا پردہ "ٹریننگ اسکول" کا کام انجام دے رہا ہے، دینی کردار اور انسانی اقدار کے لئے ایک آگ ہے اس سے خود بچنا اور اپنے گھر والوں کو بچانا گویا زندگی کو آگ میں جھونکنے سے بچانا ہے ــــــــــــــــ

ریڈیو: خبروں اور معلوماتی مواد سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، گانے باجے اور فحش ڈرامے وغیرہ سے سخت احتراز کی ضرورت ہے ــــــــــــــــ

ٹی، وی:۔۔۔ اس کے بعض نفع کے پہلو سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر موجودہ استعمال کی صورت میں نقصان اور گناہ کا پہلو زیادہ غالب ہے، بامقصد، تعلیمی اور دیندارانہ زندگی کیلئے تباہ کن اور ہلاکت خیز ہے۔

ویڈیو:۔۔۔ خلقت، اس بت کا فراد کے ساتھ بھاگی چلی جا رہی ہے، آپ خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرتے ہوئے اور آخرت کی زندگی پر نظر رکھتے ہوئے اس سے ایسے ہی بھاگئے جیسے خونخوار جانور سے۔

ٹیپ ریکارڈ:۔۔۔ ایک اچھی صنعت ہے، اذان و قرآت، حمد و نعت، وعظ و تقریر محفوظ کرنے اور مناسب وقت پر اعتدال کے ساتھ سنئے اور سنانے میں اسے استعمال کر سکتے ہیں، گانے، باجے کے کیسٹ نہ رکھئے نہ سنئے۔ اس سے خدا کی رحمت دور ہوتی ہے اور غضب نازل ہوتا ہے۔

ڈالر، ریال، درہم، دینار، پونڈ وغیرہ کی شکلوں میں جو کچھ بھی آمدنی ہے نعمت کے ساتھ فتنہ بھی ہے۔ اگر اس آمدنی کا مصرف جائز ہو اور اسراف، فضول خرچی، سامانِ تعیش اور اسبابِ آخرت فراموشی سے اجتناب ہو، شادی بیاہ میں بے تحاشہ اور نام و نمود کے طور پر خرچ نہ ہو تو مذکورہ بالا راہوں سے آئی ہوئی دولت خدا کی نعمت ہے اور اگر اس کے برعکس ہو تو خدا کو رسی کھینچنے میں کچھ دیر بھی نہیں لگتی، پھر آخرت کا وبال تو مسلّم ہے ــــــــــــــــ

ہمارے نوجوان جو بڑی صعوبتوں اور محنتوں سے یہ دولت کما رہے ہیں اور جہاں یہ دولت آرہی ہے ان سب کو دُور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اپنے ملک میں رہتے ہوئے اپنے خوشگوار اور مطمئن معاشی مستقبل پر خاص نظر رکھنی چاہیئے تاکہ بعد میں انہیں کسی آزمائش اور حسرت و یاس سے دوچار ہونا نہ پڑے۔

ــــــــــــــــ

عصرِ حاضر میں مسلمانوں کی تباہی کے اسباب!

از: محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، بانی مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی

مسلمان قوم کو تن آسانی، آسائش پسندی اور عیش پرستی کبھی راس نہیں آئی، اُندلس اور بغداد کی تباہی سے لے کر ترکی اور بخاریٰ تک کی تاریخ پڑھیے اور سبق لیجیے۔ اسلام کے خیرالقرون میں جب اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کی طلب میں ذراسی غفلت یا اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کی تعمیل میں معمولی سی کوتاہی ہوئی یا ظاہری ساز و سامان پر نظر گئی تو فوراً تنبیہ کی گئی اور بعض اوقات ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ـــــــ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان قوم اور مسلمان حکومتیں حسبِ ذیل امراض میں مبتلا ہیں جن کا ازالہ جلد از جلد ہونا چاہیئے:-

- اسلامی اخوت کی بجائے قومیت کا نعرہ۔
- اقتدار اور طاقت کے باوجود اسلامی قوانینِ الٰہیہ کو نافذ نہ کرنا۔
- تن آسانی، تن پروری، عیش و عشرت اور لہو و لعب پر مال و دولت کا برباد ہونا اور اخلاق سوز ادب کا رواج پانا۔
- خدا فراموشی کے ساتھ ظاہری تدابیر، فوجی اور عسکری قوت اور جدید ترین جنگی اسلحہ سے مجرمانہ تغافل۔
- صرف مصنوعی، سطحی اور وقتی نعروں پر قوم کی تنظیم کا خبط۔
- اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے اسلامی و دینی جہاد کی روح کو ختم کر کے ہوسِ ملک گیری اور شخصی قیادت کی بقا کے جنون میں گرفتار ہونا۔
- اسلامی معاشرت کی جگہ ملعون قوموں کی تہذیب و معاشرت کو اپنانا۔
- اسلامی اخوت، ایثار و قربانی اور غریب پروری کے جذبہ کا ختم ہو جانا۔
- غلط نظامِ معیشت کی وجہ سے ایک طبقے کا دولت کی فراوانی کے ہیضہ میں مبتلا ہو جانا اور دوسرے طبقہ کا نانِ شبینہ کے لئے بلکنا۔

- اللہ تعالیٰ مالک الملک، خالق و رازق اور قادر المطلق سے غفلت برتنا اور دنیائے کفر کی طاغوتی طاقتوں کو قبلۂ حاجات سمجھنا اور ان سے ہمدردی اور خیر کی توقع رکھنا۔
- اسلامی نظامِ معیشت کی جگہ بینک کے موجودہ کافرانہ نظامِ مالیات کو اختیار کرنا اور اسی کو ذریعۂ نجات اور مشکل کشا سمجھنا۔
- اسلامی فلسفۂ تعلیم کی جگہ خدا بیزار اور آخرت فراموش نظامِ تعلیم کو اپنانا اور اسی کو معراجِ ترقی سمجھنا۔

میں سمجھتا ہوں کہ عصرِ حاضر میں مسلمانوں کی تباہی کے حقیقی اسباب یہی ہیں، کاش ان کے ازالہ و اصلاح کی طرف مسلمان اور عالمِ اسلام کو متوجہ ہونے کی توفیق ہو جائے۔

(ماہنامہ بینات، کراچی، ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ ص: ۴، ۵)
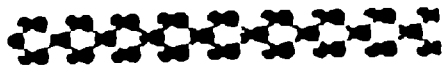
مسلمانوں کے زوال کا بنیادی سبب !

"مسلمانوں کے تنزل کا بنیادی سبب یہ ہے کہ انہوں نے خیر و بھلائی کیلئے محنت و مشقت کرنا چھوڑ دیا۔ اسلام جو خیر کا سرچشمہ ہے، مسلمان چاہتا ہے کہ وہ بغیر قربانی دیئے حاصل ہو جائے اور کسی قسم کی جدوجہد نہ کرنی پڑے، یہ کیسے ممکن ہے؟ اچھی چیزوں کو حاصل کرنا ہے تو قربانیاں دینا ہوں گی۔ صحابہؓ نے اسلام کیلئے جان کی بازی لگا دی تھی، اسلام کی راہ میں بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کی تھیں۔

یاد رکھیئے! اسلام امن و سلامتی کا پیغامبر ہے، اس کی راہ عشق و محبت کی راہ ہے اور عشق کی راہ میں رُکنا اور ٹھٹھکنا سب سے بڑا جرم ہے، یہ تو ذوق و شوق ہی کے ذریعہ طے ہوتی ہے۔ تکلیف و مصیبت اس راہ کے لئے زاد ہے، جدوجہد اور شوقِ مسلسل اور سعیِ پیہم اس کا سرمایہ ہے اس راہ کی مشکلات چلنے والے کیلئے باعثِ مسرت ہیں اور اس کی کٹھنائیاں مسافر کی زندگی کو تابناک بناتی ہیں۔

اس لئے میں آپ سے کہوں گا کہ تذبذب کو چھوڑیں، اعتماد بحال کریں، شک کی بجائے یقین پیدا کریں، اتنا یاد رکھیں کہ وہ مصیبتیں جو اس یقین کی وجہ سے آئیں گی ان مصیبتوں سے یقیناً کم ہوں گی جو شک کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یقین و اعتماد کے بعد آپ کا دل و دماغ مطمئن ہوگا دشواری اگر ہوگی تو جسمانی، روح مطمئن رہے گی اور شک و تذبذب کی راہ میں ہو سکتا ہے کہ آپ کو مادی و جسمانی سہولتیں مل جائیں۔ مگر روح کا سکون، دل کا چین اور دماغ کا اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس یقینِ کامل کو توحید خالص کہتے ہیں اس یقین کے بعد آپ کو صرف ایک کے سامنے جواب دہی کا احساس ہوگا، ایک کے سامنے جھکیں گے اور ایک ہی کی عبادت کریں گے۔

مسلمانو! اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرو اور اسلام کی راہ میں محنت و مشقت کرو، دل میں خدا کا خوف اور اسلام کی محبت پیدا کرو، یہی خیر ہے، اس کے لئے تمہیں جدوجہد کرنی ہے۔ اسی خیر کیلئے تم اپنی تمام صلاحیتیں خرچ کرو، کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔"

(امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ، جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ)

دو لاشوں کی عبرت انگیز کہانی!

وہ ایک بہت بڑا دولت مند تھا، اس نے زندگی کے ساٹھ بہاریں دیکھنے کے بعد دنیا کو خیرباد کہدیا تھا، جب اس کی لاش سپردِ خاک کی گئی تو زمین نے اُسے اپنے سینے سے لپٹاتے ہوئے کہا: "میرے بچّے! دنیا نے تجھے مجھ سے ساٹھ برس تک جُدا رکھا ہے اور تو دنیا کے جھگڑوں میں پھنسنے کے بعد نہ صرف اپنی اصلیّت کو بھول گیا ہے بلکہ تیری شکل وصُورت بھی بدل گئی ہے، تجھے دیکھنے کے بعد بھلا کون کہہ سکتا ہے کہ تو خاک کا بیٹا ہے مگر اب میں تجھے پھر اپنے رنگ میں رنگ لوں گی"۔ چنانچہ چند روز کے اندر ہی زمین نے اپنے فرزند کی لاش کو خاک کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا اور وہ انسان جو اپنے آپ کو دنیا میں خاکی نہیں بلکہ نوری سمجھتا تھا، ایک مشتِ خاک بن گیا، مادرِ گیتی خوش تھی کہ اسکا بچّہ پھر اسی کے رنگ میں رنگ گیا ——— پھر ایک اور لاش سپردِ خاک کی گئی، یہ ایک گداگر کی لاش تھی، مادرِ گیتی نے اسے بھی دولتمند لاش کی طرح سینہ سے چمٹالیا اور بڑی محبت سے کہنا شروع کیا:
"میرے غریب اور مفلس بیٹے! مجھے دکھ ہے کہ مجھ سے جدا ہونے کے بعد تو نے بڑی تکلیفیں برداشت کیں اور تیرے دولتمند بھائیوں نے تجھے تیرے حق سے محروم رکھا مگر اَب تیری مصیبت کے دن ختم ہو گئے میں عنقریب تجھے اپنے ہی رنگ میں رنگ لوں گی، تو دنیا میں مساوات کا لطف نہ اٹھا سکا لیکن میرے ہاں امیر و غریب سب برابر ہیں۔ سب میرے بچّے ہیں جنہیں میں اپنے ہی رنگ میں رنگ کر چھوٹے بڑے کا امتیاز مٹا دیتی ہوں" ——— چنانچہ چند روز کے بعد دولتمند کی لاش کی طرح فقیر کی لاش بھی خاک بن گئی اور اَب دولتمند اور فقیر میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔

مادرِ گیتی نے جب دولتمند اور فقیر کی خاک کو اپنے ہی رنگ میں رنگا ہوا دیکھا تو اس نے دونوں کو سینہ سے لگاتے ہوئے کہا: "میرے بچّو! ـــ میں خوش ہوں کہ اَب تم میں نہ کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا اور اَب تم میں نہ کوئی دولتمند ہے نہ غریب۔ کاش اگر دنیا میں رہنے والے میرے بچوں کو بھی اپنی اصلیت کا علم ہو جائے تو دنیا سے چھوٹے اور بڑے کے سارے امتیازات مٹ جائیں اور اس کی بنیاد پر انسانی سوسائٹی میں ہونے والی ساری ناہمواریاں اور بے اعتدالیاں ختم ہو جائیں"●●

مجاہد کی پُرسوز اذاں

سنہ ۱۹۱۵ء کی گرفتاری کے پانچ سال بعد مولانا محمد علی و شوکت علی (برادران) رہا کئے گئے تھے دہلی میں ان کا بمثال شاہانہ جلوس نکالا گیا تھا، اس موقعہ پر ایڈریس کے جواب میں مولانا محمد علی جوہر نے جو تقریر کی تھی ہم اس کا ایک اقتباس ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا تھا:۔

"مجھ کو اگر کسی سے ذاتی پرخاش ہو تو یہ حرام ہے، ہم بھولتے ہیں کہ ہم کو نظر بند کیا گیا، ہم فراموش کرتے ہیں کہ ہم کو قید کیا گیا، ہمارا بغض و محبت اللہ کیلئے ہے (الحبُّ لِلّٰہ، والبغضُ لِلّٰہ) ہم دونوں بھائی تیار ہیں کہ گورنمنٹ کے ذلیل سے ذلیل ملازم کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیں، اس میں ہماری کچھ ذلت نہیں، مگر ہم تیار نہیں کہ اسلام کی عزت پر حرف آتا دیکھیں۔ ہم اپنی حرم سراؤں کو چھوڑ سکتے ہیں مگر خدا کے حرم کو غیروں کے قبضہ میں دیکھنے کو تیار نہیں، اس پر ہماری اولاد، ہماری جان، ہمارا مال سب قربان ہے۔ کیوں کہ ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی ... حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہم تیار ہیں کہ اپنی عورتوں کو بے عزت ہوتا دیکھیں لیکن شعار اسلام کی بے عزتی ایک لمحہ بھی گوارا نہیں کر سکتے، خیر مقدم محمد علی، شوکت علی کا کچھ نہیں، خدا کا خیر مقدم کرو جو اپنے احکام بندوں کی زبان سے سُنوا رہا ہے۔ یہ ہار وغیرہ سب بیکار ہیں کیوں کہ خدا دل کو دیکھتا ہے اگر گورنمنٹ یا کسی دوسری قوم کی ضد سے یا دکھانے کو ایسا کیا جاتا ہے تو وہ قبول نہیں ہے، ہم اس کے یار ہیں جو خدا کا یار ہے ہم اس کے دشمن ہیں جو خدا کا دشمن ہے، ہم اللہ کے ہو لئے، اللہ ہمیں اپنا بنا لے بس اسی کی خواہش ہے اور یہی ہماری زندگی کی سب سے بڑی تمنّا اور آرزو ہے۔"

مولانا محمد علی جوہر مرحوم کی یہ تقریر نہیں بلکہ دراصل ایک مجاہد کی اذاں ہے جس میں یقین کی قوت ہے ایمان کی طاقت ہے، بے باکی اور بے خوفی ہے دوستی اور دشمنی کا اصل مدار اور معیار ہے "اللہ بس باقی ہوس" کا پیغام ہے تو کیا مجاہد کے یہ اذاں ہمیں خوابِ غفلت سے چونکا سکے گی؟ اور ہم اس اذاں کی روح اور اسپرٹ کو سمجھ سکیں گے؟ اور کیا انہی کی آواز میں دِل کی پوری گہرائی کے ساتھ کہہ سکیں گے؟ کہ ؎

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خُدائی بھی مخالف ... کافی ہے اگر ایک خُدا میرے لئے ہے

ہر جگہ اُسے حاضر و ناظر پایا

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بڑے مرتبہ کے بزرگ گذرے ہیں۔ خانوادۂ سہروردیہ کے امام مانے جاتے ہیں، جب اپنے شیخ سے بیعت ہوئے تو بیس دن میں شیخ کی اتنی توجہ ہوگئی کہ تعظیم و تکریم کرنے لگے۔ پرانے مریدوں کو رشک ہوا اور شکایت کی کہ ہم برسوں سے خدمت میں حاضر ہیں، ہم پر اتنا لطف و کرم کیوں نہیں ہے؟ ایک دن شیخ نے سب مریدوں کو ایک ایک مرغ دیا کہ اسے ذبح کر کے لاؤ مگر ایسی جگہ ذبح کرنا جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو۔

تمام مرید اپنے اپنے مرغ ذبح کر کے لے آئے، شیخ شہاب الدین آئے تو مرغ اُن کی بغل میں دبا ہوا تھا شیخ نے پوچھا کہ تم نے مرغ کیوں نہیں ذبح کیا؟ عرض کیا، حضرت نے شرط لگادی تھی کہ مرغ تو ایسی جگہ ذبح کرنا جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو، مجھے ایسی جگہ نظر نہیں آئی، جہاں بھی گیا خدا کو حاضر و ناظر پایا، پھر بھلا میں مرغ کو کیسے ذبح کرتا۔ شیخ نے دوسرے مُریدوں سے کہا، تم میں اور ان میں یہ فرق ہے، تم اس مرتبے تک نہیں پہنچے ہو۔

اَب آپ اپنے نفس کا محاسبہ کیجئے، کتنی مرتبہ آپ نے اس ڈر سے گناہ نہیں کیا کہ میرا رب حاضر و ناظر ہے کتنی مرتبہ آپ ملاوٹ سے باز آئے ہیں؟ کتنی مرتبہ رشوت سے ہاتھ روکا ہے؟ کتنی مرتبہ دھوکہ دہی سے بچے ہیں؟ کتنی مرتبہ ماں اور باپ، بھائی اور بہن، بیوی اور بچے، رشتہ دار اور پڑوسی، دوست اور ساتھی اور اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی حق تلفی سے اپنے آپ کو اس احساس کے ساتھ محفوظ رکھا ہے کہ میرا خدا حاضر و ناظر ہے اور میری اس زیادتی کو دیکھ رہا ہے۔

آپ جب بھی کسی گناہ پر آمادہ ہوتے ہیں تو رُکتے نہیں ہیں اور اگر وقتی طور پر رُک بھی جاتے ہیں تو خدا کو حاضر و ناظر جان کر نہیں رُکتے، انسانوں کے ڈر سے رُکتے ہیں کہ رسوائی نہ ہوجائے۔ اَب آپ کہئے کہ خدا کو حاضر سمجھا یا انسان کو؟ نہ معلوم کتنی مرتبہ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ جب گناہ کی طرف میلان ہوتا ہے تو ذرا سا کھٹکا خواہ وہ کھٹکا وہمی اور خیالی ہو، کتے کے دوڑنے یا بلی کی میاؤں کا ہو تو گناہ سے آپ کو ہٹا دیتا ہے اور کسی دوسرے وقت کے انتظار میں اس گناہ کو ملتوی کر دیتے ہیں۔ مگر ایک لمحہ کیلئے یہ تصوّر نگاہ میں جلوہ گر نہیں ہوتا کہ آپکا رب ہر ساعت و ہر لمحہ آپکے ساتھ ہے اور وہ سمیع و بصیر ہے۔

اگر یہ تصور نگاہ میں جلوہ گر ہو جائے تو پورا معاشرہ سُدھر جائے اور اس کا بگاڑ ایک دن میں ختم ہو جائے۔

خوب سے خوب تر کی تلاش

سڑک پر پیدل چلتے ہوئے ایک آدمی اپنے دل میں سوچ رہا تھا "کاش اتنے پیسے ہوتے کہ میں بس میں سفر کرسکتا، ایک دن وہ بس میں سفر کرنے کے قابل ہوگیا تو سوچا۔ بس کی لائن میں گھنٹوں کھڑا رہنا پڑتا ہے، دھکے کھانے پڑتے ہیں، کاش ایک سائیکل ہوتی۔ یہ تمنا بھی پوری ہوگئی تو سوچا۔ کاش موٹر سیکل ہوتی، سائیکل تو گھٹیا سواری ہے۔ موٹر سیکل بھی کسی نہ کسی طرح حاصل ہوگئی تو کار کے ارمان انگڑائی لینے لگے اور ایک دن وہ آدمی کار، بنگلہ، دولت، ثروت، آرام و آسائش، غرض یہ کہ دنیا کی ہر نعمت کا مالک بن گیا تو سوچا:

"کاش میں اس دنیا کا سب سے بڑا آدمی ہوتا ——— اور دولت کمانا چاہیئے ——— اور ——— اور ——— اور" یہ ہوسِ دنیا ہے ——— علامہ الطاف حسین حالی نے ایسے ہی موقعہ کیلئے کہا ہے ؎

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں   رکتی ہے جا کے دیکھئے اپنی نظر کہاں

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگر انسان کو مال و متاع سے بھری ہوئی دو وادیاں مل جائیں تو وہ تیسری کی تلاش میں نکل کھڑا ہوگا، انسان کا پیٹ قبر ہی بھر سکتی ہے۔" (ریاض الصالحین)

آپؐ نے اس سلسلہ میں بڑی حکیمانہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"(دنیا کے اعتبار سے) اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھو، بڑے درجہ والوں کو نہ دیکھو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اللہ کی نعمت کو حقیر نہ سمجھو گے۔" ——— (مسلم)

لیکن آج اس زمانے میں عمل اس کے بالکل خلاف ہے، دولت اور اعزاز کے معاملہ میں اپنے سامنے بلند نمونہ رکھا جاتا ہے اور اس کی ریس کی جاتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی حالت خواہ کتنی ترقی کرتی جائے حقیر ہی معلوم ہوتی ہے اور طبیعت ہمیشہ کڑھتی ہی رہتی ہے، دین و اخلاق کے لحاظ سے جو لوگ بلند ہیں انہیں دیکھ کر آج ریس نہیں کی جاتی جب کہ شریعت میں یہ ریس محمود ہے اور پہلی ریس مذموم۔

معلمِ انسانیت کا یہ بھی فرمان ہے:

"غنی وہ نہیں ہے جس کے پاس مال و دولت اور ساز و سامان کی کثرت ہو بلکہ غنی وہ ہے جو دل کا غنی ہو ——— خوش نصیب ہے وہ جو اسلام لایا اور ضرورت بھر سامان رکھتا ہے اور (سعی و کوشش کے بعد) جو کچھ اللہ نے اس کو دیا اس پر وہ قانع ہے۔" ——— (بخاری۔ مسلم)

دو باتیں بہت کام کی

(۱) گناہوں سے انسان خداوندکریم سے بہت دور ہوجاتا ہے اورگناہوں کی وجہ سے اس کے دِل میں کھوٹ پیدا ہوجاتا ہے اور دل پر سیاہی آجاتی ہے، دنیا میں بھی گناہوں کی وجہ سے انسان کو مصیبتیں گھیر لیتی ہیں اور آخرت میں گناہوں پر سزا اور عذاب دیئے جانے کی وعیدیں قرآن وحدیث میں آئی ہیں، ان باتوں کو جان کر بھی اکثر آدمی گناہ کر بیٹھتے ہیں۔

گناہوں کی معافی توبہ سے ہوجاتی ہے۔ زبان سے توبہ توبہ کہنے سے توبہ نہیں ہوتی ہے بلکہ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہوں پر شرمندگی ہو، خدا کے حضور معافی مانگے اور خدا کی بڑائی کا خیال کرکے گناہ پر پشیمان ہو اور آئندہ کیلئے گناہوں سے بچنے کا مضبوط ارادہ کرے اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ خدا کے حقوق جس قدر ضائع کئے ہوں ان سب کو ادا کرے مثلاً بالغ ہونے کے بعد سے جس قدر نمازیں چھوڑی ہوں حساب لگاکر روزانہ زیادہ سے زیادہ پچھلی نمازیں دہرائی جائیں، یا کم از کم ہر نماز کے وقت میں اس وقت کی قضا نماز کا سلسلہ جاری رکھا جائے، اس طرح ادا کرتے کرتے اگر موت آگئی تو امید ہے کہ پشیمانی کی وجہ سے خداوندکریم معاف فرمادیں۔

اسی طرح زکوٰۃ کا حساب لگائے اور جتنے برسوں کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو، سب کو ادا کرے اور بالغ ہونے کے بعد جو فرض روزے قضا ہوگئے ہوں ان کو بھی ادا کرے۔ ——— اسی طرح بندوں کے حقوق کو سوچے اور خوب غور کرے کہ مجھ پر کس کس کا کیا کیا حق ہے؟ کس کس کی غیبت کی ہے کس کی بے آبروئی کی ہے یا کبھی کسی کی کچھ مالی خیانت کی تھی یا کسی کا ہم پر کچھ مطالبہ تھا اور اس کو یاد نہیں رہا مگر ہم کو یاد ہے، غرض کہ ایسی باتوں کو خوب سوچ کر فہرست بنائیے اور مالی حق کو ادا کیجئے اور غیبت کرنے یا گالی دینے اور بے آبروئی کرنے کی معافی مانگ لیجئے، ایسا کرنے سے سچی اور پکی توبہ ہوگی۔ اگر کوئی آپ کی بستی یا آپکے شہر میں نہیں ہے تو ڈاک کے ذریعہ یا آدمی کے ذریعہ اس کا حق ادا کردیجئے اور معافی مانگ لیجئے۔

(۲) روزانہ عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت نمازِ نفل پڑھ کر خداوندکریم سے خوب گناہوں کی معافی مانگنے اور گناہوں پر شرمندہ ہوکر خوب رونے اور آنسو بہانے کی پابندی کرلیجئے، اگر گناہوں سے بچنے کا روزانہ اسی طرح پکا عہد کرلیا کیجئے تو دونوں جہان میں سرخروئی اور کامیابی ہوگی، یہ بہت آسان کام ہے، ماہ شعبان کی شب برات اس کام کے آغاز کیلئے بہت موزوں ہے، اس شب کو غفلت کی نذر نہ ہونے دیجئے۔

اخلاقی کمزوریوں کے تین علاج

اخلاقی کمزوریوں کے تین علاج ہیں:

(۱) اپنے حق میں ہدایت اور اصلاح حال کی دعا خدا سے کیجئے اور اپنے دوست احباب سے بھی بالخصوص اپنے بزرگوں اور صلحاء سے اپنے حق میں دعا کروائیے۔

(۲) صحبت ایسے آدمیوں کی اختیار کیجئے جو خدا سے ڈرنے والے ہیں اور ان لوگوں سے دور رہیئے جن کے اندر خدا سے بے خوفی کی علامت پائی جاتی ہوں۔

(۳) سعیِ خیر کا اہتمام کیجئے، اس سلسلہ میں احتسابِ نفس سے زیادہ کارگر کوئی دوسری تدبیر نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی چیز عطا کی ہے جو اس کو برے اور بھلے کا فرق بھی بتاتی ہے، برائی پر اُسے ٹوکتی اور ملامت بھی کرتی ہے اور بھلائی کی طرف اُسے اکساتی بھی ہے۔ وہ ہے "ضمیر"۔ اگر انسان اس کو زندہ رکھے، اس کی ملامتوں پر توجہ کرے اور جس چیز پر وہ ملامت کرتا جائے اسے چھوڑنے کی اور جس جس چیز کے اختیار کرنے کی وہ ہدایت کرتا جائے اسے اختیار کرنے کی کوشش کرتا جائے تو انسان کو اخلاقی ترقی نصیب ہوتی ہے لیکن اگر وہ ضمیر کی ملامتوں پر دھیان نہ دے، اس کی ہدایات کو نظر انداز کرتا چلا جائے اور جب وہ کسی برائی پر ٹوکے تو تاویلیں کر کر کے اسے خاموش کرتا رہے اور اس کے تقاضوں کی خلاف ورزی کرتے کرتے اسے بالکل بے جان کر ڈالے تو پھر آدمی کا اخلاقی اور روحانی تنزل بڑھتا ہی چلا جاتا ہے؛ ————

پھر ضمیر بھی دو چیزوں کا محتاج ہے۔ ایک یہ کہ اس کو زیادہ سے زیادہ علم کی روشنی بہم پہنچائی جائے تاکہ وہ برائی اور بھلائی دونوں سے واقف ہو۔ اس غرض کیلئے قرآن، حدیث، سیرتِ نبوی اور صالحین کی سیرتیں نہایت مفید ہیں۔ دوسرے یہ کہ آدمی اپنے ضمیر کو مقویات کھلاتا رہے اور اس کی مقویات ہیں فرض اور نفل نمازیں، فرض اور نفل روزے، زکوٰۃ اور صدقات و خیرات اور بندگانِ خدا کی خدمت اور راہِ خدا میں عملاً دوڑ دھوپ ———— یہ مقویات اس کو کھلاتے جائیے اور ترقی کے آسمانوں پر چڑھتے جائیے۔

اور مسافر نے کہا
میں پاگل نہیں ہوں

مسافر ریلوے ٹکٹ لے چکا تو اس کو سامان بُک کرانے کی فکر ہوئی —— "یہ میرا سامان ہے آپ اسے بُک کر دیجئے" اس نے پارسل کلرک سے کہا —— "آپ کا سامان کوئی زیادہ تو نہیں، اس کو بُک کرانے کی کیا ضرورت؟" —— یہ پارسل کلرک کا جواب تھا۔

جب مسافر نے دوبارہ اصرار کیا تو پارسل کلرک نے کہا "ممکن ہے آپ کا سامان قاعدہ کے لحاظ سے کلو دو کلو زیادہ ہو مگر صرف اتنے کے لئے آپ اسے بُک کرانے کی زحمت کیوں کر رہے ہیں؟"

مسافر اب بھی سامان بک کرنے پر اصرار کئے جا رہا تھا یہاں تک کہ کلرک جھنجلا اٹھا اور اس نے اپنے ساتھی سے کہا "HE SEEMS MAD" (یہ شخص پاگل معلوم ہوتا ہے)

مسافر کے قدیم مذہبی لباس کو دیکھ کر پارسل کلرک نے سمجھا کہ وہ انگریزی سے نابلد ہوگا اسی لئے اس نے اپنے ساتھی سے انگریزی میں کہا۔ لیکن مسافر انگریزی زبان سے واقف تھا وہ فوراً بول پڑا "I AM NOT MAD" (میں پاگل نہیں ہوں)

یہ کہتے ہوئے مسافر نے انگریزی میں ایک تقریر شروع کر دی، اس نے بتایا کہ یہ ریلوے کا حق ہے اور پارسل کلرک کو یہ اختیار نہیں کہ وہ ریلوے کے حق کو منسوخ کر سکے، وہ صرف اسی حق کو وصول کرنے کیلئے مقرر کیا گیا ہے اگر مسافر یہ حق ادا نہ کرے تو وہ چوری کا مجرم ہوگا۔

مسافر کی یہ تقریر اتنی بے پناہ مؤثر تھی کہ کلرک بالکل مرعوب ہو گیا اور خاموشی کے ساتھ اس کا سامان بُک کر کے رسید اس کے حوالے کر دی۔ جب مسافر جا چکا تو پارسل کلرک نے کہا:

"معلوم نہیں یہ انسان تھا یا فرشتہ؟ اگر وہ انسان تھا تو کاش تمام انسان ایسے ہی ہو جائیں، کیوں کہ اس کے بعد ہماری یہ دنیا سورگ (جنّت) بن جائے گی جو آج جہنم کا نمونہ بنی ہوئی ہے۔"

سادہ زندگی اعلیٰ تخیُّل

پہلے زمانے میں اصول تھا "SIMPLE LIVING HIGH THINKING" (سادہ زندگی، اعلیٰ تخیل) یعنی زندگی کا رہن سہن تو معمولی رہے مگر فکر کے اعتبار سے انسان بلندی کے مقام پر پہنچنے کی کوشش کرے، اَب یہ اصول اُلٹ گیا ہے، آج کے انسان کا نظریہ یہ ہوگیا ہے کہ خیالات کے لحاظ سے خواہ وہ کتنے ہی مفلس ہوں مگر ظاہری لباس اور تراش خراش میں ان کو اعلیٰ معیار پر ہونا چاہئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ظاہری فیشن میں نت نئی ترقی کے باوجود زندگی میں دن بہ دن سطحیت اور سہل انگاری آتی جارہی ہے، ہر طرف جہالت اور حماقت کا دور دورہ ہے، انسانی آبادی، خوش پوش حیوانات میں تبدیل ہوتی جارہی ہے۔

ایک تاجر تھے، ان کا اصول تھا "مکان بناؤ کچا، کاروبار کرو پکا، چنانچہ انہوں نے غیر معمولی کامیابی کے باوجود اپنی زندگی میں کوئی بڑا مکان نہیں بنایا، ایک قدیم وضع کا چھوٹا سا مکان خرید لیا تھا بس اسی میں رہتے تھے لیکن جب ان کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنے بچّوں کے لئے ایک شاندار کاروباری وراثت چھوڑی، انہوں نے اپنی رہائشی کوٹھی تو اپنی اولاد کے لئے نہیں بنائی، البتہ شہر کے مصروف بازار میں ایک عالیشان دوکان چھوڑ گئے جہاں آج ان کے لڑکے اپنی لائن میں شہر کا سب سے بڑا کاروبار کر رہے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے ایک شاندار دوکان کے ساتھ ایک شاندار مکان بھی تعمیر کرلیا ہے۔

یہی زندگی گذارنے کا ٹھوس طریقہ ہے یعنی ظاہری نمائش اور محض جسمانی حالت پر کم توجہ دینا اور اصل مقصد کی راہ میں زیادہ قوت صرف کرنا، اعلیٰ حوصلہ، فکر کی بلندی اور عمل کے میدان میں اونچا معیار، یہ سب چیزیں انسانیت کا کمال ہیں، ظاہری زیبائش و آرائش تو ایک گدھے کے اُوپر بھی لادی جاسکتی ہے مگر اس کی وجہ سے گدھا کسی بلند مقام کا مالک نہیں بن سکتا۔

سوچنے کا صحیح انداز

حضرت شفیق بلخیؒ مشہور بزرگوں میں ہیں، یہ ایک دفعہ تجارت کی غرض سے عازمِ سفر ہوئے، سفر پر روانگی سے قبل انہوں نے اپنے دوست ابراہیم بن ادہمؒ سے الوداعی ملاقات کی اور ان کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ وطن سے روانہ ہوئے، حضرت شفیق اپنی اس روانگی کے کچھ ہی دنوں بعد وطن واپس آگئے، ایک دن وہ مسجد میں نماز ادا کرنے آئے تو ابراہیم بن ادہم نے انہیں دیکھ لیا، قریب بلایا اور دریافت فرمایا، بھائی! اس قدر جلد کیسے واپس آگئے؟ حضرت شفیقؒ نے جواب دیا، میں اپنے اس تجارتی سفر کے دوران جب ایک بیابان سے گذر رہا تھا تو وہاں ایک زخمی پرندہ دیکھا جس کے بازو ٹوٹ گئے تھے اور وہ اُڑنے سے بالکل مجبور تھا، پھر میں نے دیکھا کہ ایک تندرست و بال و پَر والا پرندہ اپنی چونچ میں ایک ٹکڑا لایا اور مجبور پرندہ کی چونچ میں ڈال دیا، انہوں نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا، یہ دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ جس ذات نے اس زخمی پرندے کو تندرست پرندے کے ذریعہ زندگی گذارنے کا سامان دیا وہ مجھے بھی روزی پہنچانے پر قادر ہے چاہے میں کہیں بھی رہوں، یہ سوچ کر میں نے اسباب و ذرائع سے منہ موڑ لیا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر و عبادت میں مشغول ہو گیا۔

حضرت ابراہیمؒ، حضرت شفیقؒ کی بات کو خاموشی سے سنتے رہے اور پھر ایک بڑی حکیمانہ اور عارفانہ بات ارشاد فرمایا:

"اے شفیق! تم نے اپنے لئے مجبور پرندے کو معیار بنایا مگر تندرست پرندے کو نمونہ نہیں بنایا، سوچنے کا یہ انداز مریضانہ ہے۔ تمہیں صحت مندانہ بنیادوں پر غور و فکر کرتے ہوئے تندرست پرندے کو اپنے لئے مثال بنانا چاہئے تھا ——— شفیق! تندرست پرندے کو اپنے لئے نمونہ کیوں نہیں بناتے اور اس کی خدمت گذاری سے سبق کیوں نہیں لیتے، جس طرح اس نے ایک زخمی اور مجبور پرندے کو غذا پہنچائی اور اس کی مصیبت میں کام آیا اسی طرح تم بھی معذوروں اور مجبوروں کی حاجت روائی کرتے اور ان کے کام آتے اور اپنی اس خدمتِ خلق کے ذریعہ پرندے سے بڑھ کر فضل و کمال حاصل کرتے"۔

حضرت شفیقؒ، حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی یہ انمول نصیحت سن کر فرطِ مسرت سے جھوم اٹھے آگے بڑھے اور حضرت ابراہیم کے ہاتھ چوم لئے اور پُر کیف انداز میں کہا:

"ابو اسحاق! (حضرت ابراہیمؒ کی کنیت) واقعی آپ میرے استاذ ہیں"۔ پھر وہ عبادت و ریاضت کے ساتھ اپنے کاروبار میں پہلے کی طرح لگ گئے۔

ایک بڑے خطرے کی بات

مالک بن ابوالسمح عباسی دور میں مشہور مغنّی تھا، ہر طرف اس کے نغمے کی دھوم تھی اور ہر خاص و عام اس کے سُننے کا شوقین تھا۔ پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس کے زمانے میں عبدالرحمٰن بن محمد بن عُبید اللہ قریشی عراق جانے کیلئے مکّہ مکرمہ سے چلے، ان کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ منورہ پہنچ کر مالک بن ابوالسمح کو ساتھ لے لیا اور عراق کیلئے ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ راستے میں مالک مغنی اچھے اچھے اشعار اپنے خاص نغمہ میں سناتا تھا۔ البتہ جمعرات کی شام ہی کو قافلہ والوں سے کہہ دیتا کہ دیکھو ساتھیو! آج جمعہ کی رات ہے مجھے معلوم ہے کہ حسبِ عادت تم لوگ گانے کیلئے اصرار کرو گے، پھر طرح طرح کی قسمیں کھا کر کہتا کہ میں جمعہ کی رات میں گانا نہیں گا سکتا اگر تم لوگوں کو کچھ سُننا ہو تو کہو ابھی سنا دوں۔ اس پر اہلِ قافلہ اس سے گانے کی فرمائش کرتے اور وہ گانا شروع کر دیتا تو سُورج ڈوبتے ڈوبتے خوب جوش اور رنگ میں آتا اور اس رات اس قدر زیادہ گاتا تھا کہ ہفتہ کی دوسری راتوں میں اتنا زیادہ نہیں گاتا تھا، قسموں کا بالکل خیال نہیں کرتا تھا ——— (اغانی: ص ۱۰۷، جلد ۴)

گانے بجانے میں حد سے زیادہ دلچسپی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے، اور ہاں ایک گانے بجانے پر کیا موقوف، جو بھی برائی ایک دفعہ منہ کو لگ گئی اور عادت کے درجے میں داخل ہو گئی تو پھر چھوڑنا مشکل، اس موقعہ پر سارے تکلفات برطرف اور عظمت، احترام، ضابطے اور تقدیس کے آبگینے پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ بدمستی ایک انسان کو "جو گنہ کرو ثواب ہے آج" کے خطرناک موڑ پر لے آتی ہے۔

اسی لئے کسی گناہ کا ایک دوبار سرزد ہو جانا اتنا خطرناک نہیں ہے جتنا خطرناک کہ گناہ کی عادت اور اس پر اصرار ہے۔ اس لئے اس پر نگاہ رکھئے کہ آپ اچھی عادتوں کے خوگر بن رہے ہیں یا بُری عادتوں کے شیدائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکیمانہ ارشاد ہے:

"نیکی کی فوری جزا یہ ہے کہ اس کے بعد دوسری نیکی کی توفیق ہوتی ہے اور گناہ کی فوری سزا یہ ہے کہ اس کے بعد دوسرے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

دینداری کی چار قسمیں

① **روایتی دینداری:** یہ دینداری کی وہ قسم ہے جس کے پیچھے کوئی شعور موجود نہیں ہوتا۔ خاندانی رسوم کی طرح محض نسلی اثرات کے تحت آدمی کچھ دینی طریقوں کو قبول کرلیتا ہے اور بے سوچے سمجھے انہیں دُہراتا رہتا ہے، اس دینداری کی مثال ایسی ہے جیسے ہاتھ کی چھنگلیا جو آپ کے جسم کا حقیقی جزو نہیں ہوتی مگر جب پیدائشی طور پر کسی کے ساتھ چپک جاتی ہے تو عموماً وہ اُسے آخر تک باقی رکھتا ہے، تاہم آج کل کے ترقی یافتہ دَور میں ایسے لوگ بھی ملیں گے جو بڑے ہونے کے بعد اس کا آپریشن کرا ڈالتے ہیں۔

② **مزاجی دینداری:** یہ دینداری کی دوسری قسم ہے، جس طرح مزاجاً ایک شخص بہت زیادہ بولنے والا ہوتا ہے اور دوسرا کم سخن ہوتا ہے اسی طرح بعض لوگ اپنے مخصوص مزاج کے تحت دین کو اپنی زندگی میں شامل کرلیتے ہیں، ایسے لوگوں کی بہترین پہچان یہ ہے کہ ان کی زندگی میں کبھی آپ کو پورا دین نظر نہ آئے گا بلکہ صرف اتنا ہی جزو دکھائی دے گا جو اُن کے اپنے مزاج سے مناسبت رکھتا ہو، دین کے وسیع تر تصوّر سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، ان کا دین وہ نہیں ہوتا جو خدا نے اپنے رسولؐ پر نازل کیا ہے بلکہ وہ ہوتا ہے جو ان کے ذہنی سانچے میں فٹ آگیا ہے۔

③ **فقہی دینداری:** یہ دینداری پچھلی دونوں قسموں سے بہتر ہے مگر یہ ایک ایسی دینداری ہے جس کے اندر عمل تو ہوتا ہے مگر جذبہ نہیں ہوتا، شریعت کے مقرر کردہ طریقوں کی وہ بڑی حد تک پابندی کرتے ہیں لیکن شریعت کے کسی عمل کے پیچھے جو روح ہونی چاہیئے وہ ان کے اندر بہت کم ہوتی ہے وہ تڑپ واشتیاق، وہ دل کی گھلاوٹ جو دین کی روح ہوتی ہے ان کے یہاں مشکل سے ملے گی۔

④ **حقیقی دینداری:** یہی وہ دینداری ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے، یہ دینداری عمل اور کیفیت دونوں سے بھرپور ہوتی ہے، اس میں آدمی جو کچھ کرتا ہے شعور اور حاضر ذہن کے تحت کرتا ہے، وہ ایک زندہ ایمان کا مالک ہوتا ہے جو اس کے پورے وجود پر چھایا ہوا ہوتا ہے اور جو اس کی زندگی کا سرمایہ بن گیا ہوتا ہے، یہ ٹھیک اسی طرح خدا کے لئے تڑپتا رہتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے بچھڑے ہوئے محبوب دوست کے لئے تڑپے۔

میں نے دنیا میں کیا دیکھا؟

"میں دنیا کے کچھ علاقوں میں گھوما ہوں۔ بہت سے امور کا تجربہ کیا ہے، بڑے بڑے کاموں کے انجام دینے کی توفیق ملی ہے، بزرگوں کی صحبت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی، چیزوں کی کڑواہٹ اور مٹھاس کو چکھا ہے، کتابوں کی چھان بین کی ہے، علماء کی خدمت میں رہا ہوں، عجائبِ قدرت کا مطالعہ کیا ہے، اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ:

میں نے کوئی شئے عُمر اور دُنیا سے زیادہ جلد زوال پذیر ہونے والی نہیں دیکھی اور موت و آخرت سے زیادہ کوئی چیز پائیدار نہیں دیکھی، میں نے قناعت کے اندر دنیا و آخرت کی بھلائی اور طمع کے اندر تمام جہاں کی بُرائی دیکھی۔ میں نے سب سے زیادہ نقصان اُٹھانے والا اس شخص کو دیکھا جو اپنے اوقات کو لیت ولعل اور بدظنیوں میں گذارتا ہے۔ میں نے سب سے اچھی زینت تواضع کو پایا اور سب سے بُری چیز بخل کو، میں نے وہ چیز جو جامعِ شر ہے حسد کو پایا۔ اور کسی شخص کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے میں ذلّت کی موت پائی۔ مجھے حیاتِ ابدی سوال سے بچنے اور اپنے حال کو پوشیدہ رکھنے میں نظر آئی۔ میں نے ہر حریص کو محروم دیکھا اور طالب دنیا کو مغموم پایا، ذلّت و خواری، میں نے ان لوگوں میں مشاہدہ کی جو طاعتِ مخلوق میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں، اور عزت و شرافت، برکتِ رزق اور برکتِ عمران لوگوں میں دیکھی جو طاعتِ خالق میں مصروف ہیں، میں نے عاقل اگر دیکھا تو اس شخص کو جو آخرت کی طرف متوجہ ہے اور دنیا کے راغب کو میں نے بس دنیا ہی میں مشغول اور جان کھپاتے دیکھا، دنیا سے بے پرواہ کو فارغ البال اور مطمئن پایا اور یہ بھی دیکھا کہ جو واقعی مرید ہے وہ سچا طالب ہے اور جو فقط مریدی کا دعویٰ کرتا ہے اس کو جھوٹا پایا اور دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی "متابعت" میں پائی اور داخلۂ جنّت اکل حلال میں دیکھا۔"

از: حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (۶۳۲ھ)

جائزہ لیجیے

فرانس کے ایک ماہر علم اعداد و شمار کا بیان بعض اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ اگر کسی شخص کی عمر ۵۰ سال کی ہے تو اوسطاً اس کی تقسیم اوقات یوں ہوگی : سونے میں چھ ہزار دن گزارے چلنے پھرنے میں آٹھ سو دن ــــــ کھانے پینے میں ڈیڑھ ہزار دن ــــــ سیر و تفریح میں سات ہزار دن ــــــ کام کاج میں ساڑھے چھ ہزار دن ــــــ بیماری میں پانچسو دن ــــــ اور اس اثنا میں اس کے پیٹ کے اندر ۲۱۰ من کھانا اور ۵۳۶ ٹن پانی جاتا ہے ــــــ آپ کی عمر اگر پچاس سال سے زائد ہو چکی ہو تو اور اگر ابھی اس سے کم ہے تو، دونوں صورتوں میں آپ اپنے حق میں غور کیجیے کہ آپ نے اپنی عمر عزیز کا کتنا حصہ یاد الٰہی، خدمتِ خلق اور عبادت میں صرف کیا اور کتنا حصّہ غفلتوں کی نذر کیا۔ سونے اور کھانے وغیرہ کی ضروری مقدار میں جو وقت صَرف ہوا اس پر زیادہ حسرت نہ کیجیے کہ وہ آپکے ارادہ و اختیار سے باہر تھا اور قدرت نے آپکے لئے ناگزیر کر دیا تھا، لیکن وقت کا جو حصّہ بالکل آپ کے ارادہ و اختیار کے حُدود کے اندر تھا اس کا جائزہ لیجیے ــــــ اور قبل اس کے کہ آپ کو اس کا حساب دینے پر مجبور ہونا پڑے آپ خود ہی اس کا حساب کیجیے اور اپنے پروردگار کو حساب دے کر مطمئن کرنے سے قبل خود اپنے ضمیر ہی کو حساب سے مطمئن کرنے کی کوشش کیجیے۔ غیبتوں اور بدگوئیوں میں، خودستائیوں اور خود نمائیوں میں، بناوٹوں اور نمائشوں میں، دل آزاریوں اور ایذا رسانیوں میں، سیہ کاریوں اور بدکاریوں میں، سَر مستیوں اور عیش پرستیوں میں، عمر کا جتنا حصّہ گذر چکا ہے اور وقت کا جتنا حصہ گذر رہا ہے کبھی اس کا حساب لگانے کی، کبھی اس کا اندازہ کرنے کی جرأت ہوئی ہے؟

خاک کے پتلے کبھی تو نے حساب لگایا ہے کہ اپنی زندگی میں پانی کے کتنے کنویں کے کنویں پی گیا؟ غلّے کے کتنے کھیت کے کھیت صاف کر گیا؟ ہوا اور روشنی کا کتنا بے اندازہ و بے حساب ذخیرہ اپنے کام میں لے آیا؟ ــــــ حالانکہ نہ کھانا، نہ پانی، نہ ہوا نہ روشنی، کسی شئے کو بھی خلق کرنا

تیرے بس کی بات نہیں، پھر ان بے شمار نعمتوں اور بے حساب بخششوں کے باوجود بھی ناشکری کا وظیفہ تیرے دل کے اندر اور تیری زبان پر جاری رہا کہ تیرے ساتھ انصاف نہیں ہوا۔ تو مصیبتوں میں مبتلا کیا گیا، تیری آرزوؤں کے لائق تیری آمدنی نہیں ہوئی۔ تیری ہوائے نفس کے لائق تجھے اطمینان نہیں،

ناشکرگذار بندے! آج تجھے اپنی تقدیر کا شکوہ ہے، آج تو اپنے نصیبوں کا دُکھڑا رو رہا ہے اور اپنے آغاز وانجام، اپنی ابتدا وانتہا کو بھولا ہوا ہے، آج تجھے اپنی نزاکت ونفاست کا دعویٰ ہے۔ لذیذ سے لذیذ غذاؤں کا بھوکا، برقی قمقموں اور فانوس کا حریص ہے اور بھولے سے بھی یاد نہیں کرتا کہ نو مہینے تک تو کتنی گندگیوں اور نجاستوں اور غلاظتوں میں شرابور رہ چکا ہے اور عنقریب تیرے ہی جسم کی آلائشیں تجھے کن ناپاکیوں میں آلودہ رکھنے والی ہیں؟۔

———— (مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)

ولی بننے کا طریقہ

(۱) خدا کا ولی (دوست، محبوب، مقبول) بننا بندہ کے اختیاری اعمالؒ سے ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "ہمارے اولیاء وہ ہیں جو ایمان لائے اور جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں"۔ اور ایمان و تقویٰ دونوں اختیاری عمل ہیں۔

(۲) تقویٰ اختیار کرنا اگرچہ بندہ کا اختیاری عمل ہے مگر اس کے حصول کا طریقہ کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ "ہمیشہ سچوں کے ساتھ رہو" ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی ولی اللہ کی صحبت ہی سے تقویٰ کا حصول ہوتا ہے ——————

(۳) ولی اللہ (اللہ کا ولی) وہ ہے جس کے پاس بیٹھنے سے اللہ کی یاد بڑھتی جائے اور غیر اللہ کی یاد گھٹتی جائے اگرچہ ہر متقی بندہ ولی اللہ ہے مگر اولیاء کی دو قسمیں ہیں۔ بعض صرف صالح اور ولی ہیں اور بعض مصلح، اور ولی گر بھی ہیں، پس فائدہ تام مصلح کامل کے تعلق سے ہوگا۔

(۴) بیعت صرف سنّت اور وہ بھی غیر مؤکدہ ہے مگر چوں کہ اصلاح فرض ہے اس لئے مصلح سے اصلاحی تعلق قائم کرنا فرض ہے، کیوں کہ فرض کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے۔

(۵) کسی اللہ والے سے تعلق کسی درجہ کا بھی ہو فائدہ سے خالی نہیں مگر نفع کامل اسی وقت ہوتا ہے جب اتباع اور فرمانبرداری کا تعلق ہو وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ (اور جو شخص میری طرف رجوع کرے اسکے راستہ پر چلنا)۔

(۶) شیخ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی ہر محنت کو خوب شوق سے قبول کرے اور محنت سے نہ گھبرائے کہ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط (اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں اٹھاتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنے راستے دکھادیں گے)، اس کے بغیر دروازہ نہیں کھلتا۔

مُرشد کامل کے ساتھ عقیدت و محبت اور خدمت کا اہتمام بھی ضروری ہے کہ وہ محبوبِ حقیقی تک پہنچانے کا وسیلہ ہوتا ہے اور جس قدر مقصود محبوب اور اہم ہوتا ہے اسی اعتبار سے اس کا واسطہ بھی محبوب اور اہم ہوتا ہے ——————— حق تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

(حضرت مولانا شاہ محمد اختر صاحب مدظلہٗ، کراچی (پاکستان)، خلیفہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی دامت برکاتہم)

دِل روشن ہو تو دلیل کی ضرورت نہیں

امام رازی کی مال و دولت کے ساتھ جاہ و اعزاز میں بھی اس قدر ترقی ہوئی کہ وہ جہاں جاتے تھے امیر و غریب سب ان کی ملاقات و زیارت کو آتے تھے، چنانچہ جب وہ ہرات تشریف لے گئے اور وہاں کے تمام علماء، صلحاء، امراء و سلاطین ان کی ملاقات کو آئے تو امام صاحب نے ایک دن دریافت کیا کہ کوئی شخص ایسا بھی باقی رہ گیا ہے جو ہماری ملاقات کو نہیں آیا؟ لوگوں نے کہا صرف ایک صالح شخص جو اپنے زاویہ میں گوشہ نشین ہے، باقی رہ گیا ہے۔

امام صاحب نے فرمایا کہ "میں ایک واجب التعظیم شخص اور مسلمانوں کا امام ہوں پھر اس نے مجھ سے ملاقات کیوں نہیں کی؟ لوگوں نے اس مردِ صالح سے امام صاحب کی یہ بات کہی، لیکن اس نے کچھ جواب نہیں دیا اور دونوں میں مخالفت ہوگئی، اس کے بعد شہر کے لوگوں نے ایک دعوت دی اور دونوں نے دعوت کو قبول کیا اور ایک باغ میں جمع ہوئے۔ اب امام صاحب نے ملاقات نہ کرنے کی وجہ دریافت کی تو اس مردِ صالح نے کہا کہ میں ایک فقیر آدمی ہوں، نہ میری ملاقات سے کوئی شرف حاصل ہو سکتا ہے، نہ میری ملاقات نہ کرنے سے کوئی نقص پیدا ہو سکتا ہے، امام صاحب نے کہا کہ یہ جواب تو اہلِ ادب یعنی صوفیہ کا ہے۔ اب مجھ سے حقیقتِ حال بیان کرو۔ اس مردِ صالح نے کہا کہ کس بنا پر آپ کی ملاقات واجب ہے، امام صاحب نے کہا کہ میں مسلمانوں کا امام اور واجب التعظیم شخص ہوں۔ اس مردِ صالح نے کہا کہ آپ کا سرمایۂ فخر علم ہے، لیکن خدا کی معرفت رأس العلوم ہے پھر آپ نے خدا کو کیوں کر پہچانا؟

امام صاحب نے فرمایا "سو دلیلوں سے"۔ اس مردِ صالح نے کہا کہ دلیل کی ضرورت تو شک کے زائل کرنے کیلئے ہوتی ہے لیکن خدا نے میرے دل میں ایسی روشنی ڈال دی ہے کہ اس کی وجہ سے میرے دل میں شک کا گذر ہی نہیں ہو سکتا کہ مجھ کو دلیل کی ضرورت ہو۔

امام صاحب کے دل پر اس کلام نے اثر کیا اور اسی مجلس میں اس مردِ صالح کے ہاتھ پر توبہ کی اور خلوت نشین ہو گئے اور برکاتِ تصوف حاصل کیں، راوی کا بیان ہے کہ یہ مردِ صالح شیخ نجم الدین کبریٰؒ تھے ——— (مفتاح السعادہ جلد اول ص: ۴۵۰، ۴۵۱)

اسلامی زندگی ہی اسلامی تصوّف ہے

اگر مذہبی پہلو سے اسلامی زندگی کو دیکھا جائے تو وہ قربانیوں کا ایک عظیم الشان سلسلہ معلوم ہوتی ہے مثلاً نماز ہی کو لو۔ یہ بھی ایک قربانی ہے، خدا نے صبح کی نماز کا وقت مقرر کیا کہ جب انسان نہایت مزے کی نیند میں ہوتا ہے اور جب بستر سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا، خدا کے نیک بندے اپنے مولیٰ و آقا کی رضا کیلئے خوابِ راحت کو قربان کر دیتے ہیں اور نماز کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ پھر نمازِ ظہر کا وہ وقت مقرر کیا جب دماغ آرام کا خواستگار ہوتا ہے اور تمام اعضاء محنت و مزدوری کی تھکاوٹ کے بعد آسائش کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ پھر عصر کا وہ وقت مقرر کیا جب انسان اپنی کاروباری زندگی کے انتہائے کمال کو پہنچا ہوا ہوتا ہے، یعنی اپنے کام میں نہایت مصروف ہوتا ہے۔ پھر شام کی نماز مغرب مقرر کر دی جب کہ انسان کاروبار سے فارغ ہو کر بال بچوں میں آکر بیٹھتا ہے اور ان سے اپنا دل خوش کرنا چاہتا ہے۔ عشاء کی نماز کا وقت مقرر کیا جب کہ بے اختیار سونے کو جی چاہتا ہے ——— غرض اللہ تعالیٰ .... دن میں پانچ مرتبہ مسلمانوں کو آزماتا ہے کہ وہ میری راہ میں اپنا وقت اور اپنا آرام قربان کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے بعد زکوٰۃ و صدقات مقرر کئے، یہ دیکھنے کیلئے کہ میرے بندے میری رضا میں، میری راہ میں اور میری خاطر اپنا مال بھی دے سکتے ہیں یا نہیں؟ جہاں ان کے لئے مختلف قسم کی نعمتیں مہیا کیں وہاں روزوں کی شرط بھی لگا دی کہ یہ لوگ میری خاطر بھوکے بھی رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ میری خاطر ان گوناگوں نعمتوں سے جن کو یہ زبان کا چٹخارہ سمجھتے ہیں مُنہ موڑ سکتے ہیں یا نہیں؟ پھر یہ دیکھا کہ ان کو ان کے وطن اور ان کے بال بچوں کی محبت نے جکڑ رکھا ہے گھر سے قدم باہر نکالنا ان کیلئے دشوار ہو رہا ہے، کیا میری خاطر علائقِ دنیوی کو ترک کر سکتے ہیں؟ اس کی آزمائش کیلئے اپنے بندوں پر حج کا اضافہ کر دیا کہ دیکھیں کون کون اپنے وطن اور اپنے اہل و عیال سے میری خاطر ایک عرصہ تک کی مفارقت اختیار کر سکتا اور راستے کے مصائب برداشت کر سکتا ہے؟ جب دیکھا کہ یہ لوگ اپنے آرام و آسائش اپنے وقت اور اپنے مال اور اپنے وطن اور اپنے عیال کو مجھ پر قربان کر سکنے کے قابل ہیں تو جہاد مقرر کر دیا یہ دیکھنے کیلئے کہ کیا اب میری خاطر یہ لوگ اپنی جان بھی جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز عزیز نہیں، قربان کر سکتے ہیں یا نہیں؟ غرض ارکانِ اسلام کی پابندی مسلمانوں کا ایک عظیم امتحان ہے اور دراصل اسی کا نام اسلامی تصوف ہے ——— (شاعرِ اسلام ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

فکر انگیز باتیں

"دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں دینی تعلیم میں مصروف طلباء اور اساتذہ کے مشترکہ اجتماع سے ۸ نومبر ۱۹۸۰ء کو حکیمانہ خطاب کرتے ہوئے نہایت دردمندی اور دل سوزی کے ساتھ ڈاکٹر غلام محمد صاحب (خلیفہ ارشد علامہ سید سلیمان ندوی) نے جو کچھ فرمایا تھا اس کا ایک حصہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:"

محترم ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

ہم تمام لوگوں کا اصل وطن عالم بالا ہے جہاں ہم کو اللہ رب العزت کی معرفت حاصل ہوئی تھی اور یہیں بالآخر ہمیں واپس بھی ہونا ہے، یہ درمیانی مدت ہے جس میں ہم دنیا میں آتے ہیں، یہاں اللہ رب العزت نے ہر انسان کے ساتھ دو چیزیں رکھ دی ہیں، ایک قلب، دوسرا اس کے مقابل میں نفس، قلب اصل میں خیر اور نیکی کا داعی ہے، قلب اپنی اصل اور فطرت کے لحاظ سے خراب نہیں ہو سکتا قلب کی عظمت کا حال یہ ہے کہ اللہ رب العزت زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا، لیکن مومن کے قلب میں آجاتا ہے، اس کے مقابل نفس ہے جو اصل میں برے کاموں کی طرف دعوت دیتا ہے، اس لئے قلب کے لئے تزکیہ نہیں ہے بلکہ نفس کے لئے تزکیہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے قلب کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ نفس کی تین حالتیں ہوتی ہیں، اول یہ کہ وہ بالکل بگڑا ہوا ہو اس کو نفس امارہ کہتے ہیں، ایسا نفس قلب کو دبوچ لیتا ہے اس حالت کو قرآن حکیم نے "قلب اثیم" گنہگار دل قرار دیا ہے، اس پر ریاضت ہو تو "نفس لوامہ" بنتا ہے کہ برائی تو اس سے ہوتی ہے لیکن ہونے کے بعد اس پر ملامت کرتا ہے، اس کیفیت کا نام "توبہ" ہے، اس وقت قلب کی جو حالت ہوتی ہے اسے قرآن نے "قلب منیب" (جھکنے اور رجوع ہونے والا) قرار دیا ہے اگر نفس پر مزید سختی کی جائے اور کچھ ریاضت اور ہو جائے تو وہ خیر کے بالکل تابع ہو جاتا ہے، اس کیفیت کو قرآن کی اصطلاح میں "نفس مطمئنہ" کہتے ہیں، اس وقت قلب پر پوری طرح سلامتی غالب آجاتی ہے اور قلب قرآن کے الفاظ میں "قلب سلیم" بن جاتا ہے، جب نفس مطمئنہ اور قلب سلیم حاصل ہو جائے

تو پھر "مرضیٔ عبد" اور "مرضیٔ رب" میں کامل موافقت پیدا ہو جاتی ہے، اس کو قرآن نے "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" (اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی) کے ذریعہ تعبیر کیا ہے، اس مقام پر پہونچنے کے بعد پھر کوئی غم، غم نہیں رہتا، غم اصل میں نام ہے۔ مرضیٔ عبد اور مرضیٔ رب میں ٹکراؤ کا، اور جب ان دونوں میں ٹکراؤ نہ ہو اور بندہ اپنی مرضی اور خوشی کو خدا کی مرضی اور خوشی میں کم کر دے اور "جدھر مولا ادھر شاہ دولہ" کا محاورہ صادق آنے لگے تو کبھی غم نہ ہوگا۔

اس تزکیہ نفس کا نام دراصل علم ہے۔ لفظی علم صرف معلومات کا جمع کرنا ہے، خدا ہے وہ خبیر و بصیر ہے، یہ خبر ہے، یہ صرف معلومات کا حاصل ہونا ہے۔ جب آپ اپنے اندر خدا کو پانے لگیں اور اپنی نگاہ بصیرت سے خدا کو دیکھنے لگیں، یہ اصل علم ہے اور ایسے ہی اصحاب علم کے بارے میں خدا کی کتاب قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

اِنما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

بے شک اللہ سے تو اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

جمعہ کے دن
مسلم تاجروں سے خدا کا خصوصی خطاب

جمعہ کا دن خدا کے نزدیک تمام دنوں میں افضل اور ممتاز ہے، عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے بھی اس کا مرتبہ زیادہ ہے۔ بلا عذر شرعی جمعہ چھوڑنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں، ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے اور وہ منافق ہو جاتا ہے۔ جمعہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا اہتمام جمعرات ہی سے شروع فرما دیتے تھے، اور ارشاد فرماتے "جمعہ کی رات سفید رات ہے اور جمعہ کا دن روشن دن ہے"۔ ——— امام غزالیؒ فرماتے ہیں" یوم جمعہ کے فیوض و برکات سے درحقیقت وہی مومن مالا مال ہوتا ہے جو اس کے انتظار میں گھڑیاں گنتا رہتا ہے اور وہ غفلت شعار تو انتہائی بدنصیب ہے جس کو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ کب جمعہ آیا اور وہ صبح لوگوں سے یہ پوچھے کہ آج کونسا دن ہے"۔

جمعہ کی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں مستقل ایک سورۃ ہے، جو جمعہ کے نام سے موسوم ہے، اس سورۃ کے دوسرے رکوع میں خدا نے مسلم تاجروں سے خصوصاً اور عام مسلمانوں سے عموماً مخاطب کر کے بعض ہدایات دی ہیں جو یہ ہیں:

(۱) جمعہ کی پہلی اذان کے بعد خرید و فروخت اور دیگر مشاغل حرام ہیں اس لئے بلا تاخیر ان مشغولیتوں کو چھوڑ کر نماز و خطبہ کیلئے مسجد کی طرف چلنے کا اہتمام کیا جائے، اذان سے پہلے ہی آ جانا بہت زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔

(۲) نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد تجارتی کاروبار اور اپنا اپنا رزق حاصل کرنے کا اہتمام سب کر سکتے ہیں ——— حضرت عراک بن مالکؓ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو کر باہر آتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ دعا کرتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَجَبْتُ دَعْوَتَكَ وَ صَلَّیْتُ فَرِیْضَتَكَ وَانْتَشَرْتُ كَمَا اَمَرْتَنِیْ فَارْزُقْنِیْ مِنْ فَضْلِكَ وَاَنْتَ خَیْرُ	اے اللہ! میں نے تیرے حکم کی اطاعت کی اور تیرا فرض ادا کیا اور جیسا کہ تو نے حکم دیا ہے نماز پڑھ کر میں باہر جاتا ہوں، تو اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرما اور تو

الرّٰزِقِیْنَ ۔ (ابنِ کثیر) سب سے بہتر رزق دینے والا ہے ۔

(۳) تجارت اور کاروبار کے وقت بھی اللہ کی یاد قولاً و عملاً جاری رہے ۔

(۴) جو شخص بعد نماز جمعہ کاروبار کرتا ہے اللہ تعالیٰ ستّر گنا برکات نازل فرماتے ہیں ۔

(۵) اللہ کے پاس آخرت کا جو ثواب ہے وہ تماشے اور تجارت سے کہیں زیادہ بہتر ہے، اسی طرح نماز جمعہ اور خطبہ کی خاطر جو معاشی مصروفیات چھوڑو گے تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی خوب نوازیں گے اور کاروبار میں برکت عطا فرمائیں گے ۔

جمعہ کے اس خیر و برکت کو حاصل کرنے اور زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کیلئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ خود مختار کاروبار کرنے والے اور مسلم تاجر حضرات (دفاتر کے ملازمین کو تو مجبوری ہے) نمازِ جمعہ سے پہلے اپنی دکانیں بند رکھیں ۔ تین چار گھنٹے بند رکھنا کوئی بڑی بات نہیں ۔ شہر حیدرآباد میں کچھ لوگ جو اس کی تحریک چلا رہے ہیں اور بازار میں بعض مسلم تاجروں کی طرف سے جو اس کا استقبال کیا جا رہا ہے وہ یقیناً قابلِ مبارکباد ہونے کے ساتھ ساتھ اس اجتماعی عمل کا اپنوں اور غیروں پر بڑا خوشگوار اثر مرتب ہوگا ۔ اسی طرح مسلمان جمعہ سے پہلے عام خریداری بھی نہ کریں ۔

شعبان کے مسنون اعمال

۱:- شعبان کی پندرھویں شب انفرادی عبادت میں گذاری جائے اس طرح کہ نمازیں پڑھی جائیں، قرآن کی تلاوت کی جائے، مغفرت چاہی جائے اور اللہ تعالیٰ سے از سرِ نو پیمانِ وفا باندھا جائے۔ جن کی فرض نمازیں باقی ہیں انہیں اس رات میں نفل نمازوں میں مشغول ہونے کی بجائے فرض نمازوں کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ فرائض مانند اصل (جڑ) کے ہیں اور نوافل مثل شاخوں کے، جس طرح شاخیں بدون اصل قائم نہیں رہ سکتیں، نوافل بھی بلا فرائض بے سہارا اور بے حقیقت ہیں، البتہ فرضوں کی مکمل ادائیگی کرتے ہوئے جس قدر بھی نوافل ادا کئے جائیں بہتر ہے کیوں کہ شاخوں سے جڑ کو رونق حاصل ہوتی ہے۔ حدیث سے ظاہر ہے کہ فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل کا اہتمام کرنے والے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا قرب حاصل کرتے ھیں۔

۲:- اسی رات کے آخری حصے میں مُردوں کے لئے قبرستان جاکر دعائے مغفرت کی جائے۔

۳:- پندرھویں شعبان کا روزہ مستحب ہے، اس کے ساتھ ۱۳، ۱۴، تاریخوں کو بھی شامل کرلے تو بہتر ہے۔

احادیث سے ماہ شعبان کے جو خصوصی اعمال ثابت ہیں وہ یہی ہیں۔ اس کے علاوہ ہم جن بہت سی باتوں کا اہتمام کرتے ہیں، شریعت میں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بندۂ مومن کا کام یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسولؐ ہی کے احکام کو بس سمجھے اور باقی کو ہوس۔

شبِ براءت ـــــ آئیے ایک اہم فیصلہ کریں

شبِ براءت رحمتوں، برکتوں اور مغفرتوں کی رات ہے، یہ وہ رات ہے جس میں خود خدائی دینے اور نچھاور کرنے پر آتی ہے، اس رات میں مانگنے والا ہاتھ تو تھک سکتا ہے مگر دینے والا ہاتھ بغیر کسی ادنیٰ تھکاوٹ کے پوری فراخی کے ساتھ دیتا ہی چلا جاتا ہے۔

یقیناً ہم اور آپ ربِ رحیم سے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں گے اور غفور رحیم معاف بھی فرمادے گا۔ مگر ایک بات یہ بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ نمازوں کی ادائیگی میں جو ہم نے تساہل و تغافل کیا ہے وہ تو معاف ہو جائے گا مگر اصل نماز باقی ہی رہے گی جس کی قضا ہوگی، اصل نماز معاف نہیں ہوا کرتی، کتنا اچھا ہوگا کہ ہر رحمت و مغفرت کی رات میں ہم اپنی قضا نمازوں کو ادا کرنے کا اہتمام کریں۔ نفل نمازیں، پڑھئے تو ثواب، نہ پڑھئے تو کوئی مطالبہ نہیں۔ فرض نمازیں تو سر پر پڑی رہیں، انہیں ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیئے اس کی شکل یہ ہے کہ اپنے طور پر اندازہ لگالیں کہ ہماری کتنی نمازیں چھوٹی ہوں گی، جہاں تک ہو سکے جلد سے جلد ادا کرنے کی کوشش کریں اور زیادہ سے زیادہ اِس رات میں ادا کریں، پھر بقیہ کو روزانہ کئی کئی نمازیں پڑھ کر ادا کریں اور اگر اس میں بھی دشواری ہو تو ہر نماز کے ساتھ پچھلی ایک نماز ادا کرتے جائیں، مثلاً کسی کی لگ بھگ مجموعی طور پر بالغ ہونے کے بعد سے تین سال کی نماز چھوٹی ہو تو وہ یادداشت کے طور پر لکھ لیں اور کم از کم ایک ایک نماز آسانی کے ساتھ وقتیہ نمازوں کے ساتھ پڑھتے جائیں، اس طرح انشاء اللہ تین سال میں تمام قضا نمازیں ادا ہو جائیں گی۔ قضا فقط فرض نمازوں اور وتر کی پڑھی جاتی ہے، سنتوں کی قضا نہیں ہے، البتہ اگر فجر کی نماز قضا ہو جائے تو اگر اسی دن دوپہر سے پہلے پہلے قضا پڑھے تو سنت اور فرض دونوں کی قضا پڑھے اور اگر دوپہر کے بعد قضا پڑھے تو فقط دو رکعت فرض کی قضا پڑھی جائے گی۔

یہ عزم و ارادہ بھی بڑی نعمت ہے، خدا دلوں کو دیکھتا ہے، فرض کیجئے ہماری زندگی نماز روزوں کے ادا کرنے سے پہلے ہی ختم ہوگئی تو ارادہ اور عزم ہی پر خدا کی مغفرت نچھاور ہو جائے گی۔

ہم اور آپ سے غلطی اور غفلت ضرور ہوئی ہوگی، مگر تلافی کی شکل بھی سامنے کھڑی ہے، عزم کیجئے اور آج ہی سے آغاز کیجئے کہ قضا نمازوں کو ادا کریں گے، ٹال مٹول کو راہ نہ دیجئے۔ ●●

چند قابلِ توجہ باتیں

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

○ شعبان کی ۱۵ ویں شب (شبِ برات) توبہ و استغفار کی ہے، اللہ کی مغفرت و رحمت کا سلسلہ سرِ شام ہی سے شروع ہو جاتا ہے اور صبح تک جاری رہتا ہے اور بے شمار گناہگاروں کی بخشش ہو جاتی ہے، مگر اس رات میں کاہن، جادوگر، شرابی، والدین کا نافرمان، زانی، حاسد، رشتے کو توڑنے والا اور ٹخنے سے نیچا کپڑا لٹکانے والا خدا کی بخشش عام سے محروم رہتا ہے۔ ہاں اگر یہ لوگ اپنے ان گناہوں سے توبہ کر لیں تو محروم نہیں رہیں گے اور خدا کی رحمت و مغفرت انہیں اپنی آغوش میں لے لیگی۔ دیکھنا تو ہم سب کو یہ ہے کہ اس وضاحت کے بعد ہم اپنے آپ کو خدا کی رحمت و مغفرت سے کس قدر قریب کرتے ہیں اور والدین، رشتہ داروں اور دوسرے انسانوں کے حقوق کو ادا کرنے میں کتنی توجہ سے کام لیتے ہیں۔

○ نہ جانے آپ اس بات کو کس حد تک محسوس کرتے ہیں کہ آجکل سینما بینی ہر طرح کی برائی کی جڑ بنی ہوئی ہے، طبیعت میں انارکی، آزادی، اخلاقی بدحالی، جنسی آوارگی، مجرمانہ ذہنیت سب اس کے تھن سے دودھ پی پی کر طاقتور بن رہے ہیں۔ اور آپ خوش ہیں کہ ہماری ذہنی تفریح کا یہ سب سے بڑا سامان ہے، اگر آپ زہرِ ہلاہل کو قند ہی کہنے پر تُلے ہوئے ہیں تو آپ کو روک ہی کون سکتا ہے؟۔
ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے بعض مفید پہلو سے کس کو انکار، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس دودھاری تلوار کی کاٹ آپ کے حق میں مفید ثابت ہو رہی ہے یا مضر؟ یہ دونوں آپکے اور آپکے بچوں کے کان اور آنکھ کے ذریعہ اندر جو کچھ اتارتے ہیں اس سے آپ کی اور آپکے بچوں کی اندرونی شخصیت، دینی اور اخلاقی اعتبار سے بن رہی ہے یا بگڑ رہی ہے؟ زندگی کے ٹھوس مقاصد سے آپ کتنی دور جا رہے ہیں، سطحیت اور سہل انگاری کس طرح راہ پا رہی ہے اور وقت عزیز کا کس بے دردی کے ساتھ خون ہو رہا ہے؟ ہے کوئی اس پر آنسو بہانے والا؟۔

○ ذوقِ مطالعہ بہت کم ہو گیا ہے، اگر ہے بھی تو افسانہ، ناول، فلمی دنیا، جاسوسی دنیا اور رومانی دنیا کی حد تک، یہ زہر آلود غذا جس طرح ذہن و دماغ کو زہریلا بنا رہی ہے اس سے کوئی باخبر بے خبر نہیں، کاش بیمار ذوق مطالعہ صحت یاب ہوتا تو پھر وہ محسوس کرتا کہ اللہ کے فرمان، رسولؐ کے ارشاد اور پاکیزہ بندوں کی پاکیزہ سیرت کے پڑھنے میں کتنا مزہ ہے جس کے نتیجہ میں زندگی صحت مند بنیادوں اور اصولوں پر کس طرح تشکیل پاتی ہے۔

○ اسلام میں جو پردہ کی حقیقت ہے آج اس حقیقت پر توجہ دینے اور عمل کرنے کی بہت ضرورت ہے، اس سے غفلت، برائیوں اور بے حیائیوں کے لئے چور دروازے کو کھول دیتی ہے اور کھول رہی ہے جس کے نتائج بڑے سنگین نکل رہے ہیں۔

○ یہ زمانہ فتنہ و فساد کا ہے، عقائد و اعمال میں ہر طرف سے بگاڑ آرہا ہے، ضرورت ہے کہ ایسے زمانے میں اپنے عقائد و اعمال کیلئے حضورؐ کے زمانہ اور قرآن و حدیث ہی کو معیار بنایا جائے۔ حضورؐ کے ایک ارشاد کا مفہوم بھی یہی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا اور سنت سے دوری اور بدعت سے قربت رہی تو حضورؐ ایسے افراد کو حوضِ کوثر پہ جامِ کوثر تقسیم نہیں فرمائیں گے، اور آپؐ کا ارشاد ہوگا: ——— "وہ شخص مجھ سے دور ہو جس نے میرے بعد میرے دین میں تبدیلی کر دی"۔

اللہ اس سے ہم سبھوں کو محفوظ رکھے۔ (آمین)

ماہِ مُحَرّم ——— ضروری یادداشت

(۱) نویں دسویں یا دسویں گیارھویں محرم کے روزے مسنون ہیں، ارشادِ رسولؐ کے بموجب ان روزوں کی وجہ سے امید ہے کہ پچھلے ایک سال کے گناہِ صغیرہ معاف کر دیئے جائیں، صرف دسویں محرم کا روزہ مکروہ ہے۔

(۲) عاشورہ کے دن (دسویں محرم) اپنے اور اپنے اہل وعیال کے کھانے پینے میں فراخ دلی کا ثبوت دیا جائے، اس طرح کہ حسب گنجائش عام دنوں سے کھانا زیادہ بھی ہو اور اچھا بھی' ایسا کرنے سے فرمانِ نبیؐ کے مطابق توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے سال روزی میں وسعت اور برکت عطا فرمائے۔ کھانے میں کسی خاص قسم کی قید غیر ضروری اور قابلِ ترک ہے۔

(۳) سنہ ۶۱ھ یوم عاشوراء کو شہادت کربلا کا لرزہ خیز واقعہ پیش آیا، جس کی ذمہ داری حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں "امیر شام (یزید بن معاویہ) سے کہیں زیادہ بعض ماتحت حکام اور بعض تکوینی حالات واتفاقی حوادث پر ہے"۔ عام لوگوں کیلئے کسی طرح بھی یہ مناسب نہیں کہ واقعہ کربلا اور اس کی جزئیات کا ذکر کرکے آپس میں اُلجھیں، اللہ تعالیٰ بہترین فیصلہ فرمانے والے ہیں، روزِ حشر میں وہی فیصلہ فرمائیں گے' اس میں مشغول ہو کر اپنے وقتِ عزیز کو ضائع کرنا دانشمندی نہیں ہے۔

(۴) یومِ عاشوراء واقعہ کربلا سے پہلے ہی معظم ومکرم تھا، یہ بالکل غلط ہے کہ سیدنا حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد یومِ عاشوراء محترم ہوا اور واقعہ شہادت کی وجہ سے روزہ رکھا جاتا ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت حسینؓ کی شہادت کیلئے ایسا مبارک اور معظم دن پسند فرمایا جس کی وجہ سے آپ کی شہادت کے درجات اور فضائل میں زیادتی ہوئی۔

(۵) سنہ ہجری اسلامی کی ابتدا محرم سے ہوئی ہے، جہاں تک ممکن ہو قمری تاریخوں اور سنہ ہجری کا اہتمام کیا جائے، بلا ضرورت اسے چھوڑ کر دوسری تاریخوں اور سنہ کا اختیار کرنا اسلامی غیرت اور ملّی خودداری کے خلاف ہے۔

(۶) محرم کے خصوصی اعمال میں صرف وہ ہیں جن کا ذکر نمبر ۱ و ۲ میں کیا گیا ہے، ان کے علاوہ جو چیزیں رائج ہیں وہ غیر مشروع اور لازماً قابلِ ترک ہیں۔

مجموعہ چہل حدیث

مرتبہ :۔ مولانا عبد الرحمن جامی

قَالَ رَسُولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثاً فِیْ اَمْرِ دِیْنِہَا بَعَثَہُ اللہُ تَعَالٰی فَقِیْہاً وَکُنْتُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ شَافِعاً وَّشَہِیْداً۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے حفظ کرائیں میری امت کو چالیس حدیثیں ان کے دین کے بارے میں، اٹھائے گا اللہ تعالیٰ اسے فقیہ اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنیوالا اور اس کے بارے میں گواہی دینے والا ہوں گا۔) ــــــــ اس عظیم سعادت وفضیلت کو حاصل کرنے کیلئے ذیل میں چالیس حدیثیں پیش کی جارہی ہیں ۔ آپ خود انہیں یاد کرلیجئے اور اپنے گھر والوں اور بچوں اور دینی مدارس ومکاتب کے طلبہ کو بھی یاد کرائیے، یہ حدیثیں جامع اور مختصر ہیں، تھوڑی سی توجہ سے آسانی کے ساتھ یاد کی جاسکتی ہیں۔

ــــــــــــــــ محمد رضوان القاسمی ۔

(۱) لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ (تم میں کوئی مومن نہیں جب تک کہ وہ اپنے بھائی کو مثل اپنی ذات کے دوست نہ رکھے۔) (۲) مَنْ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَاَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ (جس نے اللہ کیلئے دیا اور اللہ کے لئے دوستی کی اور اللہ ہی کے لئے دشمنی کی اور اللہ ہی کے لئے منع کیا، یقیناً اس کا ایمان کامل ہوگیا۔) (۳) اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ یَدِہٖ وَلِسَانِہٖ (مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھوں اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں)

(۴) خَصْلَتَانِ لَا یَجْتَمِعَانِ فِیْ مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ (بخل اور بدخلقی یہ دو خصلتیں مومن میں جمع نہیں ہوا کرتیں) (۵) یَشِیْبُ ابْنُ اٰدَمَ وَتَشِبُّ فِیْہِ خَصْلَتَانِ اَلْحِرْصُ وَطُوْلُ الْاَمَلِ (ابن آدم تو بوڑھا ہوتا چلا جاتا ہے اور حرص اور امید دراز، یہ دو خصلتیں جوان ہوتی چلی جاتی ہیں) (۶) مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللہَ (جو آدمی کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر نہیں کرتا۔) (۷) مَنْ لَا یَرْحَمُ النَّاسَ لَا یَرْحَمُہُ اللہُ (جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ اس پر رحم نہیں کرتا) (۸) اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ وَّمَلْعُوْنٌ مَا فِیْہَا اِلَّا ذِکْرَ اللہِ (سوائے خدا کی یاد کے دنیا

اور جو کچھ دنیا میں ہے سب ملعون ہے) (۹) لُعِنَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرْھَمِ (بندۂ دینار اور درہم پر لعنت کی گئی ہے) (۱۰) دُمْ عَلَی الطَّہَارَۃِ یُوَسَّعُ عَلَیْکَ الرِّزْقُ۔ (ہمیشہ باوضو رہا کرو کہ رزق تجھ پر فراخ ہو) (۱۱) لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ (مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں کاٹا جاتا) (۱۲) اَلْعِدَۃُ دَیْنٌ۔ (وعدہ کرنا قرض ہے)

(۱۳) اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ (جس سے مشورہ لیا گیا وہ امانت دار ہے) (۱۴) اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَۃِ (مجلس امانت کے ساتھ ہوتی ہے) (۱۵) اَلسَّمَاحُ رِبَاحٌ۔ (سخاوت کرنا فائدہ حاصل کرنا ہے) (۱۶) اَلدَّیْنُ شَیْنُ الدِّیْنِ (قرض دین کا عیب ہے) (۱۷) اَلْقَنَاعَۃُ مَالٌ لَا یَنْفَدُ۔ (قناعت وہ مال ہے جو کم نہیں ہوتا) (۱۸) نَوْمُ الصُّبْحَۃِ تَمْنَعُ الرِّزْقَ (صبح کا سونا تنگدستی لاتا ہے) (۱۹) اٰفَۃُ السَّمَاحِ الْمَنُّ (سخاوت کی آفت احسان جتانا ہے۔ (۲۰) اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَیْرِہٖ (سعید وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر عبرت لے) (۲۱) کَفٰی بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ (آدمی کے لئے یہی گناہ کافی ہے جو کان سے سنے اسے زبان سے کہے) (۲۲) کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا (نصیحت دینے والی موت ہی کافی ہے) (۲۳) خَیْرُ النَّاسِ اَنْفَعُھُمْ لِلنَّاسِ (سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو زیادہ نفع دینے والا ہو لوگوں کو) (۲۴) اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ السَّھْلَ الطَّلْقَ (یقیناً اللہ تعالیٰ خوش خلق اور ہنس مکھ لوگوں کو دوست رکھتا ہے) (۲۵) تَھَادُوْا تَحَابُّوْا۔ (آپس میں ہدیہ بھیجا کرو تاکہ دوستی پیدا ہو) (۲۶) اُطْلُبُوا الْخَیْرَ عِنْدَ حِسَانِ الْوُجُوْہِ (خوش چہرہ آدمی کے پاس نیکی ڈھونڈا کرو) (۲۷) زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا۔ (وقفہ سے ملاقات کیا کرو تاکہ محبت زیادہ ہو)

(۲۸) طُوْبٰی لِمَنْ شَغَلَہٗ عَیْبُہٗ عَنْ عُیُوْبِ النَّاسِ (خوشی ہے اس شخص کیلئے کہ جس کا عیب اُسے اوروں کے عیب دیکھنے سے باز رکھے) (۲۹) اَلْغِنٰی اَلْیَاْسُ مِمَّا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ (غنی یہ ہے کہ جو کچھ لوگوں کے ہاتھ میں ہے اس سے ناامید ہو) (۳۰) وَمِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ۔ (آدمی کے حسن اسلام میں سے ہے کہ غیر ضروری چیز کو چھوڑ دے) (۳۱) لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَۃِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ (وہ پہلوان نہیں جو دوسرے پہلوان کو پچھاڑ دے بلکہ وہ پہلوان ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس کا مالک ہو)

(۳۲) لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَۃِ الْعَرَضِ اِنَّمَا الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ (غنی یہ نہیں ہے کہ مال

بہت نہ رکھے بلکہ غنی وہ ہے جو دل کا غنی ہو) (۳۳) اَلْحَزْمُ سُوْءُ الظَّنِّ (مرد کی ہوشیاری یہ ہے کہ اپنے نفس پر بدگمان رہے) (۳۴) اَلْعِلْمُ لَا یَحِلُّ مِنْهُ صَدٌّ (علم سے کسی کو روکنا اور نہ بتانا یہ حلال نہیں ہے) (۳۵) اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ لِلسَّائِلِ صَدَقَةٌ (سائل سے نرم بات کرنا بھی صدقہ ہے) (۳۶) كَثْرَةُ الضِّحْكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ (بہت ہنسی دل کو مردہ کر دیتی ہے) ——
(۳۷) اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ (جنت تو ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے) ——
(۳۸) اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ ۔ (بکواس پر بلا رسوار ہے) (۳۹) اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ (نامحرم کو دیکھنا ابلیس کا ایک زہر آلود تیر ہے) (۴۰) لَا يَشْبَعُ الْمُؤْمِنُ دُوْنَ جَارِهٖ (مؤمن کو پیٹ بھرنا بغیر اپنے ہمسائے کے نہیں چاہیے) ●●

کلمہ طیبہ کی تصدیق

قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ یعنی اس بات کا اقرار کرو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

بظاہر یہ چھوٹا سا کلمہ ہے لیکن فی الحقیقت بہت بڑا ہے، اسی کلمہ کے ذریعہ ایک انسان اسلام میں داخل ہوتا ہے، اس کلمہ کا اقرار کرنے والا دراصل اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اب میں دنیا کی ہر حاکمیت سے چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی. بیزاری کا اعلان کرتا ہوں اور صرف اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اقرار کرتا ہوں۔ اب میری تمام عبادتیں اور اطاعتیں صرف اللہ کے لئے ہوں گی اور میں ان میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کروں گا۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری رسول تسلیم کرتا ہوں اور میں اس پر یقین رکھتا ہوں کہ انسان کی فلاح و کامیابی آپؐ ہی کے بتائے ہوئے طریقہ میں ہے، اس اعلان واقرار کے بعد ایسے شخص پر ضروری ہے کہ وہ اللہ کی خوشی کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی خوشی کا لحاظ نہ رکھے، ہر معاملہ میں اللہ کا منشا معلوم کرے اور کوئی کام بھی خدا کی کتاب اور رسولؐ کی سنّت کے خلاف نہ کرے۔

زندگی کی یہی تبدیلی اس کلمہ کے اقرار کی تصدیق ہے، جسے فسادِ فکر و عمل کے اس دور میں سمجھنے کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

پند و نصائح

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَ شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ

[یونس: ۵۷]

اے لوگو! بالیقین تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کے پاس سے آگئی ہے، اور شفا بھی ان بیماریوں کے لئے جو سینہ میں ہوتی ہیں اور ایمان والوں کے حق میں ہدایت اور رحمت،

الدین النصیحۃ۔ قلنا لمن۔ قال: للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم [مسلم]

دین خیر خواہی کا نام ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے دریافت کیا کہ کس کے ساتھ اے اللہ کے رسول؟ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول، ائمۂ مسلمین اور تمام مسلمانوں کے ساتھ،

ناصحِ اعظمؐ کی چند نصیحتیں

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے ——— میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! مجھے نصیحت فرمائیے، آپؐ نے فرمایا، میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں، اس سے تمہارے کام درست ہو جائیں گے۔ میں نے کہا اور ارشاد فرمائیے۔ فرمایا، قرآن مجید پڑھتے رہا کرو، اس کی بدولت آسمان میں تمہارا ذکر ہوگا اور زمین میں تمہیں روشنی نصیب ہوگی۔ میں نے کہا اور فرمائیے۔ فرمایا، چپکے زیادہ رہا کرو کیوں کہ یہ شیطان کو بھگانے کا ذریعہ ہے۔ اور دینی معاملوں میں اس سے مدد ملے گی۔ میں نے کہا کچھ اور۔ فرمایا، زیادہ ٹھٹھے مارنے سے بچو، کیوں کہ اس سے دل مردہ ہوتا ہے اور چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے، کہا کچھ اور۔ فرمایا، ہمیشہ سچ کہو خواہ کڑوا ہی کیوں نہ ہو۔ کہا کچھ اور۔ فرمایا، اللہ کے معاملے میں کسی کے بُرا کہنے کا خوف نہ کرو۔ کہا کچھ اور۔ فرمایا اپنے عیبوں پر نظر رکھو تاکہ لوگوں کے عیوب تلاش کرنے کی بُری عادت چھوٹے ——— (مشکوٰۃ شریف)

ناصحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواہش پر یہ جو چند نصیحتیں فرمائی ہیں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آپ انہیں لوحِ دل پر نقش کر لیجئے اور جب تک جسم و روح کا تعلق باقی ہے اس وقت تک ان نصیحتوں کا اپنے آپ کو پابند بنائے رکھئے کہ اس سے اخلاق کی بلندی، کردار کی پاکیزگی اور فلاحِ دارین نصیب ہوگی۔
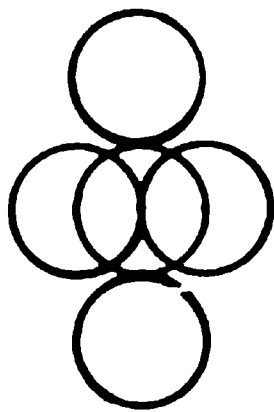
بیس بنیادی باتیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مختلف اوقات میں مختلف وفود آئے ہیں، ان وفود میں ایک وفد "ازد" بھی ہے، یہ وفد جب حاضر ہوا تو آپؐ نے ان کی وضع قطع کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا، دریافت فرمایا، تم کون ہو؟ انہوں نے کہا، ہم مومن ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے، بتاؤ کہ تمہارے قول اور ایمان کی حقیقت کیا ہے، انہوں نے کہا، ہم پندرہ خصلتیں رکھتے ہیں، پانچ وہ ہیں جن پر اعتقاد رکھنے اور پانچ وہ ہیں جن پر عمل کرنے کا حکم آپکے بھیجے ہوئے لوگوں نے دیا ہے، پانچ وہ ہیں جن پر ہم پہلے سے پابند ہیں۔

پانچ باتیں جن پر حضورؐ کے مبلغین نے ایمان لانے کا حکم دیا یہ ہیں (۱) ایمان خدا پر (۲) فرشتوں پر، (۳) اللہ کی کتابوں پر (۴) اللہ کے رسولوں پر (۵) مرنے کے بعد جی اٹھنے پر۔

پانچ باتیں عمل کرنے کی ہم کو یہ بتائی گئی ہیں (۱) لا الٰہ الا اللہ کہنا (۲) پانچ وقت کی نمازوں کا قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ دینا (۴) رمضان کے روزے رکھنا (۵) بیت الحرام کا حج کرنا جسے وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو،

پانچ باتیں جو پہلے سے معلوم ہیں وہ یہ ہیں: (۱) آسودگی کے وقت شکر کرنا (۲) مصیبت کے وقت صبر کرنا (۳) قضائے الٰہی پر رضامند ہونا (۴) امتحان کے مقامات میں راست بازی پر قائم رہنا۔ (۵) دشمنوں کو خندہ زنی کا موقع نہ دینا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری پانچ باتوں کو سن کر ارشاد فرمایا، جنہوں نے ان باتوں کی تعلیم دی وہ حکیم و عالم تھے اور ان کی دانشمندی سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا انبیاء تھے۔

اچھا پانچ چیزیں اور بتا دیتا ہوں تاکہ پوری بیس خصلتیں ہو جائیں یہ۔

(۱) وہ چیزیں جمع نہ کرو جسے کھانا نہ ہو۔ (۲) وہ مکان نہ بناؤ جس میں بسنا نہ ہو۔

(۳) ایسی باتوں میں مقابلہ نہ کرو جنہیں کل چھوڑ دینا ہو۔

(۴) خدا کا تقویٰ اختیار کرو جس کی طرف لوٹ جانا اور جس کے حضور میں پیش ہونا ہے۔

(۵) ان چیزوں کی رغبت رکھو جو آخرت میں تمہارے کام آئیں گی، جہاں تم ہمیشہ رہو گے۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے بہت خوش واپس ہوئے اور آپؐ کی وصیت پر پورا پورا عمل کیا۔

کرنے اور نہ کرنے کے کام

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ کا ارشاد ہے کہ مذہبِ اسلام محاسنِ اخلاق اور محاسنِ اعمال سے گھرا ہوا ہے جن میں سے بعض یہ ہیں :۔

کرنے کے کام

۱۔ دوستوں، عزیزوں اور تمام ملنے والوں سے اچھا سلوک کرنا۔

۲۔ نیک عمل کرنا۔

۳۔ سب سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔

۴۔ سب پر احسان اور بخشش کرنا۔

۵۔ لوگوں کو کھانا کھلانا اور سلام کو عام کرنا، (یعنی جان پہچان ہو یا نہ ہو ہر مسلمان کو سلام کرنا)

۶۔ بیمار کی عیادت کرنا خواہ نیک ہو یا بد، اپنا ہو یا بیگانہ۔

۷۔ مسلمان کے جنازے کے پیچھے چلنا۔

۸۔ پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔

۹۔ ہر مسلمان بوڑھے آدمی کی تعظیم کرنا۔

۱۰۔ جو شخص کھانے کی دعوت کرے اس کو قبول کرنا اور دعوت کرنیوالے کیلئے دعا کرنا۔

۱۱۔ لوگوں کی خطاؤں اور زیادتی کو معاف کرنا۔

۱۲۔ جن لوگوں میں اختلاف ہو ان میں صلح کرا دینا۔

۱۳۔ سخاوت، شرافت اور ہمت کو اختیار کرنا۔

۱۴۔ سلام کرنے میں سبقت کرنا۔

۱۵۔ غصے کو پی جانا، یعنی اس کے مقتضیٰ پر عمل نہ کرنا۔

نہ کرنے کے کام

۱۔ لہو و لعب

۲۔ تمام باطل کام

۳۔ گانا بجانا اور مزامیر۔

۴۔ کینہ

۵۔ مکر و فساد۔

۶۔ جھوٹ اور غیبت۔

۷۔ بخل اور کنجوسی۔

۸۔ تیز مزاجی۔

۹۔ مکر اور دھوکہ بازی۔

۱۰۔ چغل خوری۔

۱۱۔ قطعِ رحمی۔

۱۲۔ باہمی نااتفاقی۔

۱۳۔ بد خلقی۔

۱۴۔ تکبر اور فخر۔

۱۵۔ بے شرمی۔

۱۶۔ بغض اور حسد۔

۱۷۔ بری فال لینا۔

۱۸۔ بغاوت۔

۱۹۔ ظلم کرنا۔

۲۰۔ کسی کی مدح میں مبالغہ آمیز زبان درازی

۲۱۔ کسی کام میں حد سے تجاوز۔

حضرت عمرؓ کی زرّیں نصیحتیں!!

★ جس شخص نے تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے (یعنی تمہارے اُوپر ظلم کیا ہے) اس کی سزا اس سے بہتر نہیں ہوسکتی کہ اس کے بارے میں تم اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرو (یعنی درگذر کرو اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرو)۔

★ اپنے بھائی کے ہر معاملہ کو بہتر صورت پر محمول کرو، یہاں تک کہ کوئی ایسی بات پیش آجائے جس کی تاویل نہ ہوسکے۔

★ مسلمان کی ہر بات کو خیر و بھلائی پر محمول کرو اور اس کے متعلق حتی الامکان بدگمانی نہ کرو۔

★ تہمت کے موقعہ پر اپنے کو پیش کرنے سے بچو، جو شخص تہمت کے موقعہ پر خود کو پیش کرنے سے نہیں پرہیز کرتا تو بدگمانی کرنے والوں سے زیادہ وہ خود ملامت کا مستحق ہے۔

★ جو شخص کسی راز کو چھپائے ہوئے ہے، اختیار اس کے قبضہ میں ہے، بات کہہ دینے کے بعد پوشیدہ رکھنے کی فرمائش بے کار ہے۔

★ سچے آدمیوں کی صحبت اختیار کرو، ان کی حمایت کے سایہ میں اطمینان کی زندگی بسر ہوگی۔

★ سچائی کو بہر صورت اختیار کرو اگرچہ وہ تمہیں قتل ہی کردے۔

★ بے کار باتوں میں دخل مت دو۔

★ اپنی ضرورت کی درخواست اس سے مت کرو جو اس میں تمہاری کامیابی کو پسند نہیں کرتا۔

★ جھوٹی قسم کھا کر ذلیل مت بنو، اللہ تمہیں جھوٹی قسم کی سزا میں ہلاک کردے گا۔

★ بُرے لوگوں کی صحبت اختیار نہ کرو، تم بھی ان کی برائی سیکھ جاؤ گے۔

★ اپنے دشمن سے علٰحدہ رہو، دوست سے احتیاط برتو مگر جب کہ وہ امانت دار ہو، اور امانت دار صحیح معنوں میں وہی ہوسکتا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔

★ قبروں کے پاس خشوع و خضوع سے کام لو۔

★ اپنے معاملہ میں اُن سے مشورہ کرو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

اُس وقت بھی نصیحت فرماتے رہے!

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظمؓ جان کنی کے عالم میں بستر پر لیٹے ہوئے ہیں، نبض کی رفتار سست پڑ چکی ہے، خون بکثرت بہہ جانے سے جسم لاغر ہو گیا ہے، آنکھیں ویران ہیں، ہونٹ خشک ہیں، اسی اثنا میں پلنگ کے قریب سے ایک نوجوان گذرتا ہے، پاؤں کی چاپ سُن کر غیرارادی طور پر آپ کی نگاہیں اس کی طرف اُٹھ گئیں، نوجوان کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا تھا، آپ نے اس کو اشارہ سے روکا اور نحیف آواز میں فرمایا:

"بیٹے! پاجامہ ٹخنوں سے اوپر باندھا کرو۔ اس میں بیک وقت تم کو دو فائدے ہوں گے ایک دنیوی فائدہ اور دوسرا اخروی۔ دنیوی فائدہ تو یہ ہوگا کہ تمہارا پاجامہ جلد گندہ نہیں ہوگا، اور اخروی فائدہ یہ ہوگا کہ میدانِ حشر میں ربّ العزت کے نگاہِ کرم سے محروم نہ ہوگے"۔

قدرے توقف کے بعد آپ نے پھر فرمایا:

"اور پاجامہ ٹخنوں کے نیچے باندھنے میں اس کے برعکس ہوگا، یعنی یہ کہ پاجامہ وقت سے پہلے گندہ ہو جائے گا اور میدانِ حشر میں ربّ العزت کی نگاہ کرم سے محروم رہو گے"۔

اس واقعہ سے پاجامہ یا ازار کا ٹخنوں سے نیچے باندھنے کی مذمت تو ہوتی ہے اس کے ساتھ اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرات صحابۂ کرامؓ اور بزرگانِ دینؒ شریعت کی پابندی اور اس کے احکام کی حفاظت میں کس قدر "چوکس" تھے۔ غور کیجئے! حضرت فاروق اعظمؓ جان کنی کے عالم میں ہیں اور آنکھیں ویران ہیں مگر خلاف شریعت ایک چیز سامنے آئی تو گویا ان کے جسم کے ایک ایک حصہ سے طاقت نچڑ کر آنکھ اور زبان میں آ گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنکھ نے اس بُرائی کو صاف دیکھا اور یہ بُرائی کانٹا بن کر کھٹکنے لگی۔ اور زبان گویا ہوئی تو پوری ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ موعظت و نصیحت کے موتی بکھیر دیئے۔

بحیثیتِ مسلمان ہمیں اور آپ کو اس واقعہ کی روشنی میں جائزہ لینا چاہیئے۔

تقربِ الٰہی کا ذریعہ

ابومسلمؔ فارس بن غالب، شیخ ابوسعید ابوالخیر فضل اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دم بخود رہ گئے وہ تو شیخ کی درویشی اور خدارسیدگی کا چرچا سُن کر ان سے فیضیاب ہونے آئے تھے لیکن یہاں تو عالَم ہی دوسرا تھا۔ شیخ ابوسعید ایک مسند پر گاؤتکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ایک پاؤں اپنی دوسری ٹانگ پر بڑی تمکنت سے رکھے ہوئے تھے، لباس عمدہ اور برف کی طرح سفید تھا اور ایک بیش قیمت مصری چادر اوڑھ رکھی تھی، ادھر ابومسلم کا یہ حال کہ بہت معمولی کپڑے بدن پر تھے اور وہ بھی میلے کچیلے، جسم مجاہدے سے دُبلا پتلا اور رنگ زرد ہو رہا تھا۔ دل میں بیزاری کے جذبات پیدا ہوئے، اپنے آپ سے کہنے لگے: میں بھی درویش ہوں اور یہ بھی درویش ہے، میں ریاضت اور مجاہدے سے پگھلا جاتا ہوں اور یہ بڑے عیش اور آرام سے زندگی بسر کر رہا ہے۔

شاید چہرے نے دل کے جذبات کی غمازی کی، ابوسعید بھانپ گئے فرمایا: ابومسلم! تم نے کس کتاب میں دیکھا ہے کہ صاف ستھرا رہنا، اچھی غذا کھانا اور عمدہ لباس پہننا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے؟ اور یہ کہاں لکھا ہے کہ عمدہ لباس پہننے اور خوشحالی کی زندگی بسر کرنیوالا درویش کہلانے کا مستحق نہیں؟ جب میں نے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ ادا کیا اور دامنِ طاعت ہاتھ سے نہ چھوڑا تو خدا نے مجھے تخت پر بٹھایا اور مزید نعمتیں عطا کیں لیکن جب تم نے محض اپنے آپ کو دیکھا اور رہبانیت اختیار کر کے اللہ سے اس کی جائز نعمتیں بھی طلب نہ کیں تو فرشِ خاک پر بیٹھنے اور میلے کچیلے کپڑے پہننے کے سوا تمہیں کچھ نصیب نہ ہوا۔ ہمارے حصہ میں مشاہدہ آیا اور تمہارے حصہ میں مجاہدہ، لیکن مشاہدہ مجاہدہ سے بہت بلند چیز ہے۔

ابومسلم خاموش بیٹھے سن رہے تھے، شرم و ندامت سے ان کا سر جھک گیا تھا، انہیں زندگی میں پہلی بار محسوس ہوا کہ کسی شخص کے ظاہر کو دیکھ کر اس کے باطن کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، خدا کا تقرب، رہبانیت کی زندگی بسر کرنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اپنے جسم و روح اور اہل و عیال کے تقاضے اور اس کے بندوں کے حقوق پورے کرنے سے ملتا ہے۔

ہر بات دس ہزار کی!

امام شعبیؒ (پ ۱۷ھ م ۱۰۲ھ) ایک جلیل القدر تابعی اور مشہور محدث ہیں، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو صغر سنی ہی میں علم و فضل کے اعتبار سے ائمہ میں شمار ہونے لگے تھے کا قول نقل کرتے ہیں:

"میں ایک دفعہ اپنے والد محترم (حضرت عباسؓ) کی خدمت میں حاضر تھا، وہ مجھ سے فرمانے لگے میں اس شخص کو (یعنی حضرت عمرؓ) کو دیکھتا ہوں کہ تجھ سے اکثر امور میں رائے لیتے ہیں اور اکابر صحابہؓ پر ترجیح دیتے ہیں۔ سو میں تجھ کو چار باتوں کی نصیحت کرتا ہوں: (۱) ان کا راز کبھی ظاہر نہ کرنا۔ (۲) اپنے اوپر جھوٹ آزمانے کا موقع نہ دینا۔ (۳) ان سے نصیحت اور خیر خواہی کی بات نہ چھپانا۔ (۴) ان کے پاس کسی کی غیبت نہ کرنا۔

امام شعبیؒ یہ سن کر بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے "بخدا ہر بات ہزار روپے سے بہتر ہے"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جواب میں فرمایا "ہاں بلکہ دس ہزار روپے سے بھی بہتر ہے"

واقعہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ کو بطور نصیحت جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں ان میں سے ہر بات دس ہزار روپے سے بھی بہتر ہے۔ انسان کا یہ اخلاقی کمال ہے کہ اپنے دوستوں اور ہم نشینوں کا راز افشا نہ کرے، جھوٹ آزمانے کا موقع فراہم نہ کرے۔ ان کیلئے اپنے دل میں خیر خواہی کا جذبہ رکھے، ان کے سامنے کسی کی غیبت اور برائی بیان نہ کرے، ان میں سے کسی ایک بات کی بھی خلاف ورزی انسان کے وقار اور اعتبار کو متاثر اور مجروح کرنے کیلئے کافی ہے۔

دین و دنیا کی کامیابی کے اصول

وصایا: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح

تلخیص: حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہٗ خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رح

(۱) میں اپنے دوستوں کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً بہت تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم دین کا خود سیکھنا اور اولاد کو تعلیم دلانا ہر شخص پر فرضِ عین ہے، بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ فتنِ دینیہ سے حفاظت ہو سکے جن کی آجکل بے حد کثرت ہے۔ اس میں ہرگز غفلت و کوتاہی نہ کریں۔

(۲) طالبِ علموں کو وصیت کرتا ہوں کہ نرے درس و تدریس پر مغرور نہ ہوں، اس کا کار آمد ہونا موقوف ہے اہل اللہ کی خدمت و صحبت اور نظرِ عنایت پر، اس کا التزام نہایت اہتمام سے رکھیں۔

(۳) دینی و دنیوی مضرتوں پر نظر کر کے اِن امور سے خصوصیت کے ساتھ احتیاط رکھنے کا مشورہ دیتا ہوں (۱) شہوت و غضب کے مقتضا پر عمل نہ کریں (۲) تعجیل نہایت بری چیز ہے (۳) بے مشورہ کوئی کام نہ کریں (۴) غیبت قطعاً چھوڑ دیں (۵) کثرتِ کلام اگرچہ مباح کے ساتھ ہو اور کثرتِ اختلاطِ خلق بلا ضرورت شدیدہ نہایت مضر چیز ہے (۶) بدوں پوری رغبت کے کھانا نہ کھائیں (۷) بدوں سخت تقاضا کے ہمبستر نہ ہوں (۸) بدوں سخت حاجت کے قرض نہ لیں (۹) فضول خرچی کے پاس نہ جائیں۔ (۱۰) غیر ضروری سامان جمع نہ کریں (۱۱) سخت مزاجی اور تند خوئی کی عادت نہ ڈالیں، رفق و ضبط اور تحمل کو اپنا شعار بنائیں (۱۲) زیادہ تکلف سے بہت بچیں، اقوال و افعال میں بھی، طعام و لباس میں بھی؛ (۱۳) مقتدار کو چاہیئے کہ امراء سے بدخلقی نہ کرے اور نہ زیادہ اختلاط کرے اور نہ ان کو حتی الامکان مقصود بنائے بالخصوص دنیوی نفع حاصل کرنے کے لئے (۱۴) معاملات کی صفائی کو دیانات سے بھی زیادہ مہتم بالشان سمجھیں (۱۵) روایات و حکایات میں بے انتہا احتیاط کریں، اس میں بڑے بڑے دیندار اور فہیم لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں (۱۶) بلا ضرورت بالکلیہ اور ضرورت میں بلا اجازت

طبیب حاذق شفیق کے کسی قسم کی دوا ہرگز استعمال نہ کریں (۱۷) زبان کی غایت درجہ ہر قسم کی معصیت اور لایعنی سے احتیاط رکھیں (۱۸) حق پرست رہیں اپنے قول پر جمود نہ کریں (۱۹) تعلقات نہ بڑھائیں (۲۰) کسی کے دنیوی معاملہ میں دخل نہ دیں۔

(۴) میں اپنے تمام منتسبین سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنی عمر بھر یاد کرکے ہر روز سورۂ یٰسین شریف یا تین بار قل ھو اللہ شریف پڑھ کر مجھ کو بخش دیا کریں مگر اور کوئی امر خلافِ سنت بدعات عوام و خواص میں سے نہ کریں۔

(۵) حتی الامکان دنیا و مافیہا سے جی نہ لگائیں اور کسی وقت فکرِ آخرت سے غافل نہ ہوں ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں کہ اگر اسی وقت پیام اجل آجائے تو فکر اس تمنا کا مقتضی نہ ہو لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (اے میرے پروردگار! مجھے اور کچھ دن مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا)

اور ہر وقت یہ سمجھیں ؎ شاید ہمیں نفس، نفس واپسیں بود

(شاید یہ سانس ہی آخری سانس ہو)

اور علی الدوام دن کے گناہوں سے قبل رات کے اور رات کے گناہوں سے قبل دن کے استغفار کرتے رہیں اور حتی الوسع حقوق العباد سے سبکدوش رہیں۔

(۶) خاتمہ بالخیر ہونے کو تمام نعمتوں سے افضل و اکمل اعتقاد رکھیں اور ہمیشہ خصوصاً بعد پانچوں نمازوں کے نہایت لجاجت و تضرع سے اس کی دعا کیا کریں اور ایمان حاصل پر شکر کیا کریں کہ حسبِ وعدہ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ (اگر تم شکر کرو گے تو ہم بالضرور نعمتوں کو بڑھا دیں گے) یہ بھی اعظم اسباب ختم بالخیر سے ہے اور اسی کے ساتھ میں اپنے لئے بھی ا لئے درخواست کرکے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا بھی خاتمہ ایمان پر فر...

(از اشرف السوانح جلد سوم ملخصاً ص۱۴ تا ص۱۶)

عام مسلمان اور علماءِ اسلام خوشگوار تعلقات کی بنیادیں

از: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح

"عام مسلمان، علماء اسلام کو مخدوم سمجھیں، وہ کام جو دین کا کر رہے ہوں، بدون ان کی استدعا کے اس میں اعانت کریں، مالی بھی اور غیر مالی بھی، جو بات پوچھیں، ادب سے پوچھیں، دلائل دریافت نہ کریں، اگر کوئی شبہ رہے، معاندانہ سوال نہ کریں، مستفیدانہ پوچھیں، ان سے کوئی لغزش ہو جائے تو ان کی مذمت نہ کریں، آخر وہ بھی بشر ہیں اور اس حال میں بھی تمہارے نفع و ہدایت کے لئے کافی ہیں، تم ان کے اقوال پر عمل کرو، افعال کو مت دیکھو، تمہارا شبہ ایک سے حل نہ ہو تو دوسروں سے حل کرو، مگر ایک کا قول دوسرے کے روبرو مت نقل کرو۔

اور علماء کو چاہیئے کہ عام مسلمانوں کو اپنا برابر کا بھائی سمجھیں، ان سے تعظیم و خدمت کے متوقع نہ ہوں، اگر بلا توقع کچھ کر دیں تو سمجھیں کہ علم دین کی خدمت تو ہمارے ذمہ تھی ہی، انہوں نے احسان کیا کہ ہماری اعانت کی، اس میں قیل و قال نہ کریں، جیسے بعض کی عادت ہے کہ کہیں تنخواہ پر تکرار ہے، کہیں ترقی کا تقاضہ، کہیں نذرانہ پر بحث، اگر کسی سے کچھ بے تمیزی ہو جائے تو یہ سوچ کر صبر کریں کہ جب ان کو ہمارے برابر کا علم نہیں تو ہمارے برابر تمیز کیسے ہو گی؟ اگر کسی کو قولاً یا فعلاً شرع کے خلاف دیکھیں تو جس پر قدرت و حکومت نہ ہو اس پر تشدد نہ کریں، نرمی سے بہت اصلاح ہوتی ہے، اگر عامی کوئی حق بات کہے تو قبول کرنے سے عار نہ کریں، اگر کسی مسئلہ میں اپنی غلطی ظاہر ہو تو اعلان کر دیں۔"
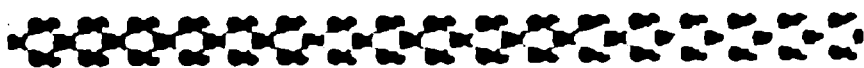
حضرت شیخ جیلانیؒ کی وصیّت!

"بیٹا! میں تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے اور خائف رہنے کی اور اپنے والدین وجملہ مشائخ کے ضروری حقوق سمجھنے کی کہ اس سے اللہ راضی ہوتا ہے، کھلے اور چھپے حق کی حفاظت کرتے رہو، قرآن کی تلاوت اور اس میں غور وفکر مت چھوڑ، علمِ دین سے ایک قدم بھی مت ہٹ، علمِ فقہ پڑھ، عامی جاہل صوفی نہ بن، اہلِ سنت کے عقائد اختیار کر اور بدعت سے اجتناب کر، نوعمر لڑکوں، عورتوں، امیروں اور عوام الناس سے خلاملا مت رکھ، تھوڑی دنیا پر قناعت کر، تنہائی اختیار کر، خوفِ خدا سے رویا کر، حلال روزی کھایا کر، یہ نیکیوں کی کنجی ہے حرام کو ہاتھ نہ لگا کہ یہ قیامت کی آگ ہے، حلال لباس پہن، ایمان وعبادت میں حلاوت پائے گا، اللہ کے سامنے حاضر ہونے کو مت بھول، شب کی نماز اور دن کے روزوں کی کثرت رکھ ——— ہر حالت میں نیک وبد کے ساتھ تہذیب کا برتاؤ کر، ساری مخلوق کو اپنے سے بہتر سمجھ، ان کو شفقت واحترام سے دیکھ، بے خوف نہ ہو اللہ کی تدبیر سے، ناامید نہ ہو اس کی رحمت سے، زندگی گذار خوف وامید کے درمیان، جان ومال اور آبرو سے اللہ والوں کا خدمت گذار بنا رہ، ان کے عادات واوقات کا لحاظ رکھ، ان پر اعتراض نہ کر، ہاں اگر خلافِ شریعت بات ہو تو ان کا اتباع مت کر، لوگوں سے کچھ نہ مانگ اور نہ ان کا مقابلہ کر، توکل کر جتنا قسمت میں ہے اللہ دے گا۔ جو کچھ ملا ہے اس میں نفس اور دل کا سخی بن، بخیل وحاسد آگ میں جائیں گے، اپنا حال مخلوق پر ظاہر مت کر، رزق کے معاملہ میں اللہ پر بھروسہ کر، مخلوق پر بھروسہ کرنے سے حق تعالیٰ کے دروازے سے دھکا ملے گا، روزانہ محاسبہ کیا کر اور دیکھ کہ آج کتنے گناہ کیے اور کتنے ثواب کے کام۔ مخلوق کا خیر خواہ بن، نہ کھا مگر بھوک پر، نہ سو مگر غلبۂ نیند پر، نہ بول مگر بضرورت۔ نمازوں، روزوں کی کثرت رکھ۔ تیرا دل غمگین ہو، عمل ریا سے خالص، دعا میں کوشش، فقراء وغرباء رفیق ہوں، تیرا گھر مسجد ہو، تیری جائیداد علم دین ہو۔

بیٹا! ——— دنیا کی خوبصورتی سے دھوکہ نہ کھا، دن رات آخرت کا کوچ ہے"

مالکِ تیری رضا رہے اور تو ہی تو رہے !!

محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ارشاد فرمایا "اپنی ظاہری و باطنی آنکھوں کو غیراللہ سے ہٹا کر صرف ہستی باری تعالیٰ پر مرتکز کر دے، مخلوقات کو نہ دیکھ بلکہ خالق و پروردگار کو دیکھ اور اگر مخلوقات کا مشاہدہ کرنا بھی ہے تو تیری نظر کا منتہا ان مخلوقات کا خالق و صانع ہونا چاہیئے تاکہ اس کی عظمت و عرفان حاصل کر سکے اور اس کی توحید کو سمجھے، اسی طرح میں تجھے تاکید کرتا ہوں کہ اس کائنات کی جہات یعنی سمتوں میں بھی نہ دیکھ بلکہ اس غیر فانی اور ابدی ہستی کا مشاہدہ کر جو مکان و زمان اور جہات سے آزاد و بالاتر ہے۔

پس جب تک تیری نظر محض مخلوقات میں الجھی رہے گی تجھ پر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے اسرار منکشف نہیں ہو سکتے، لہٰذا تو ایک جہت توحید کی خاطر دیگر تمام جہتوں سے روگردانی اختیار کرے۔

پھر تیرے باطن سے نورِ توحید تیرے ظاہر پر بھی پر تو فگن ہو گا اور تیرے اعضاء و جوارح سے کرامت کا ظہور ہو گا۔ لیکن ایک دفعہ اللہ تعالیٰ پر نگاہ و توجہ کو مرتکز کر دینے کے بعد اگر تو پھر غیراللہ اور مخلوقات کو اپنی نگاہ و توجہ کا مرکز بنائے گا تو شرک کا مرتکب ہو گا، تیری چشمِ قلب پر حجاب پڑنے لگیں گے جس کے نتیجہ میں تو قبض کی کیفیت میں مبتلا ہو گا، یہ سزا ہو گی شرک کی اور غیراللہ میں منہمک ہونے کی۔

پھر جب تو اللہ تعالیٰ کو ذات و صفات میں یکتا جانتے ہوئے اپنے عشق و توجہ کا مرکز اسی کو قرار دے، اس کے فضل و کرم پر نظر رکھے گا اور اپنی امیدیں اور توقعات اسی سے وابستہ کرے گا اور اپنے آپ کو ماسویٰ اللہ سے بے گانہ و نا آشنا بنائے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے اپنے سے نزدیک کر لے گا اور تجھے مقامِ صدق میں جگہ دے گا۔ پھر وہ اپنی گوناگوں نعمتیں تجھ پر وسیع کر دے گا، ہر مشکل میں تیری امداد و اعانت فرمائے گا اور ہمیشہ تیرا حافظ و ناصر ہو گا، پس اللہ کی ذات پر اپنی نگاہ و توجہ کو مرتکز کرنے کے بعد تو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جائے گا جو مومن کی حیاتِ طیبہ کا انتہائی مقصود ہے"۔

حسن البنا شہیدؒ کی پُرسوز نصیحتیں!

- حالات خواہ کیسے ہی ہوں جب اذان کی آواز تمہارے کانوں میں پڑ جائے تو نماز کے لئے اُٹھ کھڑے ہو جاؤ ______
- تم قرآن کی تلاوت کرو یا اس کا بغور مطالعہ کرو یا اسے کسی دوسرے سے سنو، بہر حال تم اپنے وقت کا کوئی بھی حصہ بے فائدہ کام میں صرف نہ کرو اور قرآن سے اپنے گہرے تعلق اور وابستگی کا ثبوت دو۔
- فصیح اور صاف ستھری عربی زبان میں گفتگو کرنے کی کوشش کرو، کیوں کہ یہ کام بھی شعائرِ اسلام میں سے ہے ______
- خواہ کسی نوعیت کا معاملہ ہو تم اس میں زیادہ بحث و مجادلہ سے کام نہ لو کیوں کہ بحث و مجادلہ سے بہتر نتیجہ برآمد نہیں ہوتا ______
- زیادہ نہ ہنسو، جو دل خدا سے وابستہ ہوتا ہے وہ بے حد پُرسکون اور غرقِ طمانیت ہوتا ہے۔
- مسخرہ پن اختیار نہ کرو، مجاہد اور محنتی قوم سنجیدگی کے سوا کسی چیز سے آشنا نہیں ہوتی۔
- سننے والے کی ضرورت سے زیادہ آواز بلند نہ کرو، ورنہ اس میں رعونت بھی ہوگی اور دوسروں کے لئے اذیت بھی ______
- لوگوں کی غیبت اور جماعتوں پر طعن و تشنیع سے بچو اور بھلی بات کے سوا تمہاری زبان سے کوئی لفظ نہ نکلے۔
- جس رفیق سے بھی تمہاری ملاقات ہو تم اس سے اپنا تعارف کراؤ، خواہ اس نے اس خواہش کا اظہار کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ کیوں کہ اسلامی دعوت کی بنیاد محبت اور تعارف پر استوار ہے، حدیث میں بھی صراحتاً اس طرف توجہ دلائی گئی ہے ______
- اوقات کم اور فرائض زیادہ ہیں، فرائض کی ادائیگی میں رفقاء کا تعاون کرو تاکہ وہ وقت کو زیادہ سے زیادہ کام میں لاسکیں اور اگر تمہارے اوپر کوئی ذمہ داری ہے تو اسے جلد سے جلد اور حسن و خوبی کے ساتھ ادا کرنے کیلئے سرگرم ہو جاؤ ______

نوجوانوں کو نصیحت

"میں نوجوان لڑکے لڑکیوں کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں اور یہ میری پوری زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہے۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں جب بھی شادی کرنا چاہیں اس کی بنیاد اس نام نہاد محبت کو نہ بنائیں جو شادی سے قبل (مغرب کی اندھی تقلید میں) جڑ پکڑتی ہے، عشق کی شادیاں دیرپا اور کامیاب ثابت نہیں ہوتیں، جذباتی کیفیت جسے محبت اور عشق کا نام دیا جاتا ہے وہ ایک انگارہ ہوتا ہے جو دو تین سال میں بجھ جاتا ہے، محبت دم توڑ دیتی ہے اور یہ نفرت میں یا کم از کم بے اعتنائی میں بدل جاتی ہے خصوصاً جب اولاد پیدا ہو جاتی ہے تو یہ جذبات سرد پڑ جاتے ہیں۔

شادی کے بارے میں میری نصیحت ہے کہ پہلے نمبر پر والدین کی رضا ضروری ہے اور دوسرے نمبر پر میاں بیوی کی موافقت، اگر ایسا نہ کیا جائے تو شادی کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، شادی کا تعلق میاں بیوی کے درمیان محض وقتی اور جنسی دوستی کی بنیاد پر قائم نہیں رہ سکتا، اس کی بنیاد خلوص، تعلق اور باوفا دوستی پر ہونی چاہیئے، ہر ایک دوسرے کیلئے اخلاص و وفا کے جذبات رکھے گا تو گھر جنت کا نظیر ہو گا اور شادی دائمی اور باسعادت ثابت ہو گی۔

بربادی ہو ایسے میاں بیوی کی جو شادی کے بعد اپنے ساتھی کے علاوہ کسی اور پر ریجھنے لگیں یا اس کے لئے اپنے دِل میں محبت کے جذبات پالنا شروع کر دیں۔

میں نوجوان لڑکے لڑکیوں سے کہتا ہوں کہ والدین کے انتخاب پر راضی رہو یا پھر اپنے انتخاب پر والدین کو راضی کرنے کی کوشش کرو، والدین کی ناراضی کا مطلب ہے نہایت دردناک نتائج، ناقابل بیان مصائب، اور ان کی رضامندی (اور یہ ناراضی اور رضامندی دونوں دائرۂ شریعت میں ہوں) کا نتیجہ ہوتا ہے حد درجہ کی خوش نصیبی اور سکون۔"

(السیّد عمر تلمسانی مرحوم، سابق مرشد عام الاخوان المسلمون)

ایک سندھی شاعر کی حکیمانہ باتیں

شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ (۱۶۸۹ء — ۱۷۵۲ء) شہنشاہ اورنگ زیب کے عہدِ حکومت میں حیدر آباد سندھ کے قریب ہالا حویلی کے مقام پر پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے نیک طبیعت اور خوش مزاج تھے، دنیا سے زیادہ دین کی طرف رجحان تھا۔ وہ اپنے وقت کا زیادہ حصہ نیک لوگوں کی صحبت میں گذارتے اور فرصت کا وقت غور و فکر اور عبادت میں بسر کرتے، ان کی طبیعت میں اتنا رحم تھا کہ انسان تو انسان جانوروں کو بھی تکلیف میں دیکھتے تو تڑپ اٹھتے اور اس کا دکھ دُور کرنے کی کوشش کرتے۔

شاہ عبداللطیفؒ سندھی زبان کے بہت بڑے اور بے حد مقبول شاعر بھی تھے، انہوں نے سندھی شاعری کو اتنی ترقی دی کہ ان کو سندھی شاعری کا بانی کہا جاتا ہے، انہوں نے اپنی شاعری کے بیشتر حصّے میں انسانیت اور محبت کا پیغام دیا ہے اور رنگ و نسل کی بنیاد پر انسانوں کے درمیان فرق کرنے کی مذمت کی ہے، نیچے ان کے بعض شعروں کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے جن کو پڑھ کر معلوم ہوگا کہ اس بزرگ شاعر کا کلام کتنا باعظمت اور بلند ہے:

١. جو لوگ کھانے، پینے اور پہننے پر مرتے ہیں خدا ان سے اور دُور ہو جاتا ہے۔
٢. جو لوگ لقموں کے دیوانے ہیں وہ ولی نہیں بلکہ دھوکے باز ہیں۔
٣. نفس کے اونٹ کو باندھ کر رکھو تاکہ آوارہ نہ ہو جائے۔
٤. اگر تم ساز و سامان کھو چکے ہو تو کوئی بات نہیں، امید کا دامن مت چھوڑو اور خدا پر یقین رکھو۔
٥. تذبذب، شک اور نیم دلی ناکامی کا باعث ہیں، یہ منزل پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور کامیابی قریب ہو تو بھی انسان کو ناکام بنا دیتے ہیں۔
٦. ناقص تیاری انسان کو کبھی منزل تک نہیں پہنچنے دیتی۔ صرف اپنے آپ پر قدرت پانا ہی کافی نہیں، کامیابی کیلئے ماحول پر قدرت حاصل کرنا بھی لازمی ہے۔
٧. حقیقی طالب کبھی جیتے جی ہمت نہیں ہارتا، وہ تو منزل تلاش کرتے کرتے جان دے دیتا ہے۔

قاہرہ کے میوزیم میں

ساڑھے چار ہزار سال پرانی وصیت

قاہرہ (مصر) کے میوزیم میں بانس کے کاغذ پر لکھی ہوئی ساڑھے چار ہزار سال پرانی ایک وصیت آج بھی جوں کی توں ہے جو آنی نامی ایک بزرگ نے اپنے بیٹے سوہتی ٹیپ کو کی تھی۔ لکھا ہے:

میرے بیٹے!

- کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہونا، اگر وہ اجازت دے تو اپنے لئے باعثِ عزت سمجھنا۔
- خدا کی عبادت گاہ میں زور سے نہ بولنا، عاجزی اور گڑگڑا کر دُعا مانگنا، سچے دل سے دُعا مانگے گا تو خدا ضرور قبول کرے گا اور تیری حفاظت کرے گا۔
- موت کا فرشتہ آن پہنچنے کے بعد حیلہ حوالہ بے کار ہے۔
- موت کا کسی کو علم نہیں لہٰذا ہر دن اور ہر لمحہ غنیمت سمجھنا اور امیدوں کو ہرگز طول نہ دینا۔
- اپنی زبان کی تلوار سے کسی کا دل مجروح نہ کرنا۔
- خدا کا ناشکرگذار ہرگز نہ ہونا، اللہ کی ناراضگی معصیت میں ڈال دیتی ہے۔
- اگر تو مُنہ سے بُری بات نکالے گا تو پھر دوسروں سے بھی اچھی بات نہیں سُنے گا۔
- ان اَسرار سے ہرگز پردہ نہ اٹھا جو خدا کی ذات سے متعلق ہیں اور اللہ نے خود ڈال رکھے ہیں۔
- خدا آسمان پر ہے مگر وہ ان سے بہت قریب ہے جو اس کا وظیفہ کرتے ہیں۔
- عورت کے بغیر مرد اور مَرد کے بغیر عورت ادھوری ہے۔
- یاد رکھ کہ نیک اعمال کے سوا تیرا کوئی مددگار نہیں۔
- فصاحت کے دَریا نہ بہا، صاف گوئی سیکھ، خاموشی میں بولنا اور آنکھیں بند کر کے دیکھنا سیکھ۔

اقوال و ملفوظات

اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ
الشِّمَالِ قَعِیْدٌ مَا یَلْفِظُ
مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ [قٓ: ۱۸-۱۷]

انہیں اس وقت کی یاد دلائیے جب دو گرفت میں لینے والے
فرشتے داہنے اور بائیں بیٹھنے والے گرفت میں لاتے رہتے ہیں
وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر یہ کہ اس کے آس پاس ہی ایک
تاک میں لگا رہنے والا تیار ہے

من کان یومن باللہ والیوم
الآخر فلیقل خیرًا اولیصمت
[مسلم]

جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو بھلی بات
کہے یا خاموش رہے۔

فکر ونظر کو جلا دینے والی باتیں

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضؓ کی بعض باتیں ذیل میں نقل کی جارہی ہیں، یہ باتیں فکر و نظر کو جلا دینے والی اور انسانی زندگی کو صحیح سمت لے جانے والی ہیں۔ فرماتے ہیں:-

تین قسم کے افراد قابلِ نفرت ہیں

- وہ پڑوسی جو اچھائی دیکھے تو چھپا دے لیکن برائی دیکھے تو اس کا چرچا کرتا پھرے۔
- وہ عورت (بیوی) کہ جب تم اس کے پاس ہو تو میٹھی میٹھی باتیں بنائے لیکن جب تم چلے جاؤ تو اپنی کسی بات کا لحاظ نہ رکھے ــــ
- وہ حکمراں (اور کسی نظم ونسق کا ذمہ دار) جو تمہاری اچھائی کی تعریف تو نہ کرے لیکن جب تم سے بُرائی سرزد ہو تو تمہاری گرفت کرے۔

تین چیزیں باعثِ ہلاکت ہیں

- حرص جس کی اطاعت کی جائے ــــ خواہشِ نفس جس کی پیروی کی جائے ــــ خودپسندی و خودنمائی ــــ اور فرمایا:
- آدمی کا حسب اس کا مال ہے ــــ اسکا دین اسکی فضیلت ہے ــــ اس کا خلق اس کی مردانگی ہے۔
- لوگوں سے ملو تو اخلاق کے ساتھ اور جُدا ہو تو اچھے اعمال کی یاد کے ساتھ۔

مرد تین قسم کے ہیں

- ایک وہ کہ جب اسے معاملات پیش آئیں تو اپنی رائے سے اچھے طریقے پر انجام دے۔
- دوسرا وہ کہ پیش آمدہ مشکلات میں لوگوں سے مشورہ کرے پھر وہ کرے جس کا اہل الرائے حکم دیں۔
- تیسرا وہ جو اپنے معاملے میں نہایت کمزور ہوتا ہے، نہ رہنمائی کا طالب ہوتا ہے نہ رہنما کا مطیع و فرماں بردار۔

عورتیں بھی تین طرح کی ہیں

- ایک وہ عورت جو عفیفہ، پاکباز، نرم خو، محبت کرنے والی اور کثیر الاولاد ہوتی ہے، اپنے شوہر کی ہمیشہ معاونت کرتی ہے اور اسکے خلاف دوسروں کی معاونت نہیں کرتی۔ یہ قسم نایاب ہے۔
- دوسری وہ عورت جو بچے پیدا کرنے والی سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔
- تیسری وہ عورت جو فولاد کا ایک طوق ہوتی ہے جسے اللہ جس کے گلے میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں

از: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کبار اولیاءؒ میں سے ہیں، آپ سے سچی عقیدت اور حقیقی محبت کا اظہار اور اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کی پُرنور تعلیمات وارشادات سے اپنی زندگی کے ظلمت کدہ کو منور کیا جائے اور جو نمونہ آپؒ نے چھوڑا ہے اس کو اختیار کرکے عملی طور پر محبت کا ثبوت دیا جائے، یہ نہیں کہ چند رسومات ان کے نام پر ایجاد کرلیے جائیں اور ان رسومات کی ادائیگی کے بعد یہ سمجھ لیا جائے کہ ہم نے ان سے عقیدت کا حق ادا کردیا —— اگر ایسا سمجھ لیا جاتا ہے تو یہ محض خوش فہمی ہوگی —— ذیل میں حضرت شیخ جیلانیؒ کے چند بصیرت افروز ارشادات پیش ہیں تاکہ ہر حق بیں نگاہ ان کو دیکھے اور حق شناس دِل ان کو قبول کرے۔

ارشاد فرماتے ہیں:۔

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ خدا کا تقویٰ اختیار کرو، اطاعتِ خداوندی میں سرگرم رہو، سینہ کو بُری اور گندی خواہشات سے محفوظ رکھو، نفس پر غالب رہو، کُشادہ رُو رہو، جو چیز عطا کرنے کے قابل ہو اُسے اَدا کرتے رہو، ایذا رسانی سے باز رہو، برابر والوں سے حسنِ معاشرت کا سلوک کرو، چھوٹوں کو نصیحت کرتے رہو، اپنے رفیقوں سے جنگ نہ کرو، سنت کی پیروی کرو، مصیبتوں پر صبر کرو، خدا کا فضل مانگو، خدا کے سوا جو کچھ ہے اس سے اندھے ہو جاؤ۔

- جو امیروں کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے اس کے دل میں دنیا کی محبت اور رغبت زیادہ ہو جاتی ہے۔
- جو نیک آدمیوں کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے اس میں اطاعت کی رغبت خدا زیادہ کرتا ہے۔
- جو عورتوں کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے اس میں جہالت اور بُری خواہش بڑھ جاتی ہے۔
- جو فاسقوں کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے اس میں گناہوں کی ہمت زیادہ ہو جاتی ہے اور توبہ کی توفیق کم۔
- جو عالموں کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پرہیزگاری اور علم زیادہ عطا کرتا ہے۔
- جو شخص علم دین کے بغیر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے اس کے جملہ کام سُدھرنے کی بجائے بگڑ جاتے ہیں۔
- ایک دوسرے کے بھائی بنو اور آپس میں دشمنی نہ رکھو ● اکٹھے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو ● حرام غذا میں قدرے قلیل بھی نہ کھاؤ ● گناہوں سے پاک رہو ● جب گناہ ہو جائے تو توبہ کرنے میں دیر نہ کرو ● زبان کو قابو میں رکھو
- کسی بھی انسان کو اپنے سے حقیر مت سمجھو ● انعامات اور احسانات الٰہی کا اعتراف کرو تاکہ نفس میں غرور نہ آئے۔

علم و حکمت کے موتی

از حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح

شرک سے بہت پرہیز کرو، اس کے نزدیک بھی نہ جاؤ۔ شب کی سیاہی اور دن کے اُجالے میں خدا سے ڈرو، ہر وقت دل اور جسم کے ظاہری اور پوشیدہ ہر قسم کے گناہوں سے خائف اور دور رہو، خدا سے بھاگ کر تم کہیں نہ جا سکو گے، وہ تمہیں ہر جگہ پالے گا۔ خدا کی تقدیر سے نہ لڑو ورنہ پاش پاش ہو جاؤ گے خدا کے احکام میں کسی قسم کے شک اور گمان کو دخل نہ دو، ورنہ ذلیل و خوار کر دیئے جاؤ گے، خدا کے دین میں اپنی خواہشات کو داخل نہ کرو ورنہ ہلاک کر دیئے جاؤ گے اور تمہارا دل نورِ ہدایت سے محروم ہو جائے گا اور تم پر شیطان، نفس، خواہشات، اہل و عیال، پڑوسیوں اور ساری مخلوق کو مسلط کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ دنیا کے بچھو سانپ اور اذیت رساں جانور بھی تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور آخرت میں طویل عذاب کے مستحق ٹھہرو گے۔

اے تہی دست اور تہی دامن انسان!

اے وہ کہ جس سے دنیا اور خداوندانِ دنیا خفا ہیں۔

اے گمنام، اے بھوکے پیاسے! اے تشنہ جگر اور برہنہ تن!

اے زمین کے کھوہوں، غاروں اور مسجدوں میں کھُردری زمین پر پراگندہ پڑے ہوئے شخص!

اے ہر دروازے سے دھتکارے اور ہر چوکھٹ سے نکالے ہوئے انسان!

اے ٹوٹے ہوئے دل والے اور دل کی باتوں کو دل ہی میں رکھنے والے!

کسی لمحے بھی منہ سے یہ بات نہ نکال کہ اللہ نے مجھے محتاج کر دیا اور مجھ سے دنیا چھین لی اور مجھے تنگ دست کر دیا، مجھے تنہا چھوڑ دیا اور مجھے گمنام کر دیا اور لوگوں میں میرا تذکرہ عام نہ ہوا اور اس نے دوسروں کو شہرت، عزت اور بادشاہت دی ـــــــــــ تو مردِ حر (آزاد) ہے، تجھے دولتِ فقر عطا ہوئی ہے جس کا مزاج ہی محرومی ہے، تو خدا کی قضا پر راضی ہے اس کے ہر فعل پر خوش ہے اور اس کی صفات اور قدرتوں سے آگہی رکھتا ہے۔

مجھے ہے حکمِ اذاں لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ

ایک دفعہ حضرت قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی مجلس میں لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ یعنی توحید کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"تو اپنے نفس کی پیروی اور اتباعِ ہوس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے عفو و بخشش اور نصرت و امداد کا طلبگار ہے۔ حالانکہ اس کی نصرت و حمایت کیلئے توحید ایک بنیادی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنے نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔" پس یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت اور نعمتوں کے حصول کیلئے تیرا موحد ہونا لازمی ہے، جب تک تو شرک کے تمام ممکن عوامل کو ترک کرتے ہوئے ظاہراً و باطناً معبودِ واحد کا مطیع و فرمانبردار نہ ہو جائے تو دنیا و عقبیٰ میں فلاح و بہبود نہیں پا سکتا۔ بالفاظ دیگر دنیا تیری اپنی ہی خواہشات اور طولِ امل (لمبی آرزوؤں اور امیدوں) سے عبارت ہے۔ اس کے برعکس طولِ امل اور اتباعِ نفس سے پرہیز کر کے مشیتِ الٰہی میں فنا ہو جانا ہی توحید ہے۔

اور توحید کے اثرات یہ ہیں کہ وہ تجھے عقیدہ و عمل کے تمام خبائث سے پاک کر کے ایک مخلص اور محبوب بارگاہِ الٰہی ہستی کے طور پر مقامِ اقدس میں لا کھڑا کرتی ہے۔ جہاں تجھے یہ بشارت ہوگی کہ آج کے دن تو ہمارے نزدیک صاحبِ تمکین اور محبوب و معتمد ہے۔ یہ رتبہ پانے پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور رحمتیں تیرے لئے وسیع و بسیط کر دی جائیں گی، تجھے قربِ الٰہی عطا کیا جائے گا اور اللہ کی رضا و خوشنودی تیری سطوت و طمانیت کا باعث ہوگی۔

لہٰذا میں تجھے تاکید کرتا ہوں کہ تو بھی عقیدہ و عمل کی کدورتوں سے پاک ہو جا اور شرک و فسق کے عوامل و ذرائع سے پرہیز کیا کر، ایسا کرنے پر تو یقیناً مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہو جائے گا۔ حکمت و معرفت تجھے عطا کی جائے گی اور عقبیٰ میں انبیاء اور صدیقین کے ساتھ تجھے عزت و احترام کا رتبہ بخشا جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کی طاعت و فرمانبرداری اختیار کر جس کی برکت سے تجھے علم و معرفت عطا کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی عفو و بخشش تجھ پر بسیط ہوگی اور یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لے کہ دنیا میں تجھے جتنی بھی ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کی جائیں گی اور عقبیٰ میں بھی جو عزت و آبرو اور فلاح و بہبود پائے گا وہ سب کے سب توحید راسخ کے فوائد اور ثمرات ہیں۔" ——— (ماخوذ از فتوح الغیب)

اس احساس کو جگائے رکھئے!

گناہ کا احساس، غلطی کا اعتراف، اپنی لغزش پر ندامت اور اپنے رب کی طرف رجوع و انابت آئندہ نہ کرنے کا عزم، کسی بندے کا حق مارا ہے تو اس کی تلافی، یہی سب چیزیں ہیں جن کے مجموعے کا نام "توبہ" ہے ——— توبہ، قوم و فرد کی زندگی اور ان کے شعور کی بیداری کا کھلا ہوا ثبوت ہے، اگر یہ نہ ہو تو سمجھا جائے گا کہ اس قوم یا فرد کے اندر نیک و بد کا امتیاز، صلاح و فساد کا فرق ختم ہو گیا اور رات و دن کی درمیانی لکیر مٹ گئی۔ آپ توبہ کے اس احساس کو بہرحال جگائے رکھئے۔

حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ (وفات ۶۶۴ھ) نے توبہ کے بارے میں جو عرفانی تفصیلات پیش کی ہیں وہ اس لائق ہیں کہ بندگانِ خدا اور رہروانِ حق انہیں ہمیشہ پیشِ نگاہ رکھیں۔

○ **توبۂ دل:** حسد، ریا، لہو و لعب اور تمام نفسانی لذتوں اور شہوت سے صدقِ دل سے باز آنا۔ اس سے دل کی آلائش دور ہوتی ہے جس کے بعد بندہ اور مولیٰ کا حجاب اُٹھ جاتا ہے۔

○ **توبۂ زبان:** ناشائستہ، بیہودہ، ناروا کلمات زبان پر نہ لانا، زبان صرف خداوند تعالیٰ کے ذکر اور کلام پاک کی تلاوت کیلئے وقف ہونی چاہیئے، عشقِ حقیقی میں وہی مسافرِ حق ثابت قدم رہ سکتا ہے جس نے دل اور زبان کی توبہ سچائی سے کرلی ہو، زبان کی توبہ کے بغیر صرف دل کی توبہ سے وہ انوارِ عشق کی تجلی نہیں دیکھ سکتا۔ آنکھ، کان، ہاتھ اور نفس زبان ہی کے تابع ہیں، اس لئے زبان کی توبہ سے یہ تینوں چیزیں محفوظ رہتی ہیں۔

○ **توبۂ چشم:** (الف) حرام چیز کو نہ دیکھنا۔ (ب) کسی کا عیب نہ دیکھنا۔ (ج) ظلم ہوتے ہوئے نہ دیکھنا۔

○ **توبۂ گوش:** ذکرِ حق کے سوا کوئی اور چیز نہ سُننا۔

○ **توبۂ دست:** ناروا اور ناجائز چیزوں کو ہاتھ نہ لگانا۔

○ **توبہ پا:** حرام چیزوں کی طرف نہ جانا۔

○ **توبہ نفس:** اکل حرام اور شہوات و لذات سے باز آنا۔

دو خطرناک باتیں

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں: دو باتیں بندے کو اللہ سے دور کر دیتی ہیں۔

(۱) فرض ضائع کر کے نفل ادا کرنا۔ اور (۲) دل کی تصدیق کے بغیر صرف ہاتھ پیر سے کام کرنا (طبقات شعرانی ج ۱ ص ۸۲)

مطلب یہ ہے کہ جس بندے میں یہ دونوں عیب ہوں گے بظاہر وہ بہت نیک معلوم ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہے کیوں کہ اس نے صحیح طور سے کام نہیں کیا ہے (۱) فرائض کی ادائی کا خیال نہیں کرتا مگر نوافل کی ادائی پر زور دیتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی قربت کی بجائے دوری ہوتی ہے، کیوں کہ فرائض یعنی اس کے احکام کی پابندی نہ کرنا اور غیر مشروع وغیر فرض وواجب نیکی کیلئے پورا زور خرچ کرنا نیکی نہیں گناہ ہے اور ہدایت نہیں گمراہی ہے۔ اس مرض میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ پر کم توجہ دیتے ہیں مگر اوراد و وظائف اور ان اعمال کا جن کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں ہے بڑا خاص اہتمام کرتے ہیں اور لوگوں سے پوچھتے رہتے ہیں، فکر و نظر کے اس پیمانے کو بدلنے کی ضرورت ہے تاکہ عمل میں صحت آئے۔

یہاں یہ یاد رکھئے کہ فرائض مانند اصل (جڑ، بنیاد) کے ہیں اور نوافل مثل شاخوں کے جسطرح شاخیں بغیر اصل کے قائم نہیں رہ سکتیں، نوافل بھی بلا فرض کے بے سہارا اور بے حقیقت ہیں اور جس طرح شاخوں سے جڑ کو رونق حاصل ہوتی ہے، نوافل بھی فرائض کے ساتھ نُورٌ علیٰ نُور کے درجے میں ہیں۔

مندرجہ بالا قول کے مطابق دوسری چیز جو اللہ تعالیٰ سے بندے کو دور کر دیتی ہے یہ ہے کہ کوئی اچھا کام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ظاہری طور پر کیا جائے مگر دل سے نہ اس کی عظمت واہمیت اور صداقت و حقانیت کی تصدیق ہو اور نہ ہی ان پر اجر و ثواب ملنے کا یقین ہو، یہ بھی مکر و ریاکاری کے قبیل سے ہے، اس سے بھی وبال لازم آتا ہے۔ افسوس کہ اس زمانے میں دل کی یہ کیفیت عام ہے، اس سے بھی اپنے آپ کو بچانے کی سخت ضرورت ہے کیوں کہ یقین اور دل کی تصدیق ہی ایمان کی روح ہے، اللہ تعالیٰ کی جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اس دولت سے کمتر ہیں، یہ دولت جہاں ہوتی ہے اللہ کی رحمت وہیں متوجہ ہوتی ہے، اس سلسلہ میں مسند احمد میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے یہ دُعا منقول ہے، اعمالِ صالحہ کے اہتمام کے ساتھ اس کا ورد کثرت سے رکھنا چاہیئے

اَللّٰھُمَّ زِدْنَا اِیْمَانًا وَّیَقِیْنًا وَّفِقْھًا۔

(اے اللہ ہمارے دل میں ایمان، یقین اور ہم میں دین کی سمجھ بڑھا دے ــــ آمین)

عُلماء اور عام امّتِ مسلمہ سے خِطاب

(از: امام شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ)

اے وہ لوگو! جنہوں نے اپنا نام "عُلماء" رکھ چھوڑا ہے، تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو، اور صَرف ونحو ومعانی میں غرق ہو اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے، یاد رکھو! عِلم یا تو قرآن کی کِسی آیتِ محکم کا نام ہے یا سنّتِ ثابتہ قائمہ کا۔

جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع اور آلات کی ہے (مثلاً صرف ونحو وغیرہ) تو ان کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی رہنے دو، نہ کہ خود ان ہی کو مستقل علم بنا بیٹھو، علم کا پڑھنا تو اس لئے واجب ہے کہ اس کو سِیکھ کر مسلمانوں کی بستی میں اسلامی شعائر کو رواج دو۔ لیکن تم نے دینی شعار اور اس کے احکام تو پھیلائے نہیں اور لوگوں کو زائد از ضرورت باتوں کا مشورہ دے رہے ہو۔

آدم کے بچو! دیکھو، تمہارے اخلاق سو چکے ہیں، تم پر بے جا حرص وآرزو کا ہوّا سوار ہوگیا ہے، تم پر شیطان نے قابو پالیا ہے، عورتیں مردوں کے سَر چڑھ گئی ہیں اور مرد عورتوں کے حق برباد کر رہے ہیں، حرام کو تم نے اپنے لئے خوشگوار بنالیا ہے اور حَلال تمہارے لئے بدمزہ ہو چکا ہے۔ دیکھو! اپنے مصارف وضع قطع میں تکلّف سے کام نہ لیا کرو، اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو، غریبوں اور مسکینوں کا خیال رکھو، تم میں کچھ لوگ ہیں جو دنیا کماتے ہیں اور اپنے دھندوں میں اتنے پھنس گئے ہیں کہ نماز کا انہیں وقت ہی نہیں ملتا۔ تم میں بعض لوگ ہیں جنہوں نے تقریبات کی دعوتوں میں حَد سے زیادہ تکلّف برتنا شروع کر دیا ہے، تم نے ایسے بگڑے ہوئے رسوم اختیار کر لئے ہیں جن سے دین کی اصلی صورت بگڑ گئی ہے۔ دیکھو! رہنے سہنے اور ہر معاملے میں اعتدال کا جادہ اختیار کرو۔ اللہ کی یاد کیلئے جو فرصت دستیاب ہو اُسے غنیمت شمار کرو۔ کم از کم تین وقتوں صبح، شام اور پچھلی رات کے ذکر کا خاص طور سے خیال رکھو، حق تعالیٰ کی یاد، اس کی تسبیح وتہلیل اور قرآن کی تلاوت کے ذریعہ سے کرو، حدیث، قرآن اور ذکر کے حلقوں میں حاضر ہوا کرو ——————"

حکیمانہ اقوال

ذیل میں امام مالکؒ (۹۳ھ ۱۷۹) کے چند حکیمانہ اقوال درج کئے جاتے ہیں:

○ اہل علم کی کئی قسمیں ہیں: ——— (۱) جو عالم اپنے علم پر عمل کرتا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماءُ (فاطر: ۲۸) "اللہ سے ڈرتے تو بس وہی بندے ہیں جو علم والے ہیں" ——— (۲) جو عالم علم حاصل کرکے دوسروں کو نہ سکھائے اسکے متعلق فرمانِ خداوندی ہے الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ "جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جو ہم کھلی ہوئی نشانیوں اور ہدایت میں سے نازل کرچکے ہیں" (سورۂ بقرہ) ——— (۳) جو عالم علم حاصل کرکے دوسروں کو سکھاتا ہے مگر خود اس پر عمل نہیں کرتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا قول ہے اِنْ ھُمْ اِلّا کالانعام۔
"یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں" (الفرقان: ۴۴)

○ منافقوں کی مثال مسجد میں ایسی ہی ہے جیسے چڑیا پنجرے میں ہو کہ جوں ہی اس کا دروازہ کھلا چڑیا اُڑ گئی۔ ○ علم دین کثرتِ روایت سے نہیں آتا ہے بلکہ وہ نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتا ہے، تحصیلِ علم بہت خوب ہے البتہ تم دیکھو کہ اس بارے میں صبح سے شام تک کیا کرنا ہے، اس کو اختیار کرو۔ ○ اس امت کا آخری طبقہ اسی بات سے صلاح و فلاح پا سکتا ہے جس سے اس کا پہلا طبقہ کامیاب ہوا ہے۔ ○ معاصی کی ابتدا کبر، حسد اور کنجوسی سے ہوتی ہے۔ ○ تم کو اگر دو باتوں میں شک اور تردّد ہو تو جو بات تمہارے لئے زیادہ موافق ہو، اسی کو اختیار کرو۔ ○ جو شخص اپنی باتوں میں سچائی اختیار کرے گا، اپنی عقل سے آخری عمر تک مستفید ہوتا رہے گا۔ اور دوسرے لوگوں کی طرح بڑھاپے میں اس کو نسیان اور بکواس سے نجات رہے گی۔

○ اللہ کا ادب قرآن میں ہے، اس کے رسول کا ادب سنت اور حدیث میں ہے اور صالحین کا ادب فقہ میں ہے۔ ○ تم علم سے پہلے حلم حاصل کرو۔

باتیں ان کی یاد رہیں گی!

امام شافعیؒ (۱۵۰ھ ۔ ۲۰۴ھ) زبان وبیان اور لغت وادب کے بھی امام تھے، آپ کے بہت سے جامع اور عبرت انگیز فرمودات آپ کے تذکرہ نگاروں نے نقل کئے ہیں، چند یہاں درج کئے جاتے ہیں:

○ انسانیت کیلئے چار شرطیں ہیں:
بہتر اخلاق، سخاوت وفیاضی، تواضع اور شکر۔

○ دنیا میں انسان چار چیزوں کے ذریعہ درجۂ کمال کو پہنچتا ہے:
دیانت، امانت، اپنے نفس کی گناہ سے حفاظت وصیانت اور دوسروں کے ساتھ چشم پوشی۔

○ لوگوں کے ساتھ زیادہ گھل مل جانے سے برے ہمنشیں پیدا ہوتے ہیں اور بالکل کھچے رہنے سے عداوت ودشمنی پیدا ہوتی ہے۔ ○ بلا دلیل علم حاصل کرنا ایسا ہی ہے جیسے لکڑیوں کے ساتھ سانپ باندھ لینا۔ ○ تقویٰ سے علماء کی زینت ہے، حسن اخلاق ان کا زیور ہے اور قناعت ان کی خوبصورتی۔ ○ جس شخص کو علم سے محبت نہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں، ایسے شخص سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیئے۔ ○ جو شخص دوستی کے وقت تم میں وہ صفات بیان کرے جو تم میں موجود نہ ہوں تو دشمنی کے وقت ایسے عیوب بھی بیان کرے گا جن سے تم پاک ہو۔

○ تین کام بڑے مشکل ہیں:
تنگی میں سخاوت، خلوت میں تقویٰ، اور امید یا خوف کے باوجود راست گوئی۔

○ زبان سے کی جانیوالی بات پتھر سے زیادہ سخت، سوئی سے زیادہ چبھنے والی، ایلوے سے زیادہ کڑوی، چکی کے پاٹ سے زیادہ پھرنے والی اور نیزہ کی نوک سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔

دانشمندی کی باتیں

حضرت ذوالنون مصریؒ کا شمار اکابر اولیاء میں ہوتا ہے۔ دانش و حکمت سے بھرپور انکی چند باتیں ذیل میں پیش ہیں:۔

○ حجابِ چشم ہی سب سے بڑا حجاب ہے جس کی وجہ سے غیر شرعی چیزوں پر نظر نہیں پڑتی۔
○ شکم سیر کو حکمت حاصل نہیں ہوتی۔ ○ معصیت سے تائب ہو کر دوبارہ ارتکابِ معصیت دروغ گوئی ہے۔ ○ سب سے بڑا دولتمند وہ ہے جو تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہو۔
○ قلیل کھانا جسمانی توانائی کا ذریعہ اور قلیل گناہ روحانی توانائی کا ذریعہ ہے۔ ○ مصائب میں صبر کرنا تعجب خیز نہیں بلکہ مصائب میں خوش رہنا تعجب کی بات ہے۔ ○ خدا سے خوف کرنیوالے ہدایت پاتے ہیں اور اس سے خائف ہونیوالے گمراہ ہو جاتے ہیں اور درویشی سے ڈرنیوالے قہرِ الٰہی میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ○ اہلِ تقویٰ کی صحبت سے لطفِ حیات حاصل ہوتا ہے۔
○ انسان پر چھ چیزوں کی وجہ سے تباہی آتی ہے: (۱) اعمالِ صالحہ سے کوتاہی کرنا۔ (۲) ابلیس کا فرمانبردار ہونا (۳) موت کو قریب نہ سمجھنا (۴) رضائے الٰہی کو چھوڑ کر مخلوق کی رضامندی حاصل کرنا (۵) تقاضائے نفس پر سنت کو ترک کر دینا (۶) اکابر کی غلطی کو سند بنا کر ان کے فضائل پر نظر نہ کرنا اور اپنی غلطی کو ان کے سر تھوپنا۔

کسی نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں تو آپ نے فرمایا کہ اپنے ظاہر کو خلق کے اور باطن کو خالق کے حوالہ کر دو اور خدا سے ایسا تعلق قائم کرو جس کی وجہ سے وہ تمہیں مخلوق سے بے نیاز کر دے اور یقین پر کبھی شک کو ترجیح نہ دو اور جس وقت تک نفس اطاعت پر آمادہ نہ ہو، مسلسل اس کی مخالفت کرتے رہو، مصائب میں صبر کرتے ہوئے زندگی خدا کی یاد میں گذار دو۔ پھر دوسرے شخص کو یہ وصیت فرمائی کہ قلب کو ماضی و مستقبل کے چکر میں نہ ڈالو یعنی گذرے ہوئے اور آنے والے وقت کا تصور قلب سے نکال کر صرف حال کو غنیمت جانو۔

کام کی باتیں!

حضرت شقیق بلخیؒ (وفات ۱۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے کئی سو علماء سے دریافت کیا کہ خردمند، دولتمند، دانا، درویش، بخیل کس کو کہتے ہیں؟ سب نے بالاتفاق اور قریب قریب یہی جواب دیا کہ خردمند وہ ہے جو دنیا کو دوست نہ سمجھے، دولتمند وہ ہے جو (سعی و کوشش کے بعد جتنا ملے اس پر مطمئن ہو اور) ازلی قسمت پر راضی ہو، دانا وہ ہے جسے دنیا فریب نہ دے سکے، درویش وہ ہے جو زیادتی کی طلب نہ کرے، بخیل وہ ہے جو مال لوگوں سے عزیز رکھے اور کسی کو نہ دے۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ مسکنت اور فقیری میں تین نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، اول یہ کہ دل فراغت سے رہتا ہے، دوسرے یہ کہ جان آرام سے رہتی ہے، تیسرے جو سب سے بڑی بات ہے وہ یہ کہ حساب میں آسانی ہوتی ہے، بخلاف اس کے تونگری اور مالداری میں تین طرح کی خرابیاں ہیں، اول یہ کہ دل کو دنیاوی مشاغل سے کسی آن مہلت نہیں ملتی، دوسرے یہ کہ جان ہر وقت رنج و تکالیف میں رہتی ہے، تیسرے جو سب سے بڑی بات ہے وہ یہ کہ حساب میں سختی ہوتی ہے۔

آپؒ کا ارشاد ہے کہ میں نے بہت سے استاذوں سے علمِ شریعت اور علمِ طریقت حاصل کیا لیکن رضائے مولیٰ جس میں حاصل ہوئی وہ صرف یہ چار باتیں ہیں۔ اول یہ کہ روزی کی طرف سے مطمئن رہنا، دوسرے یہ کہ تمام امور میں اخلاص کا ہونا، تیسرے یہ کہ شیطان اور نفس کی خواہشات کو اپنا دشمن سمجھنا، چوتھے یہ کہ توشۂ آخرت جمع کرنا۔

حضرت شقیق بلخیؒ سمرقند میں ایک روز وعظ فرما رہے تھے، یکایک جذبہ میں آکر لوگوں کی طرف خطاب کیا اور فرمایا: "لوگو! اگر تم مُردے ہو تو قبرستان جاکر آباد کرو، اگر تم بچے ہو تو مکتب میں جاکر پڑھنے بیٹھو، اگر تم پاگل ہو تو پاگل خانہ میں جاؤ، اگر تم کافر ہو تو کفرستان میں جاؤ اور اگر تم مسلمان ہو تو اسلام کا راستہ اختیار کرو یعنی اسلام کی باتیں سیکھو، ان پر عمل کرو اور ان باتوں کو دوسروں تک پہنچاؤ۔

شہ پارے

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) کے مواعظ دلوں پر بجلی کا اثر کرتے تھے اور وہ تاثیر آج بھی آپکے کلام میں موجود ہے، فتوح الغیب اور الفتح الربانی کے مضامین اور آپ کی مجالس کے وعظ کے الفاظ آج بھی دلوں کو گرماتے ہیں، ایک طویل مدت گذر جانے کے بعد بھی ان میں زندگی اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔ ذیل میں حضرت کے بعض ارشادات نقل کئے جا رہے ہیں جو "شہ پارے" کی حیثیت رکھتے ہیں۔

کہاں چلے تم؟ کب تک عادت؟ کب تک خلق؟ کب تک خواہش، کب تک رعونت؟ کب تک دنیا؟ کب تک آخرت؟ کب تک ماسوائے حق؟ کہاں تم چلے؟ (اس خدا کو چھوڑ کر جو) ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور بنانے والا ہے۔ اول ہے آخر ہے، ظاہر ہے باطن ہے، دلوں کی محبت، روحوں کا اطمینان گرانیوں سے سبکدوشی، بخشش واحسان، ان سب کا رجوع اسی کی طرف ہے اور اسی کی طرف سے اس کا مددر ہے۔

(رموز الغیب مقالہ ۶۲)

اعتماد کے لائق ذات:- آج تو اعتماد کر رہا ہے اپنے نفس پر، مخلوق پر، اپنے دیناروں پر، اپنے درہموں پر، اپنی خرید وفروخت پر اور اپنے شہر کے حاکم پر، ہر چیز کہ جس پر تو اعتماد کرے وہ تیرا معبود ہے اور ہر وہ شخص جس سے تو خوف کرے یا توقع رکھے وہ تیرا معبود ہے اور ہر وہ شخص جس پر نفع اور نقصان کے متعلق تیری نظر پڑے تو وہ تیرا معبود ہے، سن لو! اعتماد کے لائق اگر کوئی ذات ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ہے (فیوض یزدانی مجلس ۱۲)

توحید کی تلوار، شریعت کی شمشیر:- بہادر وہی ہے جس نے اپنے قلب کو ماسوا اللہ سے پاک بنایا اور قلب کے دروازہ پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہوگیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو بھی اس میں داخل نہیں ہونے دیتا، اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہے، شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے اور توحید ومعرفت باطن کو مہذب بناتی ہے۔

(فیوض یزدانی مجلس ۱۲)

تم سب آؤ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دیواریں پے درپے گر رہی ہیں اور اس کی بنیاد بکھری جاتی ہے اے باشندگانِ زمین آؤ اور جو گر گیا ہے اس کو مضبوط کردیں اور جو ڈھے گیا ہے اسکو درست کردیں، یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی، سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہئے، اے سورج، اے چاند اور اے دن تم سب آؤ۔

(ملفوظات ۴۹۸)

- پستی کو حقیر مت جانو کیوں کہ اس نے بلندی کا بوجھ اٹھا رکھا ہے ۔
- دانا وہ ہے جو کم بولے اور زیادہ سُنے ۔
- ایمان کے بعد مخلص اور دانا دوست تلاش کرو، یہ ایک پھلدار درخت ہے، نیچے بیٹھو گے تو سایہ دے گا اور چڑھو گے تو پھل دے گا ۔
- پاک باطن رہنا چاہتے ہو تو حسد سے بچو ۔
- جو صلح کا ہاتھ بڑھائے اس کا خیر مقدم خلوص اور گرمجوشی سے کرو ۔
- رات کو آہستہ اور نرمی سے بات کرو اور دن کو چاروں طرف دیکھ کر بات کرو ۔
- غریب وہ ہے جس کا کوئی دوست نہ ہو اور جس کا اللہ دوست ہو وہ دولتمند ہے ۔
- سچا دوست وہی ہے جو تمہیں عیوب سے آگاہ کرے ۔
- مسلمان میں تین چیزوں سے محبت بڑھتی ہے، سلام کرنے سے، دوسروں کیلئے مجلس میں جگہ خالی کرنے سے اور مخاطب کو بہترین نام سے پکارنے سے ۔
- چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا اطمینان انسان کو کم ہمت بنا دیتا ہے ۔
- گلے اور شکوے سے زبان بند رکھو راحت نصیب ہو گی ۔
- جس پر نصیحت کا اثر نہ ہو وہ جانے کہ میرا دل ایمان سے خالی ہے ۔
- صورت بغیر سیرت کے ایک پھول ہے جس میں کانٹے زیادہ ہوں اور خوشبو بالکل نہ ہو ۔
- خامیوں کا احساس کامیابی کی کنجی ہے ۔
- خوش خلق جنت میں اعلیٰ مراتب پائے گا اگرچہ عبادت کم کرتا ہو ۔
- عقلمند سوچ کر بولتا ہے اور بے وقوف بول کر سوچتا ہے ۔
- جس کام میں یہ چار چیزیں پائی جائیں وہ عملِ صالح ہے، علم، نیت، صبر، اخلاص ۔

اقوالِ زرّیں

- جسے رونے کی طاقت نہ ہو وہ رونے والوں پر رحم کیا کرے ——— (صدیق اکبرؓ)
- جہادِ کفار، جہادِ اصغر ہے اور جہادِ نفس جہادِ اکبر ——— (صدیق اکبرؓ)
- گناہ جوان کا بھی اگرچہ بد ہے مگر بوڑھے کا بدتر ہے ——— (صدیق اکبرؓ)
- جو عیب سے واقف کرے وہ دوست ہے اور منہ پر تعریف کرنا گویا ذبح کرنا ہے۔ (فاروقِ اعظمؓ)
- جب عالِم کو لغزش ہوتی ہے تو اس سے ایک عالَم لغزش میں پڑ جاتا ہے ——— (فاروق اعظمؓ)
- بدخو کی دوستی سے احتراز لازم ہے کیوں کہ اگر وہ بھلائی بھی کرنا چاہتا ہے تو بھی اس سے بُرائی سرزد ہو جاتی ہے ——— (فاروقِ اعظمؓ)
- تعجب ہے اس پر جو موت کو حق جانتا ہے اور پھر ہنستا ہے ——— (عثمانِ غنیؓ)
- خاموشی، غصّہ کا بہترین علاج ہے ——— (عثمان غنیؓ)
- تعجب ہے اس پر جو تقدیر کو پہچانتا ہے اور پھر جانے والی چیز کا غم کرتا ہے ——— (عثمانِ غنیؓ)
- خندہ روئی سے پیش آنا سب سے پہلی نیکی ہے ——— (حضرت علیؓ)
- بے حد اعتقاد بربادی ہے اور نکتہ چینی بدنصیبی ——— (حضرت علیؓ)
- معافی نہایت اچھا انتقام ہے ——— (حضرت علیؓ)
- کھلی ہوئی عداوت منافقانہ موافقت سے بہتر ہے ——— (امام جعفر صادقؒ)
- گناہ کے بعد ندامت بھی توبہ کی شاخ ہے ——— (مجدد الف ثانیؒ)
- متکبّروں کے ساتھ تکبّر کرنا صدقہ ہے ——— (مجدد الف ثانیؒ)
- صدق یہ ہے کہ دل باتیں کرے یعنی وہ بات کہے جو دل میں ہے ——— (ابو الحسن قرتانیؒ)
- تمسخر اکثر قطعِ دوستی، دِل شکنی اور دشمنی کا باعث ہوتا ہے ——— (امام غزالیؒ)
- جو عمل آج تم پر شاق ہے وہ میزان پر زیادہ وزنی ہو گا ——— (ابراہیم ادہمؒ)

کلماتِ زرّیں

- اللہ کا ذکر تمہارے لئے شفا ہے اور لوگوں کا ذکر مرض ہے جس سے بچو۔
- ہنسی مذاق سے بچو، اس سے چہرے کی رونق ختم ہو جاتی ہے۔
- احسان کرنا بڑوں کی عادت ہوتی ہے۔
- جس آدمی کا تقویٰ کم ہوتا ہے اس کی حیا کم ہو جاتی ہے اور جس کی حیا کم ہو جاتی ہے اس کا دِل مرجاتا ہے۔
- اللہ سے ڈرنا ہزار دینار صدقہ کرنے سے افضل ہے۔
- جس میں یہ تین خصلتیں نہ ہوں گی اس کا ایمان مکمل نہ ہوگا۔ حِلم، تقویٰ، حسنِ خلق۔
- جس آدمی میں یہ چار خصلتیں ہوں وہ امارت کے لائق ہے، نرمی بلا ضعف کے، سختی بلا بداخلاقی کے، کرم بلا فضول خرچی کے اور بچانا بلا بخل کے۔
- شراب مردوں کی عقل زائل کر دیتی ہے اور طمع سے بھی عقل زائل ہو جاتی ہے۔
- مسلمان کے مُنہ سے جو بات نکلے اس کو شر نہ سمجھو۔
- تمہارے لئے یہی عیب کافی ہے کہ تم پر ظاہر نہ ہو تمہارے بھائی پر ظاہر ہو جائے۔
- اپنے معاملات میں ان سے مشورہ کرو جن میں خشیتِ خداوندی ہو، خصوصاً عُلمارِ حق۔
- چار چیزوں کا واپس کرنا ممکن نہیں، کہی ہوئی بات، کیا ہوا فیصلہ، گذری ہوئی عمر اور پھینکا ہوا تیر۔
- چار عادتیں پسندیدہ ہیں، قریبی لوگوں کو قوت دینا، دشمنوں سے بچنا، کاموں میں مشورہ اور کمر بند کا استعمال یعنی بلا کمر بند ازار نہ پہننا۔
- نماز کا وقت آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔
- توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھو۔
- سچائی کو لازم پکڑو اگرچہ اس کی وجہ سے قتل ہو جاؤ۔
- بیوقوفوں سے دوستی نہ کرو۔
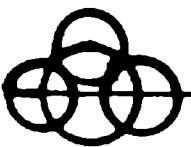
جواہر پارے

- جو لمحے خُدا کی یاد سے غفلت میں گذرتے ہیں وہ زندگی کی سب سے بڑی خیانت شمار ہوتے ہیں۔
- دنیا میں سب سے کمزور شخص وہ ہے جو اپنی خواہشوں پر قابو نہ پا سکے۔
- آدمی افلاس سے جتنا ڈرتا ہے دوزخ سے اتنا ہی ڈرے تو دونوں سے بچ جائے اور دولت کی جس قدر آرزو کرتا ہے جنت کی کرنے لگے تو وہ دونوں ہی کو پالے۔
- زندگی کا ہر دُکھ لالچ اور حِرص کی پیداوار ہے۔
- دکھتی ہوئی پیٹھ کو مذہب کی دیوار ہی سہارا دے سکتی ہے۔
- تین دن اگر مطالعہ نہ کیا جائے تو گفتگو کی چاشنی اور وزن ختم ہونے لگتا ہے۔
- جو مَردوں کی طرح خون نہیں بہا سکتا اسے عورتوں کی طرح آنسو بہانا پڑتا ہے۔
- انسانیت کی آبرو تخت و تاج سے نہیں بلکہ فقر و حیا سے ہے۔
- الفاظ کا بھی چہرہ ہوتا ہے اور چہرے پر سب کچھ نظر آجاتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے یا سچ۔
- کمزور ٹانگوں سے تیز دوڑنے کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔
- ایک شمع روشن کر دینا بہتر ہے اس بات سے کہ رات بھر اندھیرے پر ملامت کرتے رہیں۔
- قلم کی کاٹ تلوار سے کاری ہے اور زبان کے زخم کا کوئی مرہم نہیں۔
- جو چیز بے انصافی سے حاصل ہو وہ بے مثل زہریلی غذا ہے۔
- بہت سی مشکلات کا حل شیریں بیانی اور نرم مزاجی میں پوشیدہ ہے۔
- اگر کامیابی مقصود ہو تو ناکامی سے سبق حاصل کیجیے۔
- زبان کو اس طرح بند رکھو جس طرح خزانے میں سونا چاندی۔
- معاف کرنے میں جلدی کرنا انتہائی شرافت ہے۔ اور انتقام لینے میں جلدی کرنا انتہائی رذالت ہے۔
- جس سَر پر تاج ہو سمجھ لو کہ اس کے اندر تفکرات کا ایک بے پناہ ہجوم ہے۔
- بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد

- جہاں تک ہو سکے لقمہ کی اصلاح کر کیوں کہ عملِ صالح کی بنیاد یہی ہے۔ (رزقِ حلال سے عملِ صالح کی توفیق ملتی ہے)
- خالق کا مقرب وہی بنتا ہے جو مخلوق پر شفقت کرتا ہے۔
- بد گمانی تمام فائدوں کو بند کر دیتی ہے۔
- دنیا دار دنیا کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور دنیا اہل اللہ کے پیچھے۔
- جب تک تیرا غصہ اور غرور باقی ہے، اپنے آپ کو اہلِ علم میں شمار نہ کر۔ (کیوں کہ علم اور غرور ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔
- شکستہ قبروں میں غور کرو کہ کیسے کیسے حسینوں کی مٹی خراب ہو رہی ہے۔
- تمام خوبیوں کا مجموعہ علم سیکھنا اور عمل کرنا اور پھر اَوروں کو علم سکھانا ہے۔
- وہ کیا ہی بدنصیب انسان ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے جانداروں پر رحم کرنے کی عادت پیدا نہیں کی۔
- تجھ جیسے ہزاروں کو دنیا نے موٹا تازہ کیا اور پھر انہیں نگل گئی (ایسی کہ ان کا نام و نشان تک مٹ گیا)
- تیری جوانی تجھے دھوکا نہ دے، یہ عنقریب تجھ سے لے لی جائے گی۔
- تجھ کو لوگ تکبر کرنے سے بڑا نہیں سمجھ سکتے بلکہ تواضع اختیار کر۔
- جب کوئی تم سے تمہاری بے آبروئی یا رنج دینے والی بات کسی شخص کی طرف سے نقل کرے تو اس کو جھڑک دو اور کہو تو اس سے بھی بدتر ہے کہ اس نے ہم کو سنائی نہ تھی اور تو سنانے میں حیا نہیں کرتا۔
- نامحرم عورتوں اور لڑکوں کے پاس بیٹھنا اور پھر یہ کہنا کہ مجھے ان کی طرف مطلق توجہ نہیں جھوٹ ہے۔ اس بات میں نہ تو شریعت ہی تیری موافقت کرتی ہے اور نہ ہی عقل۔

(حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

شفیق باپ کی نصیحت

اے میرے بیٹے!

- رزق کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ ہے جس کی تلاش میں تو سرگرداں رہتا ہے اور اس کی دوسری قسم وہ ہے جو تیری تلاش میں رہتی ہے، اگر تو اس کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دے تو یہ خود بخود تجھے تلاش کر لے گا۔
- اس دنیا کے مال و منال میں اپنا حصہ اتنا ہی سمجھ جس سے تیری عقبیٰ سنور جائے، اگر تجھے اس چیز کا غم ہے جو تیرے پاس سے جاتی رہی تو اس چیز کا بھی غم کر جو تجھے نہیں مل سکی۔ (ظاہر ہے جس طرح یہ غم بیکار ہے اسی طرح وہ غم بھی بے فائدہ ہے)
- آنے والے زمانے کو گزرے ہوئے زمانے سے بہتر سمجھو۔
- اپنے آپ کو ان لوگوں کے گروہ میں شامل نہ کر جو نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ ملامت سے راہِ راست پر آتے ہیں۔ مردِ فہیم کے لئے معمولی نصیحت ہی کافی ہوتی ہے مگر جانور ڈنڈے سے سیدھے ہوتے ہیں۔
- ناجائز خواہشات اور شبہات و وساوس پر قابو پانے کا طریقہ یہ ہے کہ صبر و یقین کی چٹان پر مضبوطی سے قدم جمالے۔
- میانہ روی کو چھوڑنے والا غلط راستے پر پڑ جاتا ہے۔
- حقیقی دوست کو قرابت دار کی جگہ پر سمجھ، مخلص دوست وہ ہے جو تیری عدم موجودگی میں بھی خواہی کرے۔
- خواہشاتِ نفسانی اور بدقسمتی ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔
- بہت سے عزیز اور دوست ایسے ہیں کہ غیروں سے بھی بدتر ہیں اور بہت سے غیر ایسے ہیں کہ عزیزوں اور دوستوں سے کہیں بہتر ہیں، بے وطن اسے کہتے ہیں جو سچے دوست سے محروم ہو۔

- حق کے راستے سے روگردانی کرنے والے پر راہ تنگ ہو جاتی ہے۔
- حیثیت کے مطابق زندگی گذارنے والے کی آبرو برقرار رہتی ہے۔
- محکم ترین رشتہ وہ ہے جو خدا اور بندے کے درمیان ہے۔
- جس وقت امید میں موت نظر آنے لگے تو ناامیدی ہی زندگی بخش بن جاتی ہے۔
- ضروری نہیں کہ ہر عیب ظاہر ہو جائے۔
- برائی کو اپنے آپ سے دُور رکھ، کیونکہ یہ تیری خواہش پر بڑی جلدی واپس آجائے گی۔
- جو شخص دنیا پر اعتماد کرتا ہے یہ اس کو دغا دیتی ہے۔
- ضروری نہیں کہ ہر تیر نشانہ پر لگے۔
- حاکمِ وقت کے بدلنے کے ساتھ زمانہ میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔
- آغازِ سفر سے پہلے رفقائے سفر کو پرکھ لے اور قیام کرنے سے پہلے ہمسایوں کی پڑتال کرلے۔
- یاد رکھ! تیری گفتگو سے کسی کی تضحیک کا پہلو نہ نکلتا ہو، خواہ کسی اور کے الفاظ کا اعادہ ہی کیوں نہ ہو۔
- عورتوں کے لئے بے پردہ رہنے سے بھی زیادہ یہ بات خطرات کا موجب ہے کہ ان میں بد قماش لوگوں کی آمد و رفت ہو، سوائے کسی خاص ضرورت کے انہیں غیروں سے رسم و راہ رکھنے نہ دے، عورتوں کو اس امر سے روک کہ وہ تیرے پاس دوسروں کی سفارش لے کر آئیں، ان سے خواہ مخواہ رفاقت کا اظہار نہ کر، اس طرح نیک نفس عورت کے بھی بدی کی طرف مائل ہونے کا احتمال ہے۔
- اپنے ہر خادم کے سپرد کوئی نہ کوئی فرض ضرور کردے تاکہ وہ تیرے کاموں کو ایک دوسرے پر ڈال کر خراب نہ کریں۔
- میں تیرا دین اور تیری دنیا اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرتا ہوں اور خدائے بزرگ و برتر سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے دینی اور دنیوی فلاح عطا کرے ——— آمین۔

(ایک صالح اور شفیق باپ کی نصیحت سے ماخوذ)

ہندوستان میں مُسلمانوں کا موقف

"میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں، اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثے میں آئی ہیں، میں تیار نہیں ہوں کہ اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصّہ بھی ضائع ہونے دوں، اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم وفنون، اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں، بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور کلچرل دائرے میں اپنی خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا۔ اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی بلکہ وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے۔ میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں، میں ہندوستان کی ایک ناقابلِ تقسیم متحدہ قومیت کا ایک ایسا عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے میں اس کی تکوین وبناوٹ کا ایک ناگزیر عامل (FACTOR) ہوں، میں اس دعویٰ سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا۔

ہم اپنے ساتھ کچھ ذخیرے لائے تھے اور یہ زمین بھی اپنے ذخیروں سے مالامال تھی، ہم نے اپنی دولت اس کے حوالے کر دی اور اس نے اپنے خزانے کے دروازے ہم پر کھول دیئے، ہم نے اسے اسلام کے ذخیرے کی وہ سب سے زیادہ قیمتی چیز دے دی جس کی اسے سب سے زیادہ احتیاج تھی ہم نے اسے جمہوریت اور انسانی مساوات کا پیام پہنچا دیا۔

تاریخ کی پوری گیارہ صدیاں اس واقعہ پر گزر چکی ہیں، اب اسلام بھی اس سرزمین پر ویسا ہی دعویٰ رکھتا ہے جیسا دعویٰ ہندو مذہب کا ہے اگر ہندو مذہب کئی ہزار برس سے اس کے باشندوں کا مذہب رہا ہے تو اسلام بھی ایک ہزار برس سے اس کے باشندوں کا مذہب چلا آتا ہے، جس طرح ایک ہندو فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ وہ ہندوستانی ہے اور ہندو مذہب کا پیرو ہے، ٹھیک اسی طرح ہم بھی فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم ہندوستانی ہیں اور مذہبِ اسلام کے پیرو ہیں۔"

(مولانا ابوالکلام آزادؔ)

مُسلمانوں کے ملّی تشخّص کا مسئلہ

۱۹۳۷ء میں یو، پی میں جب پہلی بار صوبائی حکومت کی تشکیل ہوئی تھی تو اس وقت وزیر تعلیم سمپورنا نند جی نے اسمبلی میں تعلیم و کلچر کے موضوع پر حکومت کی پالیسی کی وضاحت کی تھی، اس کے ردِ عمل کے طور پر مولانا ابوالکلام آزادؒ (۱۹۵۸ــــــ ۱۸۸۹ء) نے فرمایا تھا:۔

" اگر سمپورنا نند جی نے یو، پی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ وہ تعلیم کے مسئلے میں ہندو مسلم کا امتیاز دیکھنا نہیں چاہتے اور نہ کلچر و تہذیب کے معاملے میں ہندو مسلم کا امتیاز پسند کرتے ہیں تو یقیناً انہوں نے ایک ایسا نظریہ پیش کیا ہے جو مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ نہ تو کانگریس ہی کا یہ مقصد ہے اور نہ مسلمان ہی اس مقصد سے تا قیامت متفق ہو سکتے ہیں کہ ہندوستان سے مسلم تعلیم، مسلم کلچر اور مسلم تہذیب کے امتیازی اوصاف فنا ہو جائیں اور وہ ہندوستان کے متحدہ قومیت میں جذب ہو کر جرمن یا انگریز کی طرح ...... ہندوستانی قوم کے سوا کچھ نہ رہیں۔

مسلمانوں کو صاف طور پر چلا کر اور پکار کر یہ اعلان کر دینا چاہیئے کہ وہ ہندویت میں جذب ہونے کیلئے ایک لمحہ کے واسطے بھی تیار نہیں۔ کانگریس میں شریک ہونے اور آزادی کی جدوجہد میں اپنے ہم وطنوں کے دوش بدوش چلنے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ مسلمان اپنے امتیازی ملّی خصائص کو خیر باد کہدیں اور ہندوستان کی متحدہ قومیّت کے سمندر میں اپنے ملّی تشخص کو محو کر کے رکھ دیں۔ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیئے اور نہ انشاء اللہ ہوگا۔"

مولانا آزادؒ نے ۱۹۴۰ء میں رام گڑھ کے اپنے خطبے میں اسی بات کو ایک دوسرے انداز سے بیان کیا تھا:ــــــــــ "میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں۔ اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثے میں آئی ہیں، میں تیار نہیں کہ اس کا معمولی سے معمولی حصہ بھی ضائع ہونے دوں، اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم و فنون، اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں، بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور کلچرل دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے۔"

ایک فیصلہ کن بات

"آپ نے ابھی فیصلہ ہی نہیں کیا ہے کہ آپ کو اس ملک میں ہر حال میں مسلمان بن کر رہنا ہے، آپ ایسی زندگی سے بیزار ہیں جس میں سب کچھ ہو مگر عقیدہ اور ایمان کا تحفظ نہ ہو، آپ نے فیصلہ نہیں کیا ہے کہ آپ نے ان پالتو اور ناز پروردہ جانوروں اور پرندوں کی طرح زندگی گذار دیں گے جن کو راتب کا ملنا کافی ہے۔ ہم محض راتب پر ہی اس ملک میں نہیں، کسی عرب یا خالص مسلمان ملک کی سرزمین پر بھی رہنے کیلئے تیار نہیں، جہاں راتب کے سوا ہم کو باعزت آزاد اور ضمیر و عقیدہ کے مطابق زندگی گزارنے کی دولت میسر نہیں، سارا شکوہ اور سارا گلہ اسی بات کا ہے کہ ہم ہندوستانی مسلمانوں نے ابھی سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ نہیں کیا ہے کہ ہم ہر چیز کی قربانی کیلئے تیار ہیں، ایمان اور عقیدہ کی قربانی کے لئے نہیں۔

اس آدھی رات کو جس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں اور جس میں جھوٹ بولنے والا بھی جھوٹ بولنے سے ڈرتا اور پناہ مانگتا ہے، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس دن آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ آپ کو ایمان سب سے بڑھ کر عزیز ہے، ایمان کے بغیر بچوں کا جینا بھی آپ کو مطلوب نہیں، اسی وقت سے آپکے حالات میں تبدیلی آجائے گی اور مشکلات کے پہاڑ (اگرچہ وہ مشکلات خیالی نہیں بلکہ واقعی ہیں) اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے، ایمان و عقیدہ کے تحفظ کے بغیر اور اس اطمینان کے بغیر کہ ہماری آئندہ نسل بھی مسلمان رہے گی، ہم ایک منٹ بھی زندہ رہنا نہیں چاہتے اور یہ تحفظ اور انتظام ہمارے لئے پانی اور بجلی کی سپلائی، راشن کی دکانوں، حفظانِ صحت اور علاج کی سہولتوں اور جان و مال کی حفاظت سے بھی زیادہ ضروری ہے"

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
و ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
(یو،پی)

اسرار و حکم

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ [البقرۃ: ۲۶۹]

وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے، اور جسے حکمت عطا ہو گئی اسے یقیناً خیر کثیر عطا ہو گئی۔ اور نصیحت تو بس صاحبان فہم ہی قبول کرتے ہیں

الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن فحیث وجدھا فھو احق بھا

(ترمذی)

حکمت پر مبنی بات مومن کا گمشدہ سرمایہ ہے، جہاں کہیں اسے پائے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔

طشت — شہد — بال

ایک نظر تین اثر

ایک دن حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق و حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی معیت میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے دولت خانہ پر تشریف لائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوری طور پر خاطر مدارات کا اہتمام کیا اور ایک روشن طشت میں نہایت نفیس شہد بھر کر پیش کیا، اتفاق سے اس شہد میں ایک بال پڑا ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا اور صحابہؓ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا یہ طشت اور شہد جس میں ایک بال بھی نظر آرہا ہے، بعض حقائق اور معارف کی تشریح چاہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اپنے زورِ طبع سے اس کے متعلق بیان کرے۔

یہ سُن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دیندار آدمی اس طشت سے زیادہ روشن اور ایمان اس کے دل میں شہد سے زیادہ شیریں اور ایمان کا آخر تک ساتھ لے جانا اس بال سے زیادہ باریک ہے۔

پھر حضرت عمر فاروق رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بادشاہی اس طشت سے زیادہ روشن اور حکمرانی شہد سے زیادہ شیریں ہے لیکن حکومت میں عدل وانصاف کرنا بال سے زیادہ باریک ہے۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! علمِ دین اس طشت سے زیادہ روشن اور علمِ دین کا پڑھنا شہد سے زیادہ شیریں اور علم پر عمل کرنا بال سے زیادہ باریک ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! مہمان اس طشت سے زیادہ روشن خدمتِ مہمان شہد سے زیادہ شیریں ہے لیکن مہمان کی دلنوازی اور خوشنودی حاصل کرنا

بال سے زیادہ باریک ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بیانات سماعت فرمانے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا، سیدہ تم بھی کچھ کہو ــــــــ حضرت سیدہ رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عورتوں کے حق میں حیا اس طشت سے زیادہ روشن اور چادر عورتوں کے منہ پر شہد سے زیادہ شیریں اور خود کو نگاہِ غیر محرم سے بچانا بال سے زیادہ باریک ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! میں بھی اس بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں سُنو، معرفتِ الٰہی اس طشت سے زیادہ روشن اور معرفت سے آگاہ ہونا شہد سے زیادہ شیریں ہے لیکن اس کو اپنے دل میں محفوظ رکھنا بال سے زیادہ باریک ہے۔

ابھی یہ گفتگو ختم نہ ہونے پائی تھی کہ دَروازہ پر ایک شخص نے آواز دی یا رسول اللہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت سیدہ پردہ میں ہوگئیں اور نو وارد شخص حاضر ہوا۔ یہ جبرئیلؑ تھے، عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! راہِ خدا اس طشت سے زیادہ روشن ہے اور راہ میں چلنا شہد سے زیادہ شیریں ہے لیکن آخر تک اس راہ پر قائم رہنا بال سے زیادہ باریک ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور حق سبحانہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا:

"اے محمدؐ! بہشت اس طشت سے زیادہ روشن ہے اور بہشت کی نعمتیں اِس شہد سے زیادہ شیریں ہیں لیکن پُل صراط سے گذرنا بال سے زیادہ باریک ہے"

ماخوذ از مواعظِ حسنہ محدثِ دکن مولانا سید عبداللہ شاہ صاحبؒ جلد اول، صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷۔

ایک مردِ حکیم کی حکیمانہ باتیں

قرآنِ کریم کی ۳۱ سورۃ میں ایک مردِ حکیم کا ذکر ہے جن کا نام لقمان تھا وہ حبشی نژاد تھے اور حضرت داؤدؑ (۱۰۲۴ ـــــ ۹۶۳ ق م) کے زمانے میں پیدا ہوئے، انہوں نے اپنے بیٹے کو بعض نہایت عمدہ نصیحتیں کی تھیں جن کو قرآن حکیم میں نقل کیا گیا ہے، متعلقہ قرآنی آیتوں سے حسبِ ذیل باتیں خلاصہ کے طور پر معلوم ہوتی ہیں:۔ (آیات سورۂ لقمٰن ۱۲ تا ۲۰)

○ حکمت و دانائی حقیقۃً یہ ہے کہ کائنات میں اپنے مقام کو پہچانا جائے اور خدا کے مقابلے میں اپنی غلامانہ حیثیت کا اعتراف کیا جائے۔

○ کسی اور کو خدا کے برابر ٹھیرانا سب سے بڑی غلطی ہے اس سے بڑی کوئی دوسری غلطی نہیں ہو سکتی۔

○ ماں باپ کا حق اتنا زیادہ ہے کہ اس سے آگے صرف خدا و رسول کا درجہ ہے حتی کہ اگر وہ شرک و کفر کا حکم دیں جب بھی ان کی بات کو نہ مانتے ہوئے ان کے ساتھ حُسنِ سلوک میں فرق نہ آنا چاہیئے۔

○ منعمِ حقیقی اللہ تعالیٰ کا شکر اور دوسرے محسن انسانوں کا شکریہ ادا کرتے رہنا چاہیئے، انسانی شکریئے میں سب سے اونچا مقام والدین کا ہے۔

○ زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ سارے انسانوں کو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور خدا وہ ہے جو ہماری باتوں سے باخبر ہے ـــــ ○ جو لوگ صحیح زندگی گذارنے کا حوصلہ کریں انہیں جاننا چاہیئے کہ یہ عزم و ہمت کا کام ہے جو برداشت کئے بغیر نہیں ہو سکتا ـــــ ○ زندگی کا صحیح نظام یہ ہے کہ اس کا نقشہ نماز کے گرد بنایا گیا ہو۔ ○ اپنی اصلاح کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کی فکر کرنا بھی ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔

○ اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کے مقابلہ میں اپنے کو نمایاں کرنے کی کوشش ایک بیہودہ فعل ہے، خدا کی نظر میں کوئی بڑا چھوٹا نہیں، البتہ معزز وہ ہے جو تقویٰ و خدا خوفی میں بڑھا ہوا ہے۔

○ بہترین بات یہ ہے کہ ہر معاملہ میں درمیانی طریقہ اختیار کیا جائے۔

یہ زندگی کی وہ حقیقتیں ہیں جن پر زمین و آسمان گواہ ہیں، ان کی سچائی پر یقین کرنے کیلئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے، صرف دیکھنا یہ ہے کہ کتنے سچے اس سچائی کی طرف بڑھتے ہیں ـــــ؟ ●●

حضرت ابوذرؓ کا ایک حکیمانہ مکتوب

حضرت ابوذر غفاریؓ کو ایک خط ملا۔ انہوں نے اسے کھولا اور پڑھا، یہ کسی دُور دَراز کے شہر سے ایک ایسے آدمی نے بھیجا تھا جو آدمی حضرت ابوذرؓ کے مرتبہ عالی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے تعلقات خصوصی سے پوری طرح واقف تھا، اس خط میں حضرت ابوذرؓ سے ایک جامع نصیحت کی دَرخواست کی گئی تھی۔

حضرت ابوذرؓ نے اس کے جواب میں ایک مختصر سا جملہ لکھ دیا کہ "جس کسی کو تو تمام انسانوں سے زیادہ دوست رکھتا ہے اس کے ساتھ بدی و دشمنی نہ کر"۔ یہ جواب پاکر وہ آدمی پریشان ہوگیا، لاکھ سوچا مگر سمجھ میں نہ آیا کہ جس کو تمام دنیا سے محبوب رکھا جائے اس پر جان و مال قربان کیا جاتا ہے، بدی و دشمنی کا کوئی تصور قائم نہیں ہوتا، مگر یہ جملہ مہمل بھی نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ ابوذرؓ لقمانِ امت ہیں، انہوں نے لکھا ہے لہٰذا کیوں نہ انہی سے اس کی وضاحت طلب کی جائے، چنانچہ اس نے دوسرا خط لکھا اور اپنی مشکل پیش کردی۔

حضرت ابوذرؓ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "محبوب ترین فرد و عزیز ترین ذات سے میرا مقصد خود تیری اپنی ہستی ہے کوئی دوسرا مقصود نہیں اور جو میں نے یہ لکھا کہ محبوب ترین ہستی سے بدی و دشمنی نہ کر اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ساتھ دشمنوں جیسا برتاؤ نہ کر، شاید تجھ کو علم نہ ہو کہ جو بھی گناہ یا غلطی انسان سے ہوتی ہے پہلے اس کا اثر براہ راست اس کی ذات پر پڑتا ہے اور اس کا ضرر و نقصان اس کے دامن کو پکڑتا ہے"۔

یہ مکتوب کس قدر حکیمانہ اور انسان کی نفسیات سے ہم آہنگ ہے، کیا اس کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ آپ کے دل میں جب کبھی کسی گناہ کا خطرہ پیدا ہو تو آپ اس مکتوب اور اس کے مفہوم کو اپنے ذہن میں مستحضر کرلیں ــــــــــ

اگر آپ نے ایسا کیا تو امید ہے کہ گناہ کا خطرہ ٹل جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ آپ اپنی ذات کے دشمن نہیں دوست ہیں۔ بصورتِ دیگر کہا جائے گا کہ آپ کو اپنی ذات سے دوستی نہیں دشمنی ہے اور اسے آپ ضرر اور نقصان کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔

چار لفظ

حضرت فضیل بن عیاضؒ بہت ہی نیک اور عبادت گذار عالم تھے، ابن مبارکؒ جو خود بھی بہت بڑے عابد و زاہد تھے اور ان کے استاذ بھی تھے، فرماتے تھے: "میرے نزدیک اس وقت زمین پر ان سے زیادہ علم و فضل والا کوئی نہیں"۔ بڑے بڑے عالموں نے ان سے علم سیکھا۔ ان کی باتیں بڑی جچی تُلی ہوتی تھیں۔

ایک بار حضرت ابراہیم بن اشعبؒ نے ان سے چار لفظوں کا مطلب پوچھا، آپ نے ان لفظوں کے ایسے جچے تلے مطلب بتائے جس سے ان لفظوں کی حقیقت سامنے آجاتی ہے، حضرت ابراہیم بن اشعبؒ نے پوچھا کہ بتلایئے صبر، زہد، ورع اور خاکساری کا کیا مطلب ہے؟

حضرت فضیلؒ نے فرمایا:

صَبر: صبر کا مطلب تو یہ ہے کہ جب تم پر مصیبت آئے تو تم شکوہ و شکایت نہ کرو۔
زہد: کے معنی یہ ہیں کہ تم قناعت اختیار کرو، جو کچھ تم کو میسّر ہے اسی کو بہت سمجھو کہ یہی سب سے بڑی مالداری ہے۔
ورع: کے یہ معنی ہیں کہ جن باتوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے تم ان کے قریب بھی نہ پھٹکو۔
خاکساری: کا مطلب یہ ہے کہ تم حق کے سامنے جھک جاؤ اور جس کسی سے بھی حق ملے اسے کھلے دل سے قبول کرو چاہے کسی ایسے شخص سے ملے جو تمہاری نظر میں سب سے زیادہ کم علم اور نادان ہو۔

چار باتیں

ایک پرانا مقولہ ہے کہ شریف آدمی چار باتوں سے کبھی نہیں ہچکچاتا:

۱۔ اپنے باپ کی خدمت اور تعظیم سے۔
۲۔ مہمان کی خاطر تواضع اور خدمت سے۔
۳۔ اپنے گھوڑے (سواری) کی دیکھ بھال سے چاہے نوکر بھی موجود ہو۔
۴۔ اپنے استاذ کی خدمت سے۔

فقہی ذکاوت

ایک دن حسنِ اتفاق سے امام سفیان ثوری، قاضی ابن ابی لیلیٰ، شریک اور امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ ۱۸۰) ایک مجلس میں جمع تھے، شائقینِ علم کو اس سے زیادہ اچھا موقعہ کیا مل سکتا تھا۔ ایک شخص نے آکر مسئلہ پوچھا کہ "چند آدمی ایک جگہ مجتمع تھے، دفعۃً ایک سانپ نکلا اور ایک شخص کے بدن پر چڑھنے لگا، اس نے گھبرا کر پھینک دیا، وہ دوسرے شخص پر جا گرا، اس نے بھی اضطراب میں ایسا ہی کیا، یونہی ایک دوسرے پر پھینکتے رہے، یہاں تک کہ اخیر شخص کو اس نے کاٹا اور وہ مر گیا، دیت کس پر لازم آئے گی؟"

یہ فقہ کا ایک دقیق مسئلہ تھا، سب کو تأمل ہوا، کسی نے کہا سب کو دیت دینی ہوگی۔ بعضوں نے کہا صرف پہلا شخص ذمہ دار ہوگا۔ سب کے سب مختلف الرائے تھے اور باوجود بحث کے کچھ تصفیہ نہیں ہوتا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ چپ تھے اور مسکراتے جاتے تھے، آخر میں سب ان کی طرف متوجہ ہوئے کہ آپ بھی تو اپنا خیال ظاہر کیجئے، امام صاحبؒ نے فرمایا:

جب پہلے شخص نے دوسرے پر پھینکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا شخص بری الذمہ ہو چکا اسی طرح دوسرا اور تیسرا بھی۔ بحث اگر ہے تو صرف اخیر شخص کی نسبت ہے۔ اس کی دو حالتیں ہیں۔ اگر اس کے پھینکنے کے ساتھ ہی سانپ نے اس شخص کو کاٹا تو اس پر دیت لازم آئے گی اور اگر کچھ وقفہ ہوا تو یہ شخص بھی بری الذمہ ہو چکا۔ اب اگر سانپ نے اس کو کاٹا تو خود اس کی غفلت ہے کہ اس نے اپنی حفاظت میں جلدی اور تیز دستی کیوں نہ کی؟

اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور امام صاحب کی ذکاوت وجودتِ طبع کی تحسین کی۔

تمہاری کتاب اور تمہارے رسولؐ نے جالینوس کیلئے کوئی طب نہیں چھوڑی

ہارون رشید کے پاس ایک نصرانی طبیب علاج کیلئے رہتا تھا، اس نے علی بن حسین ابن واقدی سے کہا کہ تمہاری کتاب یعنی قرآن میں علم طب کا کوئی حصہ نہیں، حالانکہ دنیا میں دو ہی علم، علم ہیں، ایک علمِ اَدیان، دوسرا علمِ اَبدان، جس کا نام طب ہے، علی بن حسین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سارے فن طب و حکمت کو آدھی آیتِ قرآن میں جمع کر دیا ہے، وہ یہ کہ ارشاد فرمایا: کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا (کھاؤ اور پیو اور بے جا خرچ نہ کرو یا حد شرعی سے نہ نکلو) پھر اس نے کہا اچھا تمہارے رسولؐ کے کلام میں بھی طب کے متعلق کچھ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمات میں سارے فنِ طب کو جمع کر دیا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ "معدہ بیماریوں کا گھر ہے اور مضر چیزوں سے پرہیز ہر دوا کی اصل ہے اور ہر بدن کو وہ چیز دو جس کا وہ عادی ہے"۔ نصرانی طبیب نے یہ سُن کر کہا "تمہاری کتاب اور تمہارے رسولؐ نے جالینوس کیلئے کوئی طب نہیں چھوڑی"۔

واقعہ یہ ہے کہ نظامِ جسمانی کی درستی اور صحت کیلئے اصولی اعتبار سے یہ آیت اور حدیث "نسخہ اکسیر" کا درجہ رکھتی ہے۔ کھانے پینے میں احتیاط رکھی جائے اور معدے کے نظام کو درست رکھنے کی فکر ہو تو یقیناً ایک انسان کی صحت قابلِ رشک بن سکتی ہے۔

بیہقی نے شعب الایمان میں یہ روایت ابوہریرہؓ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معدہ بدن کا حوض ہے، سارے بدن کی رگیں اسی حوض سے سیراب ہوتی ہیں، اگر معدہ درست ہے تو ساری رگیں یہاں سے صحت مند غذا لے کر لوٹیں گی اور وہ خراب ہے تو ساری رگیں بیماری لے کر بدن میں پھیلیں گی ـــــــ حضرت عمر فاروق کا قول ہے کہ "بہت کھانے پینے سے بچو، کیوں کہ وہ جسم کو خراب کرتا ہے، بیماریاں پیدا کرتا ہے، عمل میں سستی لاتا ہے بلکہ کھانے پینے میں میانہ روی

اختیار کرو کہ وہ جسم کی صحت کیلئے بھی مفید ہے، اور اسراف سے دُور ہے۔" آیت کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلاَ تُسْرِفُوْا سے مفسّرین نے آٹھ مسائلِ شرعیہ نکالے ہیں! کھانا بقدرِ ضرورت فرض ہے۔ (۲) جب تک کسی چیز کی حرمت کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو جائے ہر چیز حلال ہے، (۳، ۴) جن چیزوں کو اللہ اور رسولؐ نے حرام کر دیا یا حلال کر دیا انہیں اس کے خلاف سمجھنا اسراف اور سخت گناہ ہے۔ (۵) پیٹ بھر جانے کے بعد اور کھانا ناجائز ہے۔ (۶) اتنا کم کھانا جس سے کمزور ہو کر ادائے واجبات کی قدرت نہ رہے گناہ ہے۔ (۷) ہر وقت کھانے پینے کی فکر میں رہنا بھی اسراف ہے۔ (۸) جب کبھی کسی چیز کو جی چاہے تو ضرور ہی اس کو حاصل کرے اسراف ہے۔

فساد اور بگاڑ کے چھ بنیادی اسباب

حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا ہے کہ چھ اسباب ہیں جن کی وجہ سے خلقِ خدا میں فساد اور بگاڑ رونما ہو گیا ہے :۔

(۱) پہلا سبب یہ ہے کہ عمل برائے آخرت کی نیت میں ضعف آگیا ہے، کھلی بات ہے کہ جب کسی چیز کیلئے عمل کی نیت اور اس کا ارادہ ہی کمزور ہو جائے تو لا محالہ اس میں اسکی رغبت کم ہو جائے گی۔

(۲) دوسرا یہ کہ ان کے اعضاء و جوارح خواہشات کے قیدی بن جائیں۔ یہ دوسرا سبب پہلے سبب کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کیوں کہ انسان اپنی خواہشاتِ نفس کو اسی وقت ترک کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی بندگی و اطاعت کی نیت اور عزم قوی ہو اور جب یہ چیز فوت ہو جاتی ہے تو اس کا بدن اس کی خواہشات کے پیچھے پیچھے چلنے لگتا ہے۔ (۳) تیسرا یہ کہ موت قریب ہونے کے باوجود لوگوں پر دنیا کی لمبی امیدوں اور تمناؤں نے غلبہ پالیا ہے۔ (۴) چوتھا یہ کہ انہوں نے مخلوق کی خوشنودی کو خالق کی خوشنودی پر ترجیح دے رکھی ہے۔ (۵) پانچواں یہ کہ انہوں نے اپنی ایجاد کردہ بدعتوں کی پیروی کی اور اپنے نبیؐ کی سنت کو پس پشت ڈال دیا۔ یہ پانچواں سبب دراصل چوتھے سبب کا لازمی نتیجہ ہے۔ انہوں نے مخلوق کو خوش کرنے اور دنیوی فوائد حاصل کرنے کیلئے دنیا میں طرح طرح کی بدعتیں رائج کیں اور اپنے عقیدہ و عمل کو بگاڑ کر رکھ لیا۔ (۶) چھٹا یہ کہ انہوں نے سلف کی قلیل لغزشوں کو اپنے لئے دلیل بنالیا اور ان کے کثیر فضائل و مناقب کو دفن کر دیا۔ خواہشِ نفس کی پیروی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کو اگر کسی بدعت یا غلطی پر ٹوکا جائے تو وہ جھٹ سے کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم کیا ہیں، ہم سے بہت زیادہ افضل فلاں بزرگ نے ایسا کہا ہے، یہ لوگ بزرگوں کے بہترین اعمال اور ان کی قابلِ رشک عبادات و طاعات میں ان کی پیروی نہیں کرتے لیکن اگر ان سے کوئی لغزش ہو گئی ہو تو اسے اپنے لئے دلیل و حجت بنانے کیلئے تیار رہتے ہیں۔

فساد اور بگاڑ کے اِن اسباب سے خود کو بچانے کے بعد ہی ایک انسان کے لئے صلاح و فلاح اور خدائی ہدایت و بصیرت کے دروازے کھل سکتے ہیں۔

ایک دلچسپ علمی محاکمہ

از: سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔

"ایک دن دو طالب علم آپس میں بحث کر رہے تھے، ایک کہہ رہا تھا، نماز بغیر حضورِ قلب درست نہیں ہے، کیوں کہ لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِحضُورِ القلب (نماز دل کی حاضری کے بغیر نہیں ہوتی) حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اور دوسرا حضرت عمرؓ کے قول سے استدلال کر رہا تھا کہ اِنِّی اُجَهِّزُ الْجَیْشَ وَاَنَا فِی الصَّلٰوۃِ (میں نماز پڑھنے کے دوران لشکر کا انتظام کرتا ہوں) اس سے زیادہ کونسا امر منافیِ نماز ہو سکتا ہے۔ آخر میں ان دونوں نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے محاکمہ (فیصلہ) چاہا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض اور ٹکراؤ نہیں ہے مقربوں کو جب بادشاہوں کی حضوری ہوتی ہے تو پیش آمدہ مسائل عرض کرتے ہیں اور استمزاج چاہتے ہیں اور بجا آوریِ خدمت کی کوشش کرتے ہیں، ایسا ہی عین حضوری ہے نہ منافیِ حضوری"

(امداد المشتاق از: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ص: ۵۲، ۵۱)
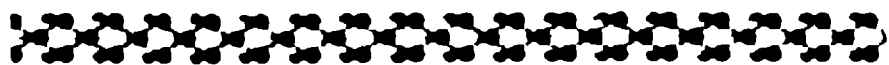
اِتحاد کی بُنیاد کیا ہے؟

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے تھے کہ آجکل لوگ اتفاق اتفاق تو پکارتے ہیں مگر اس کی جڑ کی ان کو خبر نہیں، اتفاق کی جڑ تواضع ہے بدون اس کے اتفاق نہیں ہوسکتا اور آج کل اتفاق کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص دوسرے کو اپنے سے متفق اور اپنی رائے کا تابع بنانا چاہتا ہے۔ اگر وہ دوسرا بھی ایسا ہی چاہے گا تو اتفاق کیسے ہوگا؟ پس کبر کے ہوتے ہوئے اتفاق ممکن نہیں، اتفاق محض تواضع سے ہوگا۔ ہر شخص دوسرے کی موافقت اور تقلید کیلئے تیار ہو (اور بعض معاملات میں اختلاف کو برداشت کرتے ہوئے "مشترکہ امور" میں اتحاد کی صورت پیدا کی جائے) ورنہ اتفاق دشوار ہے اور اگر ہوا بھی تو محض زبانی اور کاغذی ہوگا۔

اس کی نظیر امام ابوحنیفہؒ کی ایک وصیت ہے جو اپنے صاحبزادہ حماد کو کی تھی کہ تم مناظرہ نہ کرنا۔ صاحبزادہ نے عرض کیا کہ حضرت میں نے تو آپ کو مناظرہ کرتے ہوئے دیکھا ہے پھر مجھے کیوں منع فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ ہمارے مناظرہ اور تمہارے مناظرہ میں فرق ہے۔ ہم تو مناظرہ کے وقت یہ خواہش کرتے تھے کہ ہمارے مقابل کی زبان سے حق ظاہر ہو جائے اور ہم اس کا اتباع کرلیں اس کی بات کو مان لیں تاکہ ہمارے بھائی کو غلبہ و عزت حاصل ہو جائے اور تم یہ تمنا کرتے ہو کہ مخالف کی زبان سے حق ظاہر نہ ہو بلکہ باطل ہی ظاہر ہو تاکہ ہم اس کو مغلوب کردیں اور خود غالب ہو جائیں پس ہم تو ہدایتِ مخالف کے طالب تھے اور تم ضلالتِ مخالف کے طالب ہو۔

دیکھئے امام صاحبؒ اور حضرت حماد کے زمانہ میں اتنا فرق ہو گیا، کتنی جلدی زمانہ بدل گیا اور اَب تو یہ قصد ہوتا ہے کہ مخالف کی زبان سے جو بات بھی نکلے گی اس کا رد ہی کریں گے خواہ حق ہی کیوں نہ نکلے۔

مخالفت کا اصل راز یہ ہے کہ نام مقصود ہوتا ہے کام نہیں، اس میں طرفین میں کشاکشی ہوتی ہے پھر جھگڑے فصے فساد ہوتے ہیں ———————

(حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

واقعہ معراج ــــــ نکتہ کی دو باتیں

از رئیس التحریر حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد

جس چیز کو ایک طرف سے دبائے گے تو دوسری طرف اس کا اُبھرنا ناگزیر ہے، آخر جو نیچے سے دبایا گیا اور مسلسل نہایت بیدردیوں سے دبایا گیا اور وہ دبتا ہی چلا گیا، کس قدر عجیب بات ہے کہ لوگ اسی کے متعلق پوچھتے ہیں کہ وہ "معراج" میں اُوپر کی طرف کس طرح چڑھا، کیوں چڑھتا گیا، آخر حد درجہ جسے نیچے دبایا گیا اُسے حد درجہ اُوپر اُبھرنا ہی چاہیئے تھا، اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

معراج کے موقعہ پر آسمانی سیر میں پہلے آسمان پر آدمؑ، دوسرے پر عیسیٰؑ و یحییٰؑ، تیسرے پر ادریسؑ، چوتھے پر ہارونؑ، پانچویں پر یوسفؑ، چھٹے پر موسیٰؑ اور ساتویں پر ابراہیمؑ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی۔ ہزارہا پیغمبروں میں سے کل سات پیغمبروں اور ان میں بھی حضرت آدمؑ سے شروع ہوکر معمارِ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کی زیارت پر آپؐ کی ملاقات کیوں ختم ہوگئی؟

اگر غور کیا جائے تو نکتہ کی بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت آدمؑ نے جس طرح اپنے وطن جنت سے نکل کر دنیا کی ہجرت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ (وطن) سے نکل کر مدینہ پہنچے، مدینہ میں یہودی فتنے نے آپؐ کو اسی طرح گھیرا جس طرح حضرت عیسیٰؑ و حضرت یحییٰؑ ان میں گھرے، حضرت ادریسؑ کتابت کے موجد تھے، غزوۂ بدر کے بعد آپؐ نے مسلمانوں میں نوشت وخواند کو مروّج کیا حتی کہ ہر خواندہ قیدی سے دس بچوں کو لکھنا سکھا دینا فدیہ مقرر ہوا، پیغمبروں میں حضرت ادریسؑ کے بعد آپؐ نے سلاطین کے نام خطوط روانہ کیئے، آگے جس طرح حضرت ہارونؑ بنی اسرائیل میں ہردلعزیز تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں محبوب تھے۔ پھر جس طرح حضرت یوسفؑ کو اپنے وطن ثانوی مصر میں جو اقتدار حاصل ہوا وہی حضورؐ کو اپنے دَورِ ہجرت مدینہ طیبہ میں چند سالوں کے بعد حاصل ہوگیا، پھر جس طرح حضرت موسیٰؑ نے اپنے وطن فلسطین پر مصر سے حملہ کیا، آپؐ نے اپنے وطن مکّہ پر حملہ کیا اور اس کو مشرکوں کے اقتدار سے آزاد کرایا، حضرت ابراہیمؑ بانیِ کعبہ تھے، آپؐ نے کعبہ پر قبضہ کرکے پھر اس کو حضرت ابراہیمؑ کی مسجد بنا دیا اور اسی پر زندگی ختم ہوگئی۔ (النبی الخاتمؐ، از مولانا مرحوم ص ۵۱، ۵۲، مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

شک اور تذبذب

ناکامی کا نقیب، شکست کا پیامبر

خواہ خواہش کا کوئی بھی دائرہ ہو یا کسی قسم کی بڑی سے بڑی چاہت کیوں نہ ہو — اگر انسان اپنی زندگی کے مقصد کا تعین اور پھر مقصد کے حصول کے لئے کمر باندھ کر تیار ہو جائے اور عمل پیہم جاری کر دے تو بہت جلد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا۔ لیکن شرط ہے انسان ہمت، صبر وضبط اور تحمل کا دامن پکڑے ہوئے لگن، جوش اور ولولے کے ساتھ کوشش و محنت شروع کر دے، اس میں ذرا بھی تاخیر نہ کرے اور ہرگز شک و شبہ میں نہ پڑے کہ خدا جانے اپنی منزل پر پہنچ جاؤں گا یا نہیں، ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہی تذبذب یا شک ہے، ناکامی کا وہم انسانی ترقی اور مقصد کے حصول کے راستے میں نہ صرف روڑے اٹکاتا ہے بلکہ کبھی کبھی تو مقصد ہی کو دل سے نکال باہر کرتا ہے، اس لئے کہ اول تو وہم اس کی انفرادی خوبیوں اور قابلیت پر پردہ ڈال دیتا ہے اور پھر اسے کام کرنے کا نااہل بنا دیتا ہے، ایسے لوگ ہر روز اپنا ارادہ بدلتے رہتے ہیں، پلان میں ترمیم کرتے رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا کوئی بھی کام بنتا نہیں بلکہ ہر روز نیا مقصد جنم لیتا ہے پھر پانی کے بلبلے کی طرح فنا ہو جاتا ہے اور انسان کہیں کا نہیں رہتا۔

لہٰذا اپنی اہلیت اور قابلیت پر بھروسہ رکھ کر ہمت اور لگن کے ساتھ ایک خاص مقصد کی خاطر جٹ جانا بھی کامیابی کی کنجی ہے حالانکہ حصولِ مقصد کی راہ میں بہت ساری دشواریاں سامنے آتی ہیں اور آتی ہی رہیں گی لیکن یہ دشواریاں مقصد کو ختم نہیں کر سکتیں، اگر ارادہ میں شباب کا طوفان اور محنت میں پسینہ کا جزو زیادہ سے زیادہ ہو۔

بسم الله الرحمن الرحيم
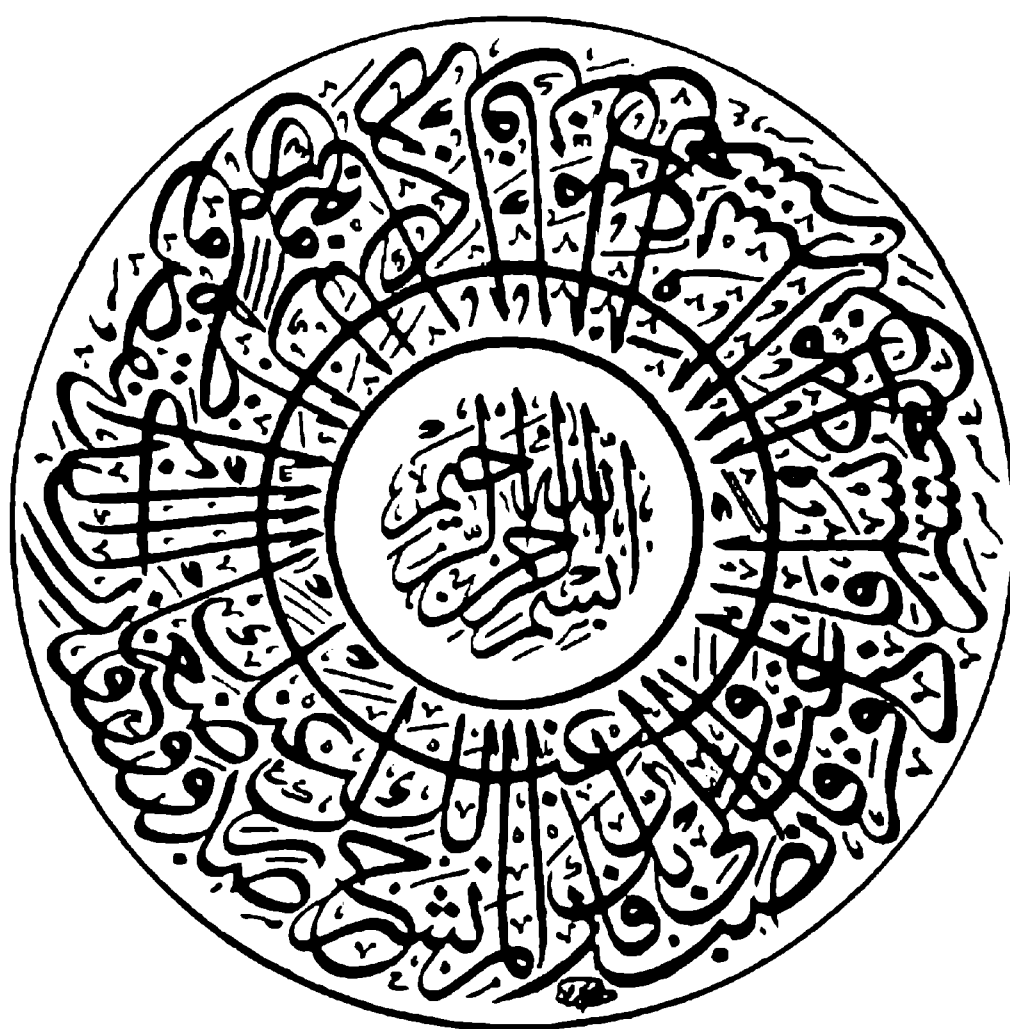
وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ [آل عمران: ۸۵]

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

قال عمر رضی اللہ عنہ انا نسمع احادیث من یہود تعجبنا افتری ان نکتب بعضہا۔ فقال: امتہوکون انتم کما تہوکت الیہود والنصاریٰ۔ لقد جئتکم بہا بیضاء نقیۃ ولو کان موسیٰ حیاما وسعہ الا اتباعی [مسند احمد]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ہم لوگ یہود سے کچھ توریت وغیرہ کی باتیں سنتے ہیں اور وہ ہمیں اچھی لگتی ہیں تو آپ کی کیا رائے ہے اگر ہم اُن میں سے کچھ نوٹ کرلیا کریں؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم لوگ بھی یہود ونصاریٰ کی طرح حیران وششدر رہنا چاہتے ہو اور مشکل میں پھنسنا چاہتے ہو، میں تمہارے پاس ایک صاف ستھری اور روشن شریعت لیکر آیا ہوں۔ اگر موسیٰ (علیہ السلام) بھی زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اسلام کا وسیع اور جامع تصوّر

اسلام نے جو عبادتیں فرض کی ہیں وہ فرد کے نفس کو پاک کرتی ہیں۔ اسے روحانی بلندی اور مادّی ترقی سے ہمکنار کرتی ہیں، اس طرح پورے سماج کو بلندی حاصل ہوتی ہے، بھائی چارہ کی روح پیدا ہوتی ہے۔ ہر فرد دوسرے کا ہمدرد اور غمگسار ہوتا ہے لیکن یہ روح اور جذبہ انسان کو زمین کی آبادکاری کی مہم سے غافل نہیں کرتا۔ اس طرح نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج ایک ہی وقت میں انفرادی عبادتیں بھی ہیں اور اجتماعی بھی۔ یہ عبادتیں نہ کسی مسلمان کو زندگی کی تگ ودو سے الگ تھلگ کرتی ہیں نہ سماج سے بلکہ شعوری اور عملی طور سے یہ سماج سے اس کے ربط اور تعلق کو اور بڑھاتی ہیں۔

یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے رہبانیت کو مشروع نہیں قرار دیا ہے، جو انسان پر یہ فرض عائد کرتی ہے کہ وہ گوشہ گیری اور عزلت کی زندگی گذارے اور دنیا کی زندگی اور اس کی اچھائیوں سے الگ تھلگ رہے۔ اس کی ترقی اور فروغ میں کوئی حصّہ نہ لے۔ رہبانیت کے برخلاف اسلام اس پورے کرۂ ارض کو مؤمن کے لئے ایک وسیع اور بڑی محراب قرار دیتا ہے اور اس میں عمل کو وہ عبادت اور جہاد سے تعبیر کرتا ہے، بشرطیکہ نیت درست ہو اور حدود اللہ کی پابندی کی گئی ہو۔

دوسرے ادیان اور فلسفے روحانی زندگی کی کامیابی کے لئے روح کی صفائی، پاکیزگی، ترقی اور آخرت کی فلاح کے لئے مادی زندگی سے غفلت برتنے، بدن کو راحتوں سے محروم رکھنے اور دنیا کی اہمیت کو گھٹانے کی جو دعوت دیتے ہیں، اسلام اسے تسلیم نہیں کرتا بلکہ ان تمام باتوں کے سلسلہ میں وہ انسانوں کو اعتدال اور توازن برقرار رکھنے کی تعلیم دیتا ہے اور یہ اعتدال و توازن اسلام کی سب سے بڑی خوبی اور کمال ہے۔

دینی تعلیم اور جدید فقہی مسائل

"اس وقت نئے مسائل سامنے آرہے ہیں اور ایسے علماء کی ضرورت ہے جو ان مسائل کا تشفی بخش جواب دے سکیں۔ اسلئے فقہ کی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے"

——— (مولانا سید سلیمان ندوی)

"فقہی مسائل اور ان کے اصول و قوانین جو فقہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی پر مشتمل مختلف کتابوں میں مدون ہیں اور اسلامی قانون کی حیثیت سے معروف ہو چکے ہیں وہ چونکہ اپنے اپنے دور کے حالات اور تقاضوں کے مطابق اسلام کے بنیادی اصول اور نصوص قرآن و سنت سے ماخوذ اور مستنبط ہوئے تھے، اسلئے ان میں ایسی اصلاح و تجدید عمل میں آسکتی ہے جو عصری ضرورتوں کی کفیل ہو سکے، مگر یہ کام اصحاب علم و بصیرت ارباب فکر و دانش اور ماہرین قانون اسلام پر مشتمل کوئی مجلس ہی کر سکتی ہے"

——— (مولانا ابوالکلام آزاد)

"آج اسلام کی سب سے بڑی ضرورت فقہ کی جدید تدوین ہے جس میں زندگی کے ان سیکڑوں، ہزاروں مسائل کا صحیح اسلامی حل پیش کیا گیا ہو جن کو دنیا کے موجودہ قومی اور بین الاقوامی سیاسی معاشی اور سماجی احوال و ظروف نے پیدا کر دیا ہے" ——— (علامہ اقبال)

"احکام و شرائع کی پوری تفصیل سے واقفیت یہ نہ ہر مسلمان کی قدرت میں ہے نہ ہر ایک پر فرض عین ہے۔ البتہ پورے عالم اسلام کے ذمے فرض کفایہ ہے۔ ہر شہر اور قصبہ میں کم از کم ایک عالم ان تمام علوم و شرائع کا ماہر موجود ہو تو باقی مسلمان اس فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں اور جس شہر یا قصبہ میں ایک بھی عالم نہ ہو تو شہر والوں پر فرض ہے کہ اپنے میں سے کسی کو عالم بنائیں یا باہر سے کسی عالم کو بلا کر اپنے شہر یا قصبہ میں رکھیں تاکہ ضرورت پیش آنے پر باریک اور جدید مسائل کو اس عالم سے فتویٰ لے کر سمجھ سکیں اور عمل کر سکیں"

——— (مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب)

"سورۂ توبہ آیت ۱۲۲ کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ اسلامی حکومت اور مسلم آبادی میں ہر قسم کا ساز و سامان تیار اور آدمی ہر قسم کی ضرورت کے لئے مستعد رہنے چاہئیں تاکہ رفاہِ خلق، صحتِ نفوس، نظم امت و شوکتِ اسلام میں کسی طرح کا فتور نہ پڑنے پائے۔ سپاہی، اہلِ قلم، اہلِ حرفہ، تاجر، کاشتکار وغیرہ سب ہی ملتِ اسلامی کے ضروری عناصر ہیں۔ اسی طرح ضروریاتِ دین کی تعلیم و تعلم اور دینی بصیرت اور تفقّہ حاصل کرنے اور کرانے کیلئے بھی کچھ لوگوں کو ضرور لگے رہنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہونے پائے کہ ادھر سے غفلت ہو جائے۔ جہاد بالدلائل تو جہاد بالاسلحہ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ فقہاء صوفیہ نے لکھا ہے کہ طالب علم کی غرض و غایت تفقہ فی الدّین (دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنا) اور امر بالمعروف (اچھی باتوں کی دعوت و تبلیغ) رہنی چاہیئے نہ کہ حصول جاہ و جمعِ مال یا بحث و جدال"

(مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)

"مسلم معاشرہ تین طبقوں میں تقسیم ہے اور تینوں کے زاویۂ نگاہ میں بنیادی فرق ہے"

الف: ایک طبقہ ایسا ہے جس کے سامنے نہ موجودہ دنیا کے حالات و مسائل ہیں اور نہ ان کو اسلامی قانون کی لچک اور ارتقائی صلاحیت کا اندازہ ہے۔ وہ حکومتی سطح پر نہ اسلام کو قائم کرنے کیلئے سوچ سکتا اور نہ اس کی ضرورت اس کو محسوس ہوتی ہے۔ بس ایک محدود صورت میں چند جزئیات و فروع اس کے سامنے ہیں اور انہیں کی حد تک وہ کل اسلام کی نمائندگی کا دعوے دار ہے۔

ب: اس کے مقابل دوسرا طبقہ ہے جو اپنے "امانت خانہ" کے لعل و جواہر کے عوض دوسروں سے "سنگریزے" اور "خزف ریزے" لے چکا ہے۔ اس کی نظر میں ماضی کی عظیم الشان روایتیں (جن پر قومی زندگی کی تعمیر ہوتی ہے) فرسودہ اور از کار رفتہ ہو چکی ہیں۔ یہ طبقہ اپنے شاندار ماضی سے کٹ کر اسلام کا ایک "جدید ایڈیشن" تیار کرنا چاہتا ہے جس کی تقریباً ہر چیز باہر سے درآمد کی گئی ہو۔

ج: ان دونوں کے درمیان ایک اور طبقہ ہے جو واقعی کچھ کرنے کا خواہشمند ہے۔ اگر اس کی خواہشوں کو جرأتمندانہ رہنمائی میسر آجائے تو اس سے بڑی توقعات وابستہ ہو سکتی ہیں دراصل یہی طبقہ مسلم معاشرہ کی بیداری کی علامت ہے، جس قدر اس میں اضافہ ہوتا جائے گا

اور علمی و عملی میدان میں اسکی ترقی رونما ہوگی، اسی قدر قوم ترقی یافتہ سمجھی جائے گی۔

فقہ کی "جدید تدوین کی آواز" اسی طبقے کے بے قرار دل کی آواز بن سکتی ہے، اگر اس کی یہ آواز رہنماؤں کی بے ذوقی اور کم نگہی کی نذر ہوگئی (جیسا کہ اس کا قوی اندیشہ ہے) تو نتیجہ نہایت بھیانک صورت میں ظاہر ہونا یقینی ہے یعنی پھر یہ طبقہ یا تو مجبوراً خودکشی کر لے گا اور یا "متجددین کے دامِ تزویر" میں پھنس کر اپنے کو اسلام کی خود ساختہ تعبیر کے حوالے کر دیگا۔"

○ قانون کے ثبات اور استحکام کیلئے نفسیاتی طور پر دو چیزیں ضروری ہیں: عظمت اور تقدس عظمت، سے قلوب میں قانون کا وقار و احترام برقرار رہتا ہے، اور تقدس، سے قانون میں خاص قسم کی شانِ دلربائی اور جاذبیت محسوس ہوتی ہے۔ اگر کسی مجموعۂ قوانین سے یہ دونوں نکل جائیں تو پھر وہ زندگی میں نہ اپنا مقام بنا سکتا ہے اور نہ اس کے اصلی کردار کی نمود ہو سکتی ہے۔ مذہبی قانون کی بنیاد ہی "عظمت و تقدس" پر قائم ہے اور قانون کی تاریخ شاہد ہے کہ انسانی زندگی جس قدر مذہبی قانون سے متأثر ہوئی ہے، خالص دنیوی قانون سے اس کا عشر عشیر بھی متأثر نہیں ہو سکی، اس کی بڑی وجہ مذہب میں "عظمت و تقدس" کا تحفظ ہے۔ اس بنا پر "جدید تدوین" کی ایسی کوئی آواز قابلِ قبول نہ ہو سکے گی جس سے ان دونوں پر کسی طرح زد پڑنے کا اندیشہ ہو یا قانون کی تبدیلی کی ذہنیت عام ہونے کا خطرہ ہو۔

○ جدید تدوین کی احتیاطی صورت یہ ہے کہ قانون کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے:

(۱) وہ جس کا تعلق عقائد، عبادات، اخلاق وغیرہ انسان کی انفرادی زندگی سے ہے۔

(۲) وہ جس کا تعلق معاشرت، معاشیات و سیاسیات وغیرہ ملکی قانون سے ہے۔

عوام کا زیادہ تر تعلق پہلے حصے سے ہے۔ اس میں نہ کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت ہے اور نہ موجودہ حالت میں قوم تبدیلی کی متحمل ہو سکتی ہے، صرف جدید ترتیب قائم کرنے اور بعض مباحث کو مقدم و مؤخر کرنے سے یہ کام ہو جائے گا اور اگر اس میں بھی کانٹ چھانٹ کی گئی

تو تبدیلی کی ذہنیت عوام میں سرایت کر جائے گی اور قانون کا وقار ان کے دل سے نکل کر مذہب کی گرفت ڈھیلی ہو جائے گی، پھر دنیوی قانون کی طرح مذہبی قوانین بھی بے جان ہو کر رہ جائیں گے
دوسرے حصے میں کافی غور و خوض کے بعد نقشہ مرتب ہو سکے گا جس میں حالات و تقاضے کے مطابق نئی ترتیب قائم کرنا، نئے پیش آمدہ مسائل کا حل دریافت کرنا اور جن مباحث کو زمانے کے مفتی نے ختم کر دیا ہے اس کو ترتیب سے نکال دینا وغیرہ امور شامل ہیں۔"

مولانا محمد تقی امینیؒ
سابق ناظم شعبۂ دینیات، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ۔

فقہ کی حقیقت

علامہ زمخشریؒ نے لکھا ہے کہ فقہ کی حقیقت تحقیق و تفتیش کرنا اور کھولنا ہے۔ امام غزالیؒ نے فقہ کے معنی فہم و تدبر اور دین میں بصیرت بیان کئے ہیں۔ نتیجہ کے لحاظ سے ان دونوں کا مفہوم تقریباً یکساں ہے اور اسی مفہوم کا لحاظ کر کے فقیہ کی تعریف محققین نے یہ بیان کی ہے کہ "فقیہ" وہ عالم ہے جو تفکر و تدبر کر کے قوانین کے حقائق کا پتہ لگائے اور مشکل و مغلق امور کو واضح کرے۔" امام ابو حنیفہؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ" فقہ نام ہے اس معرفت کا جس کے ذریعہ انسان پر اپنے (دینی اور دنیاوی) فائدے اور نقصان کو معلوم کرے۔"

فقہ کی اس گہرائی تک پہنچنے کے لیئے ظاہری علوم و فنون کے ساتھ قلب و دماغ کی صفائی اور نفس و روح کی طہارت بھی درکار ہے کہ اس کے بغیر فکر و نظر میں مطلوبہ سنجیدگی پیدا ہونا نہایت دشوار ہے۔ چنانچہ امام حسن بصریؒ نے اسی حقیقت کے پیشِ نظر فقیہ میں درج ذیل اوصاف کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے :۔

(۱) فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے (یعنی دنیا کو مقصود بالذات نہ سمجھے)
(۲) آخرت کے کاموں سے رغبت رکھے۔
(۳) دین میں کامل بصیرت حاصل ہو۔
(۴) طاعات پر مداومت کرنے والا اور پرہیز گار ہو۔
(۵) مسلمانوں کی بے آبروئی اور ان کی حق تلفی سے بچنے والا ہو۔
(۶) اجتماعی مفاد اس کے پیشِ نظر ہو، شخصی مفاد پر قومی و جماعتی مفاد کو ترجیح دیتا ہو۔
(۷) مال کی طمع نہ ہو۔

امام غزالیؒ نے بھی فقیہ کیلئے تقریباً یہی باتیں ضروری قرار دی ہیں، البتہ ان کے بیان میں یہ جملہ نہایت اہم ہے کہ" دنیوی امور میں خلقِ خدا کی مصلحتوں کا ماہر اور رمز شناس ہو۔" اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ "وَمَنْ لم یکنْ عَالِماً بِاَھْلِ زَمانہٖ فھوجَاھِل"۔ جو فقیہ اپنے زمانہ کے لوگوں کے حالات سے واقف نہ ہو وہ جاہل ہے ——— (مُرتّب)

فقہ اسلامی ـــــــ ایک تعارف

شریعت کے عملی احکام کو تفصیلی دلائل کے ذریعہ جاننے کا نام "فقہ" ہے۔
فقہ اسلامی کے پانچ شعبے ہیں :۔

(۱) **عبادات :**

وہ احکام جن میں بندوں کا تعلق براہِ راست ذاتِ خداوندی سے ہو۔

(۲) **مناکحات :**

وہ قوانین جو ازدواجی اور معاشرتی زندگی سے متعلق ہیں۔

(۳) **معاملات :**

مالی بنیاد پر دو آدمیوں کے درمیان تعلقات پر مبنی احکام۔

(۴) **عقوبات :**

قانونِ جرم و سزا۔

(۵) **سیاسیات :**

عدلِ اجتماعی، نظامِ قضا بین ملکی تعلقات اور دفاع و جہاد وغیرہ کے قوانین

فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ :۔

کتاب اللہ، السنۃ، اجماع، قیاس۔

فقہ اسلامی کے ضمنی مآخذ :۔

استحسان، مصالح مرسلہ، عرف وعادت، آثارِ صحابہؓ، شرائع اقوام ماقبل، استصحاب، سدِ ذرائع۔

فقہ اسلامی کا عمومی مزاج :۔

اللہ تعالیٰ آسانی چاہتا ہے، دشواری نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں تنگی نہیں رکھی ہے (حج)، نہ نقصان اٹھاؤ (البقرہ) اور نہ نقصان پہنچاؤ (الحدیث)

فقہ حنفی پر ایک نظر

فقہ حنفی کا سلسلۂ نسب :

حضرت ابن مسعودؓ نے اسے بویا، علقمہ نے سیراب کیا، ابراہیم نے کاٹا، حماد نے دانے الگ کئے امام ابوحنیفہ نے اسے پیسا، قاضی ابویوسف نے اسے گوندھا، امام محمد نے روٹی پکائی اور تمام لوگ اسے کھا رہے ہیں ــــــــــــ یہ وہ تمثیل ہے جو اہلِ علم نے فقہ حنفی کے مآخذ اور اس کے تسلسل سے متعلق بیان کی ہے۔

فقہاء کے طبقات :

مُجتھد مُطلق :

جس کے اپنے اصولِ استنباط ہوں اور احکام کے دریافت میں اجتہاد کرتا ہو۔

مجتھدِ منتسب :

اصولِ استنباط میں مقلد ہو لیکن خود اجتہاد کرتا ہو۔

مجتھد فی المسائل :

جن مسائل میں ان مجتہدین سے رائے منقول نہ ہو، ان میں اجتہاد کرے۔

اصحابِ تخریج :

مجتہدین کے مجمل اور دو معنوں کے احتمال رکھنے والے اقوال میں کسی ایک کی تعیین کرے۔

اصحابِ ترجیح :

جن مسائل میں مجتہدین سے مختلف اور متضاد رائیں ہوں، ان میں بعض کو بعض پر ترجیح دے۔

علماء مقلدین :

جو قوی اور ضعیف رائے کے درمیان فرق کر سکے اور سمجھ سکے کہ کس قول پر فتویٰ ہے۔

عَام مقلدین :

عَام لوگ جو ان میں سے کسی بات پر قادر نہ ہوں۔

شریعت میں وسعت ہے!

"یہ وہ وقت ہے کہ آجکل مشتبہ کو بھی حلال کہا جاتا ہے نہ کہ حلال کو بھی اس میں شبہات نکال کر حرام کر دیا جائے، اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ فتویٰ میں تنگی نہ کرنا چاہیئے، جائز تک کھنچے تو غنیمت ہے، اولیٰ پر تو کہاں پابندی ہو سکتی ہے؟ اختلافی مسائل اگر ابتلاء عام ہو تو اس کو بھی جائز بتلائیے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ شریعت میں وسعت ہے۔ (اور آجکل) معاملات بہت گندے ہو رہے ہیں اگر مختلف فیہ امور کو حرام بتلایا جائے گا تو اگر اس پر کوئی عمل کرے گا تو اسکو تنگی ہوگی اور جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شریعت کو تنگ سمجھنے لگے گا، اسلئے تنگی میں غلو نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وسعت ہونے سے اعتقاد درست ہوگا کہ شریعت کیسی اچھی چیز ہے اور کیسی رحمت ہے؟ وسعت دینے میں شریعت سے محبت ہوگی، دوسرے جو اس سے منتفع ہوگا آرام سے رہے گا، اس سے حق تعالیٰ کی محبت غالب ہوگی (ورنہ) لوگوں کا تو یہ گمان ہو گیا ہے کہ شریعت میں سوائے لایجوز کے اور کچھ ہے ہی نہیں۔" (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی۔ التبلیغ ۱۵/ ۶۷، ۷۹، ۸۲)

"میرا معمول ہے کہ معاملات میں جن میں عام ابتلاء ہوتا ہے دوسرے امام کے قول پر بھی اگر گنجائش ہوتی ہے تو اس پر فتویٰ دفع حرج کیلئے دیتا ہوں اگرچہ مجھے اس گنجائش پر پہلے سے اطمینان تھا لیکن میں نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے اس کے متعلق اجازت لے لی، میں نے دریافت کیا تھا کہ معاملات میں محل ضرورت میں دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دینا جائز ہے؟ فرمایا کہ جائز ہے اور یہ توسع معاملات میں کیا گیا ہے دیانات میں نہیں۔" (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی۔ کلمۃ الحق منہ۔ دعوات عبدیت ۱۹/ ۱۲۴)

"مذہب شافعی پر عند الضرورۃ عمل کرنے میں کچھ اندیشہ نہیں ہے مگر نفسانیت اور لذت نفسانی سے نہ ہو، عذر یا حجت شرعیہ سے ہو۔" (حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی۔ فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۲۴)

"چونکہ چاروں مذاہب بلاشبہ برحق ہیں اور ہر ایک کے پاس دلائل موجود ہیں اسلئے اگر مسلمانوں کی کوئی شدید اجتماعی ضرورت داعی ہو تو اس موقع پر کسی دوسرے مجتہد کے مسلک پر فتویٰ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں حضرت گنگوہیؒ نے حضرت تھانویؒ کو یہ وصیت کی تھی اور حضرت تھانوی نے ہم سے یہ فرمایا کہ آجکل معاملات پیچیدہ ہو گئے ہیں اور اس کی وجہ سے دیندار مسلمان تنگی کا شکار ہیں اسلئے خاص طور سے بیع وشراء اور شرکت وغیرہ کے معاملات میں جہاں بلویٰ عام ہو وہاں ائمہ اربعہ میں سے جس امام کے مذہب میں عام لوگوں کیلئے گنجائش کا پہلو ہو اسکو فتویٰ کیلئے اختیار کرنا چاہیئے۔" ——— (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب "البلاغ" مفتی اعظم نمبر ص: ۴۱۹۔)

اجتہاد ـــــــــ اسلام کی ابدیّت کا راز

قرآن مجید اپنی معجزانہ حیثیت کے باوجود کہ وہ خدا کا کلام ہے اور حدیث اپنی الہامی حیثیت کے باوجود کہ پیغمبر خدا کی طرف سے الہام شدہ باتیں ہی بیان کرتا ہے اور خدا علام الغیوب ہے صرف قرآن و حدیث انسان کے لئے ناکافی ہوتے اگر خود رسولؐ نے ہمیں یہ نہ بتایا ہوتا کہ قرآن و حدیث کے ناکافی ہونے کی صورت میں کیا کیا جائے؟

چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ سے آخری وقت باریابی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے معاذ! تم اپنے فیصلے کس طرح کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ کی سنت کے مطابق عمل کیا کروں گا۔ مگر حدیث و سنت کی الہامی کیفیت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو کیا کرو گے؟ تو اس پر وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی رائے کے مطابق کوشش کروں گا اور استنباطِ مسائل کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کروں گا۔ اس جواب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خوش ہوئے کہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا " اے اللہ! تیرے رسولؐ کے رسول نے جو چیز بیان کی ہے اس پر میں خوش ہوں یعنی دُعائے برکت دی اور اس کو قبول کیا اور برقرار رکھا کہ یہی طریقہ ہونا چاہیئے۔

اِنسانی نقطۂ نظر سے اگر قرآن مجید اور حدیث ناکافی ثابت ہوں تو ممکن ہے مسلمانوں کی قوم بے بس ہو جاتی اور اپنی ضرورت پورا نہ کر سکتی جو ایک قیامت تک چلنے والے دین کے لئے مناسب ہوتا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہمیں بتا دیا کہ اگر قرآن و حدیث میں نہ ملے تو اجتہاد کرو ـــــــــ

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

ـــــــــ (خطبات بھاول پور)

اجتہادی مسائل ـــــــــ صحیح اندازِ فکر

اجتہادی مسائل میں کسی کو یہ حق نہیں کہ اپنے قول کو یقینی طور پر صواب و صحیح اور دوسرے کے قول کو یقینی طور پر خطا و غلط کہہ سکے، اجتہاد اور پورے غور و فکر کے بعد بھی جو رائے قائم کی ہے اس کے متعلق اس سے زیادہ کہنے کا کسی کو حق نہیں کہ رائے صحیح و صواب ہے مگر احتمال خطا اور غلطی کا بھی ہے اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے کا قول صحیح وصواب ہو۔

اس لئے اِن مسائلِ مجتہد فیہا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی کسی پر عائد نہیں ہوتا بلکہ غیر منکر پر نکیر کرنا خود ایک منکر ہے، یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کا بیشمار مسائل میں جواز و عدمِ جواز اور حرمت و حلت کا اختلاف ہونے کے باوجود کہیں منقول نہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے پر اس طرح نکیر کرتا ہو جیسے منکرات پر کی جاتی ہے یا ایک دوسرے کو یا اس کے متبعین کو گمراہی یا فسق و فجور کی طرف منسوب کرتا ہو یا اس کو ترکِ وظیفہ یا ارتکابِ حرام کا مجرم قرار دیتا ہو۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے امام شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کا تخطیہ یعنی اس کو خطاوار مجرم کہنا جائز نہیں۔

لیکن یہ صرف اس صورت میں ہے کہ اجتہاد صحیح اس کی شرائط کے مطابق ہو، آجکل کا سا جاہلانہ اجتہاد نہ ہو کہ جس کو عربی زبان بھی پوری نہیں آتی اور قرآن و حدیث سے اس کا رابطہ کبھی نہیں رہا۔ اُردو، انگریزی ترجموں کے سہارے قرآن و حدیث پر مشق شروع کردی۔ ایسا اجتہاد خود ایک گناہِ عظیم ہے۔ اور اس سے پیدا ہونے والی رائے دوسرا گناہ اور گمراہی اور خلاف و شقاق ہے جس پر نکیر واجب ہے۔

(مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

نئے مسائل کا حل تلاش کرنیوالوں کیلئے

دو۲ شرطیں

قرآن و سنت کی تشریح و تفسیر اور روزمرہ پیش آنے والے نت نئے مسائل میں ان سے احکام مستنبط کرنا کس کا کام ہے؟ اور اس کام کے لئے کیا شرائط اور صفات ضروری ہیں؟ اس سوال کا جواب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک صحیح روایت سے ملتا ہے جس میں انہوں نے ارشاد فرمایا:

"قلت یارسول اللہ ان نزل بنا امر لیس فیہ بیانٌ امرٌ ولا نھیٌ فما تامرنی؟ قال تشاوروا الفقھاء والعابدین ولا تمضوا فیہ رأی خاصۃ۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ موثقون من اھل الصّحیح۔"

(مجمع الزوائد ۱/۱۷۸، المطبع الانصاری دہلی ۱۳۰۸ھ)

ترجمہ: میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اگر ہمارے درمیان کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جس کا بیان (قرآن وسنت میں) موجود نہ ہو، نہ کوئی امر اور نہ کوئی نہی۔ تو ایسی صورت میں میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ فقہاء و عابدین سے مشورہ کرو اور اس معاملے میں انفرادی رائے کو ظاہر (جاری) نہ کرو۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت واضح الفاظ میں یہ بیان فرمادیا ہے کہ قرآن و حدیث سے احکام مستنبط کرنے کیلئے دو۲ شرائط کسی انسان میں پائی جانی ضروری ہیں۔ ایک اس کا "فقیہ" ہونا دوسرے "عابد" ہونا۔ پہلی شرط کی اہمیت تو بالکل ظاہر ہے۔ اس لئے کہ قرآن وسنت کی صحیح مراد وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو قرآن وسنت کا وسیع اور عمیق علم رکھتا ہو۔ احکام کے جو اصول ان میں بیان کئے گئے ہیں ان سے پوری طرح باخبر ہو اور جس نے اپنی زندگی اس کام میں صرف کرکے دین و شریعت کا مزاج سمجھنے

کی پوری کوشش کی ہو۔

اسی طرح اس کا "عابد" یعنی اسلامی احکام پر کاربند ہونا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ جو شخص خود اپنی عملی زندگی میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز نہ کرتا ہو اور جس کے شب و روز اسلامی احکام کے مخالف ہوں وہ ہرگز دین کے مزاج کو نہیں اپنا سکتا۔ احکام مستنبط کرنے کا کام درحقیقت حق کی تلاش کا دوسرا نام ہے اور قرآن کریم کی تصریح کے مطابق اللہ تعالیٰ حق شناسی کی صفت اسی شخص کو عطا فرماتا ہے جو اپنی زندگی میں عملی طور پر حق کا احترام کرتا ہو۔

اِن تَتَّقُوا اللہَ یَجْعَل لَّکُمْ فُرْقَاناً۔

"اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کروگے تو وہ تمہیں (حق و باطل کی) تمیز عطا کردے گا۔"

اس آیت نے واضح طور پر بتلا دیا ہے کہ "تقویٰ" حق و باطل میں تمیز پیدا کرنے کی لازمی شرط ہے اور اس کے بغیر یہ انمول ملکہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

غرض قرآن کریم کی اس آیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد نے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بتلا دیا ہے کہ اسلامی معاشرے میں جو نت نئے مسائل پیش آسکتے ہیں ان کا دینی اور فقہی حل تلاش کرنے کا کام وہی شخص کرسکتا ہے جو ایک طرف "فقیہ" ہو اور دوسری طرف "عابد" یا "متقی"۔

ایک موقعہ پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب صدر دارالعلوم کراچی نے اپنے ایک بیان میں اسی بات کو مختصر لفظوں میں اس طرح تعبیر فرمایا تھا:

"جن مسائل کا صریح حکم کتاب و سنت میں مذکور نہیں، ان کے حل کا طریقہ اہلِ فتویٰ، اہلِ تقویٰ علماء کا باہمی مشورہ ہے۔ شخصی اور انفرادی رائے کا مسلمانوں پر مسلط کرنا جرم ہے۔"

مولانا محمد تقی عثمانی مدیر "البلاغ"
دارالعلوم کراچی (پاکستان)۔

اسلامی قانون

ایک مستشرق کی نظر میں

مسلمانوں کی شاندار کامیابی ان کے دین و ایمان کا پرتو تھی، وہ صرف لڑائی کے میدانوں ہی میں فتح مند نہ ہوئے بلکہ انہوں نے زندگی کو اس متنوع صورتوں میں مسخر کیا اور ان کا اصل کارنامہ ہی یہ تھا کہ انہوں نے تمام حقائق حیات کو اس ایک وحدت میں جوڑ دیا جس کا نام تمدن ہے، اس اتحاد و انضمام کی اصل کارفرما قدرت اسلام تھی۔ یہ اسلام ہی تھا جس کی بدولت متعدد اور متنوع عوامل ایک جامع نظام میں جڑ گئے اور جس نے ان کو قدرتِ حیات بخشی ہر شئی کو اسلامی ہیئت میں متشکل کیا گیا اور اسلامی طرز اجتماعی کے اختیار سے سوسائٹی میں یک رنگی و ہم آہنگی پیدا کر دی، پھر اصل حقیقت یہ ہے کہ اس سارے عمل میں قوت متحدہ کی حیثیت "اسلامی قانون" کو حاصل رہی ہے۔ اس قانون نے نماز سے لے کر حقوق تک، زندگی کے ہر شعبہ و جزئیہ کی صورت گری کی، اسی قانون نے اسلامی سوسائٹی میں قرطبہ سے لے کر ملتان تک یکسانگی اور ایک رنگی پیدا کی۔ اس نے فرد کی زندگی کو وحدت، مرکزیت اور تنظیم کے زیور سے آراستہ کیا کیوں کہ اس کی وجہ سے ہر عمل ایک مربوط الٰہی نظام کا جزو بن گیا اور کوئی افراتفری و انتشار باقی نہ رہا اور اس نے زمانہ کو مسخر کر کے تاریخی تسلسل کو قائم کر دیا۔ اب حکمرانوں اور خاندانوں کی تبدیلی سے مسلم معاشرہ اس لئے متأثر نہیں ہوتا کہ اسلامی قانون کی وجہ سے ہر دور زمانۂ ماقبل سے مربوط ہے اور افراد خواہ کوئی بھی ہوں ہر حکمراں کا مقصد اور اس کی اصل ذمہ داری اسی ایک قانون کو نافذ اور اسی ایک سماج کو برپا کرنا ہے جو خدا نے انسانوں کے لئے مقرر کیا ہے ۔۔۔۔۔۔۔

ولفریڈ کینٹول اسمتھ

"اسلام ان دی ماڈرن ہسٹری"

بچّہ ——— مہد سے مکتب تک

ولادت کے وقت ولادت والی خاتون کے پاس آیۃ الکرسی اور سورۂ اعراف کی آیت ۵۴ اور ۵۵ کی تلاوت کیجئے اور سورۂ الفلق اور سورہ الناس پڑھ کر دم کر دیجئے، جیسے ہی ولادت ہو نہلا دُھلا کر صاف کپڑے پہنائیے، کپڑے سفید ہوں تو بہتر ہے، اس کے بعد دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہیے۔ اگر آپ خود نہ کہیں تو اللہ کے کسی نیک بندے سے کہلوائیے، اپنے ہی خاندان کا ہو تو اچھا ہے، اذان و اقامت کے بعد کسی نیک مرد یا عورت سے چھُوارہ یا کھجور چبوا کر بچے کے تالو میں لگوائیے، اگر چھوارہ یا کھجور مہیا نہ ہو تو اس کی جگہ کوئی میٹھی چیز جس میں شہد بہتر ہے اس نیک مرد یا عورت سے بچے کیلئے خیر و برکت کی دُعا بھی کرائیے۔

لڑکی کی پیدائش پر بھی اسی طرح خوشی منائیے جس طرح لڑکے کی پیدائش پر مناتے ہیں لڑکی ہو یا لڑکا دونوں ہی خدا کا عطیہ ہیں اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ آپ کے حق میں لڑکی اچھی ہے یا لڑکا۔

ساتویں دن عقیقہ کیجئے اور بچے کے سر کے بال منڈوا کر اس کے برابر سونا یا چاندی صدقہ کیجئے (بالوں کا وزن عموماً تین ماشہ ہوتا ہے) پھر بچہ کے سَر پر زعفران کا پانی مَل دیجئے۔

سَاتویں دن ہی بچہ کے لئے اچھا سا نام تجویز کیجئے، نام کی یہ تجویز عقیقہ سے پہلے ہو تو اچھا ہے تاکہ عقیقہ کے وقت اس کا نام لے کر دعا کی جا سکے۔ نام انبیاءِ کرام، حضرات صحابہ اور بزرگانِ دین کے نام پر ہو، یا خدا کے نام سے پہلے بچہ کے لئے "عبد" اور بچی کیلئے "امۃ" لگا کر ترکیب دیا گیا ہو تو بہتر ہے، جیسے عبداللہ، عبدالرحمٰن، امۃ اللہ، امۃ الرحمٰن وغیرہ۔ لاعلمی میں غلط یا نامناسب نام رکھ دیا ہو تو اس کو بدل کر اچھا نام رکھ دیجئے، کسی دیندار بزرگ سے نام تجویز کرائیے کہ اس میں خیر و برکت ہے۔

ہو سکے تو عقیقہ ہی کے دن ختنہ بھی کرا دیجئے، ختنہ اسلامی شعار ہے، اگر اس دن کسی وجہ سے (مثلاً قوتِ برداشت کی کمی یا ضرر کا اندیشہ وغیرہ) نہ کرائیں تو سات یا نو سال کی عمر کے اندر

ضرور کرا دیجئے۔ کم عمر میں ختنہ مستحسن ہے۔

جب بچہ بولنے لگے تو اسے اللہ کا نام اور کلمات سکھائیے، حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں جب کسی بچہ کی زبان کھل جاتی تو آپ سورۃ "الفرقان" کی دوسری آیت سکھاتے، جس میں توحید کی پوری تعلیم کو بڑی خوبی کے ساتھ سمیٹ دیا گیا ہے، عمر کے اس مرحلہ میں کسی دیندار بزرگ کی خدمت میں لے جاکر بسم اللہ کہلا دیجئے اور اس نعمت کے شکریہ میں اگر دل چاہے تو بلا پابندی کے جو کچھ توفیق ہو خدا کی راہ میں چھپ کر خیرات کیجئے، بچہ جب قرآن مجید شروع کرے یا ختم کرے تو اس وقت استاذ کی خدمت اپنی حیثیت کے مطابق دل کھول کر کیجئے اس خدمت میں نہ نام ونمود کا پہلو اختیار کیجئے، نہ خدمت کر کے احسان جتائیے، اس بات کی آپ ہمیشہ کوشش کیجئے کہ اپنے بچوں کے استاذ کی خدمت اس کی محنت سے زیادہ آپ کریں، ان کے ساتھ کاروباری انداز کا سلوک نہ کیجئے کہ اس سے استاذ کا دل بیٹھ جاتا ہے اور علم کی برکت اٹھ جاتی ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے صاحبزادے حضرت حمادؒ نے جس دن بسم اللہ شروع کی تو حضرت امامؒ نے پانچ ہزار درہم معلم کی نذر کئے اور جس دن سورہ فاتحہ ختم کی تو اس دن بھی پانچ ہزار درہم عطا کئے اور معذرت پیش کرتے ہوئے فرمایا "قسم خدا کی اگر اس سے زیادہ میرے پاس ہوتا تو قرآن کے احترام میں وہ بھی پیش کر دیتا۔" سچ ہے، علم دین باقی کا بدلہ مالِ فانی سے نہیں دیا جاسکتا!

بچہ کی پیدائش کے بعد ماں کی گود سے مکتب میں بیٹھنے تک اسلام کی یہ سہل، آسان، واضح اور روشن تعلیمات ہیں جن کی ہمیں پابندی کرنی چاہئے۔ ہماری یہ پابندی اس تعلق سے رسم و رواج (مثلاً چھٹی، چلہ، چالیس روز تک بالکلیہ ناپاک سمجھ کر زچہ کا کھانا اور برتن الگ رکھنا، پہلی ولادت لازماً میکہ میں ہونا وغیرہ وغیرہ) کی ان تمام زنجیروں کو خود بخود کاٹ پھینکے گی جن میں ہم نے اپنے آپ کو دانستہ یا نادانستہ طور پر کس رکھا ہے، جن سے نیکی برباد اور گناہ لازم آتا ہے۔

درود وسلام کی اہمیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے متعلق سب کا اتفاق ہے کہ تمام عمر میں ایک دفعہ درود بھیجنا فرض ہے، اگر تمام عمر میں ایک دفعہ بھی کسی شخص نے درود نہ بھیجا تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا۔ جس مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو تو آپؐ کا اسم مبارک سننے پر درود بھیجنا واجب ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ہر دفعہ درود بھیجنا واجب ہے یا ایک مرتبہ اس مجلس میں پڑھ لینا کافی ہے۔ بعض ہر دفعہ اسمِ مبارک (صلی اللہ علیہ وسلم) سننے پر درود بھیجنے کو واجب قرار دیتے ہیں۔ آپؐ اس شخص کو بخیل قرار دیتے ہیں جو اسمِ مبارک سننے کے بعد درود نہ بھیجے۔

ایک حدیث سے ثابت ہے کہ جو شخص آپؐ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمت نازل فرماتا ہے۔ ایک دوسری حدیث سے واضح ہے کہ قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ قریب آپؐ سے وہ ہوں گے جو آپؐ پر زیادہ درود بھیجتے ہیں، اس لحاظ ایسے لوگ بڑے اونچے نصیبے والے ہیں۔

دنیا میں سب سے زیادہ درود بھیجنے والے محدثین ہیں کیوں کہ ہر حدیث میں درود شریف پڑھا جاتا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ — ۱۱۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ جب میں روضۂ مبارک صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوا تو مکاشفہ میں دیکھا کہ ہر محدث اور آنحضرت صلعم کے درمیان نور کی زنجیر متصل ہے۔ اس مکاشفہ سے بھی محدثین کا قرب ظاہر ہوتا ہے، انہیں اشتغالِ درود و حدیث کی وجہ سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ "دعا آسمان و زمین کے درمیان اس وقت تک ٹھیری رہتی ہے، جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا جائے" اس لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ دعا سے پہلے اور دعا کے بعد درود شریف پڑھا جائے۔ یہ دو انجن دعا میں لگ جائیں گے تو دعا کی گاڑی منزلِ مقصود پر پہنچ جائے گی۔ اگر ایک انجن ہے تو ممکن ہے کہ چڑھائی پر گاڑی کو مشکل پیش آئے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

(از شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند)

قمری مہینوں اور سنہ ہجری کی اہمیت

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اتباعِ سنّت اور اسلامی تہذیب کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ملّی انفرادیت برقرار رکھیں، اپنے حساب کتاب کے معاملات اور خط وکتابت میں جہاں مہینے اور سنہ لکھنا ضروری ہو، قمری مہینے اور سنہ ہجری لکھا کریں کہ یہ شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ قمری مہینوں کے نام زبانِ وحی و نبوّت سے ادا ہوئے اور سنہ ہجری تاریخِ اسلام کے ایک مہتم بالشان واقعہ کی یادگار ہے جس میں انسانی تاریخ نے عقیدہ وایمان، صبر وثبات اور شجاعت وحوصلہ مندی کا وہ قیمتی راز دریافت کیا تھا جو دنیا کیلئے ایک عقدۂ لاینحل بنا ہوا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے اسی اہمیت کے پیشِ نظر اپنے دورِ خلافت میں اسے اسلامی قمری مہینوں کا سنہ مقرر فرمایا۔ علماءِ اسلام اور بزرگانِ دین نے قمری تاریخوں وسنہ ہجری کے اہتمام کی بطورِ خاص تاکید فرمائی ہے اور خود اس پر عمل پیرا رہے ہیں۔ البتہ جنہیں انگریزی سنہ سے حساب کتاب رکھنا ضرورت کے درجہ میں ہو، انہیں اس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ تاہم ایسی صورت میں سرکاری دفاتر کے علاوہ اپنے نجی کاروبار میں قمری مہینے وسنہ ہجری کی مطابقت کا التزام رکھا جائے تاکہ اسلامی شعائر کی اہمیت اور ملّی انفرادیت کا احساس باقی رہے، بلا ضرورت محض تقلیدِ مغرب میں سنہ ہجری، قمری اسلامی چھوڑ کر سنہ شمسی، مسیحی انگریزی اختیار کرلینا اسلامی غیرت اور ملّی خودداری کے خلاف ہے، جس پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

نیا چاند دیکھنے کی دُعا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نیا چاند دیکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ آپؐ جب پہلی رات کا چاند دیکھتے تو فرماتے: اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوْفِیْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی رَبُّنَا وَرَبُّکَ اللّٰہُ (ترمذی ودارمی وغیرہ)

ترجمہ: اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ یہ چاند ہمارے لئے امن وایمان، سلامتی اور اسلام کا چاند بنا کر طلوع فرما اور ان کاموں کی توفیق کے ساتھ جو تجھے پسند اور محبوب ہیں، اے چاند ہمارا پروردگار اور تمہارا پروردگار اللہ ہے۔

عید کا انعام

سعد بن اوس انصاریؓ اپنے باپ حضرت اوس انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عید الفطر کا دن آتا ہے تو خدا کے فرشتے تمام راستوں کے نکڑ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے مسلمانو! رب کے پاس چلو جو بڑا کریم ہے اور جو نیکی اور بھلائی کی باتیں بتاتا اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دیتا ہے پھر اس پر بہت زیادہ انعام دیتا ہے۔ تمہیں اس کی طرف سے تراویح پڑھنے کا حکم دیا گیا تو تم نے تراویح پڑھی۔ تم کو دن میں روزے رکھنے کا حکم دیا گیا تو تم نے روزے رکھے اور اپنے رب کی اطاعت گذاری کی، تو اب چلو اپنا انعام لے لو۔ اور جب لوگ عید کی نماز پڑھ چکتے ہیں تو خدا کا ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ اے لوگو! تمہارے رب نے تمہاری بخشش فرما دی، پس تم اپنے گھروں کو کامیاب و کامران لوٹو، یہ عید کا دن انعام کا دن ہے اور اس دن کو فرشتوں کی دنیا میں (آسمان پر) انعام کا دن کہا جاتا ہے۔" (ترغیب و ترہیب)

عید کس کی؟

حضرت علیؓ نے ایک عید کے موقع پر فرمایا، اصل عید تو ان کی ہے جو عذاب آخرت سے چھٹکارا پا چکے ہوں، حضرت وہب بن منبہؒ کو عید کے دن روتے ہوئے دیکھ کر کسی نے کہا "ھٰذا یومُ السّرور والزینۃ" (یہ خوشی اور زینت کا دن ہے) وہبؒ نے فرمایا "بے شک یہ خوشی کا دن ہے لیکن اس شخص کے لئے جس کے روزے مقبول ہو گئے ہوں

حضرت شبلیؒ کو عید کے دن نہایت پریشان حالت میں دیکھ کر لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: میں اس لئے پریشان ہوں کہ لوگ "عید" میں مشغول ہو کر "وعید" کو بھول گئے۔

اگر آپ خواب دیکھیں

خواب کون نہیں دیکھتا، بچے، جوان، بوڑھے، مرد و عورت سبھی دیکھتے ہیں، یہ تو نیند اور زندگی کا ایک لازمہ ہے اور اس سے تقریباً روز کا سابقہ ہے لیکن اس عمومیت اور گہرے تعلق کے باوجود بہت کم ایسے لوگ ہیں جو خواب سے متعلق شرعی امور کی آگاہی رکھتے ہوں۔ اس سلسلے میں اختصار کے ساتھ چند باتیں ذیل میں پیش کی جارہی ہیں، امید کہ آپ انہیں پیش نگاہ رکھیں گے۔

(۱) محققین علماء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روشنی میں خواب کی تین قسمیں بیان کی ہیں (الف) اچھا اور بہتر خواب جس سے طبیعت میں بشاشت آئے، دین کی قوت پیدا ہو، خدا پر اعتماد بڑھے اور گناہوں سے بچنے کی فکر لاحق ہو۔ (ب) بُرا اور پراگندہ خواب جس سے ذہن و دماغ پریشان ہو، مایوسی طاری ہو، وہم اور رنج بڑھے، خدا سے بدگمانی پیدا ہو۔ (ج) انسان کے خود اپنے خیالات یا خارجی اثرات یا غذائی بخارات کوئی شکل اختیار کرلیں جس سے خوشی یا غم کی کیفیت پیدا ہو۔

(۲) ان تینوں قسموں میں پہلی قسم صحیح اور حق ہے، نبوت کے اجزاء میں سے چھیالیسواں جز ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کا الہام ہے جو اپنے بندے کو متنبہ کرنے یا خوشخبری دینے کیلئے کیا جاتا ہے ایک حدیث میں ہے کہ مؤمن کا خواب ایک کلام ہے جس میں وہ اپنے رب سے شرفِ گفتگو حاصل کرتا ہے۔ دوسری قسم شیطان کی طرف سے ہے جسے اصطلاح میں "تسویلِ شیطانی" کہتے ہیں۔ تیسری قسم میں خود انسان کے خیال، خارجی اثرات اور غذا کا دخل ہے جسے "حدیث النفس" کہتے ہیں۔ آخر کی یہ دونوں قسمیں باطل ہیں جن کی نہ کوئی حقیقت و اصلیت ہے نہ اس کی کوئی واقعی تعبیر ہوسکتی ہے۔

(۳) اچھے خواب سے انسان فطری طور پر خوش ہوتا ہے اور بُرے خواب سے اس کا دل اور دماغ پراگندہ اور پریشان ہوجاتا ہے اور طبیعت پر بڑا خراب اثر پڑتا ہے، آپ جب کبھی اس دوسری حالت سے دوچار ہوں ——— نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو تدبیروں پر عمل فرمائیں انشاء اللہ سکون و قرار آجائے گا اور طبیعت کی وحشت جاتی رہے گی، ایک تو یہ کہ آپؐ نے فرمایا ہے "جب تم میں سے کوئی بُرا خواب دیکھے تو اپنی بائیں طرف تین بار تھتکا دے اور تین بار اَعُوْذُ بِاللّٰہِ

مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" پڑھے اور جس کروٹ لیٹا ہو اس کو بدل ڈالے۔ یہ دُعا بھی منقول ہے "اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ خَیْرَ رُؤْیَایَ وَاکْفِنِیْ شَرَّھَا" دوسری بات آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمائی ہے کہ "پراگندہ خواب دیکھنے والا اٹھے اور وضو کر کے نماز پڑھے" کون نہیں جانتا کہ نماز بہترین ذکر ہے اور ذکر سے دل اطمینان حاصل کرتا ہے، ایسے موقع پر اللہ کے حضور کھڑا ہو کر یہ احساس بھی جائے گا کہ پراگندہ خواب کیا، دنیا کی کوئی طاقت اللہ کے حکم کے بغیر میرا بال بیکا نہیں کر سکتی۔

(۴) حدیث نبویؐ کے بموجب خواب معلق رہتا ہے جب تک کسی سے بیان نہ کیا جائے، جب بیان کر دیا گیا اور سننے والے نے کوئی تعبیر دے دی تو تعبیر کے مطابق (تقدیر معلق یا قضاءِ معلق کے تحت) واقع ہو جاتا ہے، اس لئے چاہیئے کہ خواب کسی سے بیان نہ کرے۔ بجز اس شخص کے جو عالم و عاقل ہو، متقی ہو یا تعبیر کے فن سے واقف ہو یا کم از کم اس کا دوست اور خیر خواہ ہو، جو شخص فن تعبیر سے واقف نہ ہو اسے چاہیئے کہ کسی کا خواب سن کر اچھی ہی بات منہ سے نکالے۔

(۵) عام عادتُ اللہ یہی ہے کہ سچے اور نیک لوگوں کے خواب عموماً سچے ہوتے ہیں اور فساق و فجار کے عموماً حدیث النفس یا تسویل شیطانی کی قسم باطل سے ہوا کرتے ہیں۔ مگر کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے کہ انہیں بھی سچے خواب آتے ہیں۔

(۶) سچے خواب عام امت کے لئے حسب تصریح حدیث ایک بشارت یا تنبیہ سے زائد کوئی مقام نہیں رکھتے، نہ خود اس کے لئے کسی معاملہ میں حجت اور دلیلِ شرعی ہیں اور نہ دوسروں کیلئے۔ ایسے سچے خوابوں میں بھی بکثرت نفسانی یا شیطانی یا دونوں قسم کے تصورات کی آمیزش کا احتمال ہے۔ اس لحاظ سے جو لوگ خواب کو کسی معاملہ میں حجت اور دلیل شرعی کے طور پر پیش کرتے ہیں وہ دین میں زیادتی کرتے ہیں۔ اسی طرح کسی شخص کا یہ کہنا کہ ہم نے خواب میں یہ، یہ دیکھا ہے اور اس کی تشہیر کر کے یہ خواہش کرنا کہ جس کی نظر سے یہ پمفلٹ گذرے اسے اس قدر تعداد میں اپنی طرف سے شائع کر کے لوگوں میں تقسیم کرے ورنہ نقصان ہوگا، اور جن لوگوں نے ایسا نہیں کیا ہے اس کا نقصان ہوا ہے۔ اس طرح کی باتیں بارگاہِ دین و دانش میں ناقابلِ اعتبار ہیں۔ اس طرح کے قول و عمل سے بچنا چاہیئے۔

اسلام بیچارہ!

اسلام کے نام پر لوگوں کا کاروبار برابر پھیلتا جارہا ہے، اسٹیجوں کی رونق بڑھ رہی ہے نئی نئی دکانیں سج رہی ہیں، جماعتوں کی چمک دمک میں اضافہ ہو رہا ہے، بڑی بڑی کانفرنسیں ہو رہی ہیں، شاندار جلوس نکل رہے ہیں، تقریروں میں اسلام کے نام پر جوش و خروش پیدا کیا جارہا ہے، پُرجوش تحریروں کا ڈھیر لگایا جارہا ہے لیکن اسلام کی مظلومیت میں کمی تو کیا ہوتی اور اضافہ ہی ہو رہا ہے ——— اسلام فریاد کررہا ہے کہ مجھے اپنے دلوں میں جگہ دو، اپنے قول و فعل اور عمل میں کچھ تو میرا لحاظ رکھو۔ اپنے گھروں اور اپنے معاشرہ میں میرا وہ جائز مقام دو جس کے اعلان سے تمہاری زبانیں نہیں تھکتیں، تم نے مجھے بہت رُسوا کیا ہے اپنی تنہائیوں میں بھی اور اپنی تقریبات میں بھی، اپنے قلم سے بھی اور اپنے عمل سے بھی، لیکن مجھے ان لوگوں سے زیادہ شکایت ہے جو دن رات میرے نام پر لوگوں کو فریب دیتے ہیں، اسلام کے نام پر رہنمائی اور قیادت کے دعویدار ہیں لیکن نماز تک نہیں پڑھتے، پہلے تو منافق بھی اس کی جرأت نہیں کرسکتا تھا، آج لوگ اتنے گستاخ ہیں کہ اذان سنتے ہیں اور بیٹھے رہتے ہیں، نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہیں اور ادھر اُدھر ٹہل جاتے ہیں، پبلک کے خیال سے نماز پڑھ بھی لی تو جھوٹ، غیبت مکر و فریب سے احتیاط نہیں کرتے، پہلے اسلام کو قبول کرلینے والا یہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس راستہ میں عیش و آرام کم مشقت زیادہ ہے، نام و نمود اور ہار پھول کی ادنیٰ خواہش کا کہیں گذر نہیں۔ لیکن اس کے برعکس آج اسلام کے نام پر وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو غیر مسلموں کا شعار ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ آج تمہاری تعداد ایک ہزار گنا زیادہ ہے، سلطنتیں تمہارے پاس ہیں وسائل بے حساب ہیں پھر بھی تم دوسروں سے آنکھ نہیں ملا سکتے، اپنی کوئی بات منوا نہیں سکتے۔ ذرا سوچو ایسا کیوں ہے؟ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے لوگوں نے ہمیں دل و جان سے زیادہ عزیز رکھا اور تم ہو کہ تمہیں صرف دنیا عزیز ہے، اپنے اسلاف کے راستہ پر واپس جاؤ پھر ان کے نقشِ قدم پر آگے بڑھو، کامیابی و کامرانی تمہارا استقبال کرے گی" ———

(ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی، لکھنؤ)

باب
معاشیات

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [الجمعه ۱۰]

پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو، اور اللہ کی روزی تلاش کرو، اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ،

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یٰایہاالناس اتقوا اللہ واجلوا فی الطلب۔ فان نفسا لن تموت حتی تستوفی رزقہا وان ابطاء عنہا۔ فاتقوا اللہ واجلوا فی الطلب۔ خذوا ما حل ودعوا ما حرم (ابن ماجہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" اے لوگو! اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہنا، اور روزی کی تلاش میں غلط طریقہ مت اختیار کرنا، اس لئے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرسکتا جب تک کہ اسے پورا رزق نہ مل جائے، اگرچہ اس کے ملنے میں تھوڑی تاخیر ہوسکتی ہے، تو اللہ سے ڈرتے رہنا اور روزی کی تلاش میں اچھا طریقہ اختیار کرنا، حلال روزی حاصل کرو اور حرام روزی کے قریب نہ جاؤ۔

مومن کی معاشی زندگی

تین قرآنی ہدایتیں

سورۂ جمعہ کی آخری تین آیتوں پر غور کرنے سے مومن کی معاشی زندگی کے سلسلہ میں تین بنیادی ہدایتیں ملتی ہیں۔

(۱) جب کبھی ایسا موقعہ آئے کہ ایک طرف معاشی تقاضے ہوں اور دوسری طرف دینی تقاضے تو ایک مومن کو چاہئے کہ معاشی تقاضے کو چھوڑ کر دینی تقاضے کی طرف دوڑ پڑے، اگر اس نے ایسا کیا تو دنیوی و اخروی دونوں اعتبار سے خیر کا مالک ہوگا۔

(۲) جب مومن حصولِ معاش میں مشغول ہو تو ایسا نہ ہو کہ اسی میں گم ہو کر رہ جائے بلکہ اس کے ساتھ وہ خدا کا بھی ذکر کرتا رہے جس سے یہ معلوم ہو کہ اگرچہ وہ ظاہری طور پر معاشی دھندے میں مصروف ہے مگر اس کی توجہ ہر آن خدا کی طرف لگی ہوئی ہے۔ مومن کا یہ ذکر زبان سے بھی ہو اور عمل سے بھی۔ زبان سے اس طرح کہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے خدا کی حمد و ثنا اور عظمت و کبریائی کے کلمات بار بار نکل رہے ہوں اور عمل سے اس طرح کہ وہ اپنے معاشی مشغلہ میں پورے طور پر احکامِ الٰہی کا پابند ہو۔

(۳) معاش کی اہمیت مومن کو اس دھوکہ میں نہ ڈال دے کہ یہی سب سے بڑی چیز ہے۔ اور یہی زندگی کا اصل مسئلہ ہے بلکہ وہ خدا کی رحمت اور اس کے اخروی انعام ہی کو اصل اور سب سے بڑی چیز سمجھے، اسی پر اپنی ناکامی اور کامیابی کا انحصار کرے۔

ایک مومن کے لئے اپنی معاشی زندگی میں ان ہدایتوں پر عمل ضروری ہے ورنہ سمجھا جائیگا کہ وہ خود تو مسلمان ہے مگر اس کی معاشی زندگی مسلمان نہیں!!

پاک اور اچھی کمائی ——— نبیؐ کی نظر میں

اسلام نے تعلیم دی ہے کہ آدمی کو اپنی روزی حلال طریقوں سے کمانی چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ یہ روزی آزادانہ طریقہ پر کمائی جائے، دوسروں کی غلامی اور چاکری سے بہتر ہے کہ آدمی اپنے ہاتھ کی کمائی کھائے نیز یہ کمائی حلال ہو، ناجائز طریقے سے حاصل نہ کی جائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حرام مال سے دیا ہوا صدقہ تک اللہ کے یہاں مقبول نہ ہوگا، اگر کوئی شخص اپنے گھر والوں اور اپنی ذات پر حرام مال خرچ کرے گا تو اسے برکت نہ ملے گی اور وہ آخرت میں جہنمی ہوگا — آزادانہ پیشوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دستکاری اور تجارت کے پیشے کو پسند فرمایا ہے۔

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ حضورؐ سے کسی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسولؐ! سب سے زیادہ پاک اور اچھی کمائی کون سی ہے؟ تو حضورؐ نے جواب دیا "آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا۔ اور وہ تجارت جس میں تاجر بے ایمانی اور جھوٹ سے بچتا ہے"۔ مگر ہمارے اس دور میں عجیب حال ہے لوگ دستکاری اور تجارت کو گھٹیا کام سمجھتے ہیں اور نوکری کو عمدہ کام سمجھتے ہیں۔ ہمارے پڑھے لکھے نوجوان نوکریوں کی تلاش میں مدتیں ضائع کر دیتے ہیں اور دستکاری اور تجارت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اس سے ملت معاشی مسئلوں سے دوچار ہوگئی ہے، یہ بڑی خراب صورتِ حال ہے۔ اگر ہمارے ہونہار نوجوان چھوٹی چھوٹی دستکاریوں اور چھوٹی چھوٹی تجارتوں کی طرف توجہ کریں اور ہمارا سرمایہ دار طبقہ اور بڑے بیوپاری ان کا ہر ممکن تعاون کریں تو یہ مسئلہ بڑی حد تک حل ہو سکتا ہے۔

قوتِ بازو سے روزی پیدا کرنا خواہ صنعت و حرفت کے ذریعہ ہو یا تجارت و زراعت سے یا محنت و مزدوری کر کے اسلام کی نظر میں کس قدر مطلوب و محبوب ہے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ پھاوڑا چلاتے چلاتے ایک صحابیؓ کے ہاتھ سیاہ ہوگئے تھے، آنحضرت صلعم نے دیکھا تو پوچھا کہ تمہارے ہاتھ پر کچھ لکھا ہے؟ صحابیؓ نے جواب دیا "نہیں"۔ پتھر پر پھاوڑا چلاتا ہوں اور اس سے اپنے بال بچوں کے لئے روزی پیدا کرتا ہوں"۔ یہ سن کر آپؐ نے خوشی سے اُن صحابی کا ہاتھ چوم لیا اور رزق کی برکت کی دعائیں دیں"۔

البتہ خیالِ رزق کے کسی مرحلہ میں بھی خیالِ رزّاق سے غافل نہیں ہونا چاہیے تاکہ مؤمن کی معاشی سرگرمیوں اور دوسروں کی معاشی سرگرمیوں کا فرق معلوم ہو۔

مال و دولت کے بارے میں مؤمنانہ نقطۂ نظر

"اے اللہ کے رسولؐ! اگر اس کی دلچسپی اور سرگرمی اللہ کی راہ میں ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا"

صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا، ان کے اس جملہ کا پسِ منظر یہ تھا کہ یہ حضرات حضورؐ کی مبارک مجلس میں تشریف فرما تھے اور سامنے سے ایک آدمی گذرا جس کے قدم تیز تیز اٹھ رہے تھے جیسے کسی مہم پر جا رہا ہو، یہ دراصل کسبِ معاش کیلئے گھر سے نکلا تھا، اس کی اس سرگرمی اور مہم کو دیکھ کر بیٹھے ہوئے صحابہ کے دل میں ایک خیال آیا جسے حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا، آپؐ نے اس خیال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: "اگر وہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کی پرورش کیلئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہی شمار ہوگی۔ اور اگر بوڑھے والدین کی پرورش کیلئے کر رہا ہے تو یہ بھی اللہ کی راہ میں شمار ہوگی اور اگر اپنی ذات کیلئے جدوجہد کر رہا ہے کہ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے تو یہ بھی اللہ کی راہ میں شمار ہوگی اور اگر اس کی سعی کا مقصد یہ ہو کہ لوگوں پر مالی برتری جتلائے، لوگوں کے سامنے اپنی تونگری کی نمائش کرے تو اس کی یہ ساری محنت شیطان کی راہ میں شمار ہوگی۔" (طبرانی)

مشہور بزرگ حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ "اس سے پہلے (دورِ نبوت و خلافت میں) مال ایک ناپسندیدہ چیز سمجھا جاتا تھا لیکن ہمارے اِس زمانہ میں مال مؤمن کی ڈھال ہے اور فرمایا کہ اگر ہمارے پاس آج یہ درہم و دینار نہ ہوتے تو بادشاہ اور امراء ہم کو اپنا رومال بنا لیتے (یعنی باطل اغراض میں استعمال کرتے) آج جس شخص کے پاس یہ درہم و دینار ہوں تو انہیں اچھی حالت میں رکھے (یعنی تجارت وغیرہ کرے اور مال کو بڑھائے) کیوں کہ یہ ایسا زمانہ ہے کہ اگر آدمی محتاج و تنگدست ہو جائے تو سب سے پہلے وہ اپنا دین بیچ دے گا۔"

آج مسلمانوں کے لئے اس کی سب سے بڑی ضرورت ہے کہ وہ اس حقیقت کو جانیں اور سمجھیں، لہو و لعب، کھیل کود، سیر و تفریح اور خوشی و غمی کے غیر شرعی رسوم و رواج میں اپنی دولت برباد نہ کریں، دولت خدا کی نعمت ہے، جس نعمت کی قدر نہیں کی جاتی وہ چھین لی جاتی ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ اس پر مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہے۔

کامیاب اقتصادی زندگی کے چند زرّیں اصول

انفاق (خرچ کرنا) میں ترتیب کا لحاظ ضروری ہے، اسی طرح اہلِ حق پر صرف کرنے میں اعتدال بھی ضروری ہے، نہ اتنی تنگی کرے کہ اہل حقوق تنگی میں ہو جائیں، نہ اتنی وسعت کردے کہ اسراف (جس سے روکا گیا ہے) تک نوبت پہنچ جائے، بلکہ آمدنی کے موافق ہی خرچ کرنا چاہیئے اور آئندہ کیلئے بھی آمدنی کا کچھ حصہ بچا کر پس انداز کرنا چاہیئے، اسی کو اقتصاد کہتے ہیں جو نہایت اہم اور دشوار مسئلہ ہے اور یہی تدبیرِ منزل اور گھریلو زندگی کی اصل واساس ہے، اگر اقتصادی حالت درست نہیں ہے اور اس میں قصور وفساد ہے تو پھر تدبیرِ منزل بھی خراب اور فاسد ہوگی۔ سمیر المہذب میں کامیاب اقتصادی زندگی کیلئے چند زریں اصول بیان کئے گئے ہیں جو یہ ہیں:

- آمدنی اگرچہ قلیل ہے مگر اس سے کچھ پس انداز کرنا چاہیئے اور جو شخص آمدنی سے زیادہ خرچ کرتا ہے احمق ہے۔
- ضرورت کی اشیاء نقد لو، کسی سے قرض لے کر مقروض نہ رہو۔
- آئندہ آمدنی کی توقع پر سب مال خرچ نہ کر ڈالو، اس لئے کہ جو چیز حاصل نہیں ہے اس پر کیا بھروسہ؟ ملے نہ ملے، جو شخص آئندہ کی اُمید پر خرچ کرے گا وہ قرض اور فقر میں مبتلا ہو جائے گا۔
- اپنے مال کو تلف اور ہلاک کرنے سے بچاؤ اسلئے کہ نہ تو تم کو ہی اس سے کوئی نفع پہنچے گا اور نہ کسی اور کو ہی۔
- اپنے اعمال کی خود حفاظت کرو اور اگر عمل خود کر سکتے ہو تو کرو، اسلئے کہ مثل ہے لَا یَهتمُّ فِی العَمَلِ الَّا صَاحِبُه وَلَا یُرَاقِبُ الشیءَ اِلَّا عَینُ صَاحِبِه یعنی جس کا کام ہوتا ہے وہ اس کا اہتمام بخوبی کر سکتا ہے اور کسی چیز کی حفاظت ونگرانی اس کے مالک ہی کی آنکھ کر سکتی ہے۔
- اگر کسی چیز کی ضرورت نہ ہو تو اس کو نہ خریدو، اگرچہ وہ سستی ہی کیوں نہ ہو، جب تم کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو مفت بھی ملے تو گراں ہے!
- اپنے مستقبل پر نظر رکھو اور ایسا حساب رکھو کہ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو مالی پریشانی نہ ہو۔

پس اگر ان اصولِ اقتصاد ومعاش پر عمل پیرا ہو جائے اور خرچ کرنے والے اور اہلِ حقوق بھی لوگ ان کی رعایت کریں اور افراط وتفریط سے بچیں اور اہلِ حقوق بے جا مطالبات سے احتراز کریں تو آج ہماری گھریلو زندگی سنور جائے اور اطمینان وسکون میسر ہو جائے۔ (مصلح اُمّت مولانا وصی اللہؒ)

مُسلم تاجروں کے لئے دس نکات

(۱) مسلمان کا بہترین لباس تقویٰ ہے، خدا سب کا رازق ہے، تنگی ہو یا فراخی ہر وقت اس کے توکل و اعتماد کا دامن تھامے رہیئے۔

(۲) صبر و استقلال تاجر کا اصل جوہر ہے۔ اگر کچھ دنوں دکان یا کاروبار نہ چلے تو خدا سے لَو لگائے ہوئے اچھے وقت کا انتظار کیجئے۔ ہر وقت دماغ کو کام میں لائیے۔ اپنی ترقی کی تدبیریں سوچتے رہیئے اور کام سے غافل نہ رہیئے۔

(۳) دکان وقت پر کھولئے، صبح کی اولین ساعت میں کاروبار کا آغاز برکت کا باعث ہے، دکان کو کبھی حتی الوسع تنہا نہ چھوڑیئے، حاضر باشی کے بغیر دکان کامیاب نہیں ہو سکتی۔

(۴) موسم اور ضرورت کے مطابق کوشش کیجئے کہ دوسروں سے پہلے تمام ضروری سامان آپ کی دکان میں پہنچ جائے۔

(۵) اپنی تجارت کی بنیاد "کم نفع اور زیادہ بِکری" پر رکھئے۔ اور عام حالات میں بازار کے برابر نفع لیجئے۔ نہ کم اور نہ زیادہ۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دوسروں کی ضرورتوں کی تکمیل کرا رہا ہے، اس لئے گاہکوں کا استحصال نہ کیجئے بلکہ خدمت خلق کے جذبہ کو بھی ذہن میں اُجاگر کئے رہیئے۔

(۶) کوشش کیجئے کہ اصل سرمایہ بڑھے، اس غرض کیلئے اگر پورا منافعہ نہیں تو اس کا ایک مقررہ حصہ ضرور ماہ بماہ اصل سرمایہ میں شامل کرتے رہیئے۔

(۷) اپنی دکان کو مفت خوروں، بے کاروں، آوارہ گردوں اور کھلاڑیوں کا اڈہ مت بنائیے اور بے کار وقت میں کبھی دکان پر تاش اور دوسرے کھیلوں کی رسم نہ ڈالئے، بلکہ فارغ وقت میں دینی رسالہ یا کتاب یا اخبار پڑھئے اور ترقی تجارت کے ذرائع سوچئے۔

(۸) زیادہ آمدنی کی امید پر فضول خرچی شروع نہ کیجئے اور وقت ضرورت کیلئے اپنی آمدنی

سے کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے رہیئے۔ آمدو خرچ کا اسٹاک رکھئے اور حساب وکتاب میں بے قاعدگی نہ ہونے دیجئے۔

(۹) گاہک کے ساتھ خوش خلقی اور خندہ پیشانی سے پیش آئیے۔ ہمیشہ کسی اچھے جملے سے استقبال کیجئے، چیز پسند نہ آنے کی صورت میں چڑچڑا پن کا مظاہرہ نہ کیجئے بلکہ کہئے کہ ہمیں افسوس ہے کہ آپ کی پسند کی چیز نہیں مل سکی۔ آئندہ انشاء اللہ ہم آپکے ذوق کی تکمیل کی کوشش کریں گے۔

(۱۰) دھوکہ نہ دیجئے، غلط بات نہ کہئے، جھوٹی قسمیں نہ کھائیے، عیب چھپا کر مال نہ بیچئے، معاشی سرگرمیوں میں خدائی تقاضوں کو مقدم رکھئے۔ خدا کی یاد سے اپنی زبان اور دل کو تازہ کئے رہیئے، اپنے مال میں خدا اور پریشان حال بندوں کے حق کو بھی تسلیم کیجئے، پوری پابندی اور حساب کتاب سے زکوٰۃ دیتے رہیئے۔ دینی اداروں ملّی کاموں میں بھی مالی تعاون کے ذریعہ حصہ لے کر اپنی اجتماعی حوصلہ مندی کا ثبوت دیجئے۔ کھانے پینے کی چیزوں کو گرد و غبار اور مکھیوں سے بچائے رکھئے۔

نظامِ معیشت کی بہتری کا راز

آج کا دَور معاشیات کا دَور کہلاتا ہے، معاشی مسئلہ آج کا اہم ترین مسئلہ ہے، معاش کے اہم ستون دو ہی ہیں، سَرمایہ اور محنت، اگر سَرمایہ دارانہ نظام نے سَرمائے کو پیداوار کے لئے کلیدی حیثیت دی ہے تو اشتراکیت نے یہ درجہ بظاہر محنت کو دیا ہے، ہر دو نظام افراط و تفریط کا شکار ہیں، اور اس بے اعتدالی کا خمیازہ آج پوری دنیا بھگت رہی ہے۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ نظامِ زندگی ہی وہ واحد نظام ہے جو انسان کے اس اہم مسئلے کو اعتدال و توازن سے حل کرتا ہے، پیداواری عمل میں محنت اور سرمائے کو ان کا جائز مقام عطا کرتا ہے، وہ نہ سرمائے کو اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ وہ محنت کو اپنا غلام بنا کر رکھ لے اور نہ محنت کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنی چیرہ دستیوں سے سرمائے کی افادیت کو مجروح کر کے رکھ دے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے اجرت کا معاملہ مزدور اور آجر (مالک) کے درمیان ایک معاہدے کی حیثیت رکھتا ہے، اجیر اپنی محنت پیش کرتا ہے اور آجر اپنا سرمایہ۔ اس معاہدے میں فریقین کی حیثیت مساوی ہوتی ہے، اس لئے اس میں کسی ممنونیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس معاہدے کے تحت ایک مزدور اپنی محنت ایک آجر کو ایک مقررہ رقم کے بدلے پیش کرتا ہے، اَب نہ آجر مزدور پر کسی قسم کی زیادتی کرنے کا مجاز ہے اور نہ مزدور کام میں بد دیانتی کرنے اور آجر کو بلاوجہ پریشان کرنے کا مختار ——— جس طرح مزدور پر لازم ہے کہ وہ مقررہ کام پوری ایمانداری اور ذمہ داری سے انجام دے اسی طرح آجر کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ مزدور کی اجرت بلا تاخیر اور بلا حیل و حجت ادا کرے۔ جیسا کہ رسولؐ نے آجروں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔"

اس مختصر سی حدیث میں آجر اور مزدور دونوں کے حقوق نہایت جامعیت کے ساتھ بتا دیئے گئے ہیں یعنی آجر کو چاہیئے کہ مزدور کی مزدوری میں دیر نہ کرے اور مزدوری اسکی محنت و قابلیت کے اعتبار سے اتنی دے جس سے وہ خوش ہو جائے، اس کے ساتھ مزدور کو بھی چاہیئے کہ

کام مستعدی اور ذمہ داری سے کرے۔ پسینہ نکلنے کی بلیغ تعبیر اسی طرف اشارہ کرتی ہے، خواہ حقیقی معنی میں اس کے جسم سے پسینے کا اخراج ہو یا نہ ہو تاہم دیکھنے والے کو اس کا اندازہ ہو جائے کہ یہ شخص اپنے فریضہ کو بڑی محنت اور دیانت کے ساتھ انجام دے رہا ہے۔

اسلامی نظامِ معیشت میں آجر اور اجیر، زمیندار اور کاشتکار، کارخانہ دار اور مزدور، مالک اور ملازم ایک دوسرے کے حریف اور دشمن نہیں بلکہ ایک دوسرے کے بھائی، خیر خواہ، ہمدرد و غمگسار اور مددگار ہیں، یہی فضا امن و سلامتی کی ضامن ہے اور تعلقات کی یہی استواری اور راستی معاشی بحران پر قابو پانے اور پیداوار میں اضافہ کا قابلِ اعتماد اور لائقِ اعتبار وسیلہ بن سکتی ہے۔ ●●

دولت خرچ کرنے کا اصول

"دولت خرچ کرنے کا سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ" ضروریات پر خرچ کرو، فضولیات سے بچو"۔

آج ہمارے معاشرہ میں غور کیا جائے تو ضروریات کم ہیں فضولیات زیادہ، بلکہ فضولیات کا نام ہی ہم نے ضروریات رکھ لیا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر انسان اس زرّیں اصول پر عمل کرے تو آج دنیا سے نوے فیصد معاشی تنگی اور بدحالی دُور ہو جائے، یہ ساری دنیا جو پریشان ہے آپ تجزیہ کرکے دیکھ لیں کہ ان میں کچھ تو ایسے آدمی ضرور ہیں جو آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہیں لیکن کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن کی آمدنی تو ہے لیکن وہ اس آمدنی سے اپنے اخراجات کے کفیل نہیں ہو سکتے اور ہوں بھی کس طرح؟ آج غسل خانے اور پاخانے میں ٹائلس تو لگتے ہیں لیکن بیوی بچوں کی جائز ضروریات پوری طرح ادا نہیں ہوتیں۔ آج ٹیلیفون اور موٹر ضروریات بن گئیں اور ہمسایہ بھوکا سو رہا ہے۔ ——— بڑے بڑے گھرانے کا آج حال یہ ہے کہ مہینہ کی اول تاریخوں میں اخراجات کی اور حالت ہوتی ہے اور آخر تاریخوں میں قرضے کی نوبت آجاتی ہے پہلے لوگوں میں کبھی پہلی اور آخری تاریخ کا فرق کوئی جانتا بھی نہ تھا، وجہ یہ ہے کہ وہ "ضروریات پر خرچ کرو، فضولیات سے بچو" کے اصول پر عامل تھے"۔

(مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

آپ اِن مواقع سے فائدہ اُٹھائیے!

موجودہ زمانہ میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں ان میں سب سے اہم تبدیلی یہ ہے کہ آج اقتصادیات نے بے حد اہمیت اختیار کرلی ہے۔ آج دین وملت کا کوئی بھی کام بڑے اور معیاری پیمانہ پر اس وقت تک انجام نہیں دیا جاسکتا جب تک اقتصادیات کی پوری قوت حاصل نہ ہو جائے، پھر دَورِ جدید نے اس کے لئے نئے نئے مواقع فراہم کئے ہیں، اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ جمود وتعطل کی زندگی چھوڑیں اور شرعی حدود میں رہ کر ان مواقع سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں اور اس کے ذریعہ اپنے کو اور دین و ملت کے کام کو اونچا اٹھائیں، اس طرح معیشت، معیشت نہیں بلکہ طاعت وعبادت بن جائے گی۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ انگریزوں کے ہاتھوں ہندوستان کی صنعت سخت مجروح ہوئی اور اس کو شدید نقصان پہنچا اور چوں کہ ہندوستان کے کاریگروں اور صنعت گروں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی، اس لئے ہندوستان کی صنعت ٹوٹنے سے سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو ہی پہنچا۔ اَب ہندوستان صنعتی دوڑ میں آگے بڑھ رہا ہے، مسلمانوں کو چاہیئے کہ حسبِ سابق اس دوڑ میں حصّہ لیں۔ اور موجودہ حالات کے مطابق ترقی یافتہ وسائل وذرائع حاصل کرکے اپنی صنعت کو فروغ دینے کی جدوجہد کریں۔

صنعت صرف محنت، دلچسپی، توجہ اور لگن چاہتی ہے، وہ سرمایہ کی محتاج نہیں ہے جتنی کہ تجارت، اس لئے اس پیشہ کو اپنانا مسلمانوں کے لئے ایک روشن مستقبل کی شاہِ راہ بن سکتا ہے۔

جن لوگوں کو اللہ نے زمین کی نعمت مرحمت فرمائی ہے وہ اللہ پر بھروسہ کرکے اس پر محنت کریں، انشاء اللہ ان کی محنت بارآور ہوگی۔ صحابۂ کرام کی زندگی کا دارومدار زیادہ تر تجارت پر تھا، یہ معزز پیشہ بھی ہم مسلمانوں کی پوری توجہ کا مستحق ہے اور اس معاملہ میں ایک دوسرے کو سہارا اور تعاون دینے کی سخت ضرورت ہے۔
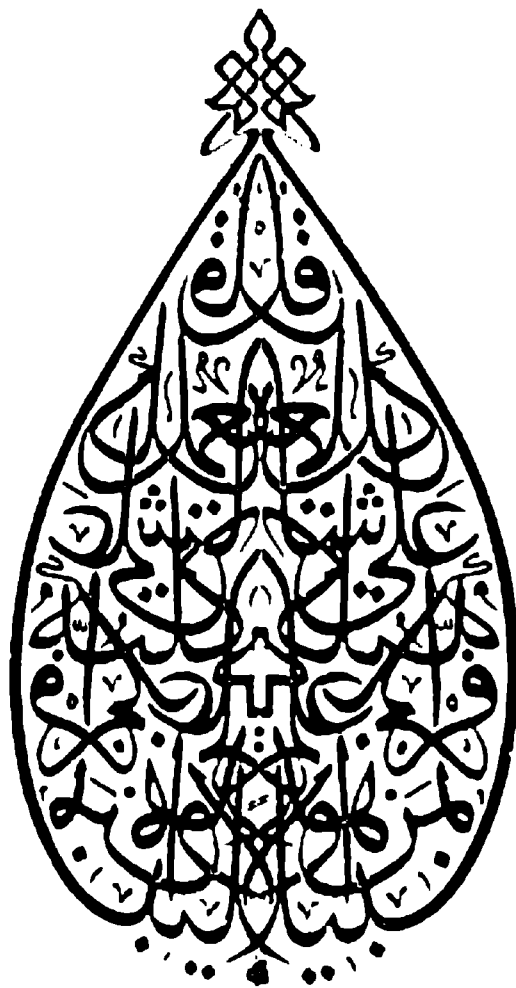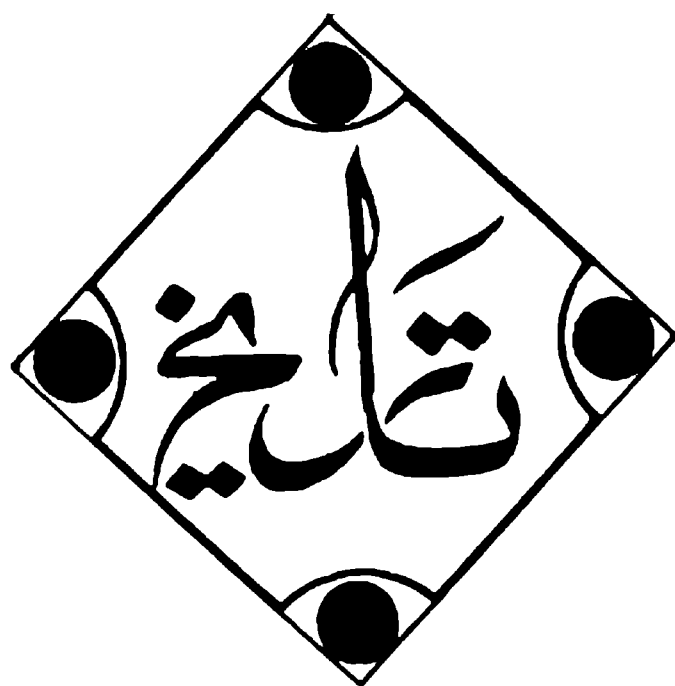
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ [البقرۃ: ۱۴۱]

یہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی، ان کا کیا ہوا ان کے آگے آئے گا اور تمہارا کیا ہوا تمہارے آگے آئے گا، اور جو کچھ وہ کرتے رہے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہ ہوگی۔

لا تشددوا علىٰ اَنْفُسِكُمْ فیشدد اللہ علیکم. فان قوماً شددوا علىٰ انفسھم فشدد اللہ عَلَيْهِمْ فتلك بقاياھم فی الصوامع والدیار. رھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم [ابوداؤد]

دین پر عمل کرنے کے سلسلہ میں اپنے اوپر سختی نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی فرمادے گا، تم سے پہلے کچھ لوگوں نے اس معاملہ میں سختی برتی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کا معاملہ فرمایا، انہیں میں کے کچھ باقی لوگ گرجوں اور دیروں میں نظر آرہے، اس رہبانیت کو انہوں نے اپنی طرف سے اختیار کرلیا، اللہ تعالیٰ نے ان پر ضروری نہیں قرار دیا تھا۔

قرآنِ کریم کے متعلق قابلِ حفظ تاریخیں

- ★ رمضان ۱۰ھ میں ترتیبِ آیات، ترتیبِ سُور، تجدید لغت قریش وغیرہ کی تکمیل ہوئی۔
- ★ صفر ۱۱ھ میں نزولِ قرآن ختم ہوا۔
- ★ ۱۲ھ میں بعہد حضرت صدیق اکبرؓ "نسخۂ اجماعی" تیار ہوا۔
- ★ ۱۵ھ میں عہد فاروقی میں تراویح کی بڑی جماعت میں پورا قرآن پڑھنے کی سنّت جاری ہوئی۔
- ★ ۲۰ھ میں تنسیخ لغاتِ ستہ (چھ لغتوں کی منسوخی) اور تعیینِ لغتِ قریش پر اجماعِ عام عہدِ عثمانی میں ہوا اور لغتِ قریش میں "نقولِ عثمانی" تیار ہوئیں۔
- ★ مصحفِ عثمانی میں نقطے اور اِعراب قصداً نہیں رکھے گئے تھے، عرب اہلِ زبان تھے، ان کو اس قسم کے سہاروں اور سہولتوں کی ضرورت و احتیاج نہیں تھی، سب سے پہلے ابوالاسود دوئلی تابعی نے عہد مرتضوی میں یا کچھ بعد لوگوں کو غلط قرأت کرتے دیکھ کر اعراب کو منضبط کرنے کیلئے لفظ کے آخری حرف پر تین تین نقطے اس طرح لگائے کہ "فتحہ" کیلئے حرف کے اُوپر اس طرح ۔۔۔ اور "کسرہ" کے لئے حرف کے نیچے اس طرح ۔۔۔ اور "ضمہ" کے لئے حرف کے برابر اس طرح ۔۔۔۔
- ★ آخر عجمی مسلمانوں کو تعلیم دینے میں زیادہ دشواری دیکھ کر حجاج بن یوسف گورنر عراق کے حکم سے ۷۵ھ میں نصر بن عاصم یحیٰ اور خلیل بن احمد وغیرہم نے قرآنِ کریم میں فاعِل و مفعول وغیرہ کے امتیاز کے لئے آخری حرف پر لکیروں کے ذریعہ اعراب قائم کئے جن کا رواج آج تک ہے۔ اسی کے ساتھ ہم شکل حروف ب، ت، ث یا ج، ح، خ وغیرہ میں باہم امتیاز کرنے کے لئے نقطے بھی لگا دیئے۔
- ★ ۷۵ھ میں پورے قرآن کریم کو تیس حصّوں میں اور پھر ہر حصہ کو ربع، نصف، اور ثلث میں سہولت کیلئے تقسیم کیا گیا۔

سب سے پہلی اسلامی اقامتی درسگاہ

جب مکہ مکرمہ سے دین و ایمان اور علوم و معارف کا کاروان مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزولِ اجلال فرمایا تو سب سے پہلے آپؐ نے ایک اسلامی مرکز کی بنیاد ڈالی تاکہ اس مصدر و منبع سے علم و عمل کے چشمے پھوٹیں اور عبدیت و عبادت کی تعلیم اور اس کا عملی ظہور ہو۔ "مسجد نبوی" کی تعمیر اسی مقصد کیلئے ہوئی، اندرونِ حصہ نماز کیلئے رکھا گیا اور بیرونِ حصہ میں ایک مقام "صُفّہ" (چبوترہ، سائبان) کے نام سے مخصوص ہوا۔ یہ صُفّہ اسلام کی سب سے پہلی اقامتی درسگاہ ہے۔ بابِ جبرئیل کے سامنے آج بھی ایک وسیع چبوترہ ہے جسے "دکۃ الدعوات" کہا جاتا ہے اسی مقام کو "صُفّہ" کہتے ہیں۔

جامعہ صُفّہ میں فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی، قرآن مجید حفظ کرایا جاتا تھا، فنِ تجوید سکھایا جاتا تھا اور دیگر اسلامی علوم کی تدریس کا نظم قابل اساتذہ کے ذریعہ بہت مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر اس جامعہ کی نگرانی فرمایا کرتے تھے، مقیم طلبہ کی تعداد کبھی کبھی اسّی تک پہنچ جاتی تھی، ان طلبہ میں اکثر تعداد ان کی تھی جو اسلام قبول کرنے کے جرم میں اپنے گھر بار سے باہر کر دیئے جاتے تھے، طعام کا انتظام یہ تھا کہ بعض مالدار اور صاحبِ حیثیت صحابہؓ ان اضیافِ اسلام کو اپنے ساتھ لے جاتے اور کھانا کھلاتے، ان میں حضرت سعد بن عبادہؓ نہایت فیاض تھے، نیز ان کے لئے کھجوروں کے خوشے اور کھانے کی دوسری چیزیں ہدیہ اور تحفہ کے طور پر صحابہؓ کرام حاضر کیا کرتے تھے، کھانے کے انچارج حضرت ابوہریرہؓ تھے۔

بعض طلبہ دن کے کچھ حصّے میں باہر سے لکڑیاں وغیرہ لاتے اور فروخت کر کے معاش حاصل کرتے بعض رات کو بھی دوسرے اجلّہ صحابہ کے گھروں پر تعلیم حاصل کرنے جایا کرتے تھے، صبح کو فجر کے بعد سے دن چڑھے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص مجلس سے استفادہ کے لئے تقریباً تمام طلبہ حاضر رہا کرتے تھے۔

اصحابِ صُفّہ کی مجموعی تعداد چار سو کے قریب بتائی جاتی ہے، یہاں کے فضلاء "قرار"

کہلاتے تھے اور بوقتِ ضرورت ان کو قرآن اور اسلامی احکام کی تعلیم کے لئے باہر قبائل میں بھیجا جاتا تھا، ان فضلاء و فارغین نے دنیا میں اسلامی علوم کی تبلیغ و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔
رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

غور کی نظر اس نکتہ کو پوری طرح کھول دے گی

"ہم کو یہ صاف کہنا ہے کہ عربی مدرسوں کی جتنی ضرورت آج ہے کل جب ہندوستان کی دوسری شکل ہوگی اس سے بڑھ کر اُن کی ضرورت ہوگی، وہ ہندوستان میں اسلام کی بنیاد اور مرکز ہوں گے۔ لوگ آج کی طرح کل بھی عہدوں اور ملازمتوں کے پھیر اور ارباب اقتدار کی چاپلوسی میں لگے ہوں گے اور یہی دیوانے مُلّا آج کی طرح کل بھی ہوشیار ہوں گے اور رہیں گے۔

اس لئے یہ مدرسے جہاں بھی ہوں، جیسے بھی ہوں، ان کو سنبھالنا اور چلانا مسلمانوں کا سب سے بڑا فرض ہے۔

ان عربی مدرسوں کا اگر کوئی دوسرا فائدہ نہیں تو یہی کیا کم ہے کہ یہ غریب طبقوں میں مفت تعلیم کا ذریعہ ہیں اور ان سے فائدہ اٹھاکر ہمارا غریب طبقہ کچھ اونچا ہوتا ہے اور اس کی اگلی نسلیں کچھ اور اونچی ہوتی ہیں اور یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔
غور کی نظر اس نکتہ کو پوری طرح کھول دے گی۔"

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ
(معارف۔ نومبر ۱۹۲۸ء)

ہجرت ـــــــ تاریخی پسِ منظر

لغت میں ہجرت، ہجران اور ہجر کے معنی ہیں کسی چیز سے بیزار ہو کر اس کو چھوڑ دینا اور محاوراتِ عامہ میں ہجرت کا لفظ ترکِ وطن کے لئے استعمال ہوتا ہے، اصطلاحِ شرع میں دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں چلے جانے کو ہجرت کہتے ہیں۔ کسی وطن کو دینی وجوہ پر چھوڑ دینا بھی ہجرت میں داخل ہے، ہجرت کرنے والے کو مہاجر کہتے ہیں اور مہاجر اصل میں کون ہے؟ اس کی تعریف جو لسانِ نبویؐ سے ادا ہوئی ہے اس سے ہجرت کی صحیح حقیقت سامنے آتی ہے، آپؐ کا ارشاد ہے "مہاجر وہ ہے جو ان تمام چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے منع فرمایا ہے"

ہجرت کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ انبیاء سابقین میں حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ کی ہجرت کے واقعات کافی مشہور ہیں لیکن جو شہرت اور عظمت نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کو حاصل ہے وہ کسی دوسری ہجرت کو حاصل نہیں ہے۔

مشرکینِ مکہ کی پیہم اذیتوں سے تنگ آکر اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے مدینہ کی سرزمین کو سازگار پاکر حکمِ خداوندی کے تحت مکہ سے مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا عزم آپ فرماچکے ہیں۔ نبوت کا تیرھواں سال ہے، صفر کی ۲۷ تاریخ، دن پنجشنبہ کا، جمعہ کی شب، دشمن شہید کرنے کے لئے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ آپؐ اٹھتے ہیں، حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سُلا دیتے ہیں، مکہ والوں کی امانتیں انہیں کے سپرد فرماتے ہیں۔ اب گھر سے نکل رہے ہیں، ہاتھ میں تھوڑی مٹی ہے قریشی خونخواروں کی آنکھوں کی طرف پھینک رہے ہیں، سورۂ یٰسین کی آیات ابتداء سے فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ تک تلاوت فرما رہے ہیں، دشمنوں کی بصارت سلب ہو چکی ہے، کسی نے باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا، صبح کے وقت آپؐ کو بستر پر نہ پاکر اہلِ قریش کو سخت حیرت بھی ہے اور ندامت بھی، ویسے آپ تو رات ہی کے حصہ میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس آکر انہیں اپنی رفاقت میں لئے ہوئے مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے ہیں۔

دشمن کے تعاقب کے خیال سے رات کی تاریکی ہی میں غارِ ثور میں چھپ جاتے ہیں، یہاں

خفیہ طریقہ پر شام ڈھلے حضرت ابو بکرؓ کی دختر نیک اختر حضرت اسماءؓ کھانا پہنچانے جایا کرتی ہیں، ان کے غلام عامر بن فہیرہ دودھ کے لئے بکریوں کے ریوڑ لے آتا ہے اور انہیں کے صاحبزادے عبداللہؓ شہری احوال اور چہ میگوئیوں کی خبر دیتے رہتے ہیں، تین دن اور تین راتیں گذر چکیں، آج چوتھی شب ہے تاریخ یکم ربیع الاول روز دوشنبہ (۱۶ ستمبر ۶۲۲ء) غارِ ثور سے نکلتے ہیں۔ سواری کے لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف سے دو فربہ اونٹنیاں باہر کھڑی ہیں، اب غلام عامر بھی شریکِ سفر ہے، عبداللہ بن اُریقط کو غیر مسلم ہونے کے باوجود رہبری کے لئے معاوضہ پر طے کر لیا گیا ہے، چار کا قافلہ مدینہ کی جانب رواں دواں ہے۔ قریش کی طرف سے آپؐ کی گرفتاری پر قیمتی انعام کا اعلان ہو چکا ہے، لوگ آپؐ کی تلاش میں سرگرداں ہیں، اس سلسلہ میں سراقہ بن مالک بن جشعم کی ناکامی کا دلچسپ اور عبرت انگیز واقعہ پیش آتا ہے اور آپ ہیں کہ اپنی منزل کی طرف بڑھے جا رہے ہیں۔

راستہ میں اُمِ معبد الخزاعیہ کے پاس سے گذرتے ہیں، آپؐ کی برکت سے ان کی وہ بکری جس کا دودھ خشک ہو گیا تھا، تیزی سے بھر آتا ہے، سب خوب سیراب ہوتے ہیں۔ اثنائِ راہ میں بریدہ اسلمی سے ملاقات ہوتی ہے، یہ اپنے قبیلے کے (۷۰) آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ کچھ آگے چل کر زبیر بن العوام اور شام سے واپس آتی ہوئی مسلم تاجروں کی جماعت سے ملاقات ہوتی ہے یہ لوگ آپؐ کو اور حضرت ابو بکرؓ کو سفید پارچہ جات پیش کرتے ہیں۔ ۱۲ ربیع الاول (بعض نے ۸ اور ۱۸ ربیع الاول بھی لکھا ہے) کو مدینہ کی مضافاتی بستی "قبا" میں تشریف لاتے ہیں (۴) روز یا (۱۴) روز قیام فرماتے ہیں۔ یہاں مسجد قبا کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ یہیں حضرت علیؓ مکہ سے آکر ملتے ہیں، یہاں سے جمعہ کے دن مدینہ کے اندرونی حصہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ راستہ میں بنی سالم کے محلہ میں جمعہ کی نماز ادا فرماتے ہیں، نماز سے قبل بلیغ خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔ یہاں سے آگے بڑھتے ہیں تو تقریباً (۵۰۰) حضراتِ انصار گرمجوشی کے ساتھ استقبال کرتے ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ عشق و محبت اور خوشی کا ایسا دِلکش نظارہ پھر ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔

انصار میں سے ہر ایک آپؐ کی ضیافت کا شرف حاصل کرنے کی بیتاب آرزو رکھتا ہے لیکن جاگتی ہے قسمت تو حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی۔ ان کے گھر میں آپؐ نے سات ماہ قیام فرمایا، یہاں آکر سب سے پہلی فکر جو آپ کو دامن گیر ہوتی ہے وہ عبادت گاہ اور دینی درسگاہ کی۔ مسجد نبوی کی تعمیر اور

جامعہ صُفہ کے قیام سے یہ خواہش تکمیل پاتی ہے ۔آپؐ مہاجرین اور انصار میں بھائی چارگی کی فضا قائم کرتے ہیں۔اس موقع پر انصار کے ایثار اور مہاجرین کے استغنار اور خودداری کے پرکیف اور سبق آموز نظارے سامنے آتے ہیں ۔ واقعات ہجرت سے یہ سبق ملتاہے کہ دعوت اور عقیدہ کی خاطر ہر عزیز اور محبوب شئی کو بے دریغ قربان کیا جاسکتاہے لیکن دعوت وعقیدہ کو ترک نہیں کیا جاسکتا ۔

سنہ ہجری کی ابتدار اور اہمیّت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر نبوت کے تیرھویں سال ، ۲۷ر صفر پنجشنبہ کے دن مکہ کو ترک فرمایا تھا ۔ ۱۲ر ربیع الاول دوشنبہ کو مدینہ کی مضافاتی بستی " قبا " میں آپؐ تشریف لائے۔ اسلامی تقویم اور اسلامی تاریخ کا آغاز قبا میں پہنچنے کے دن ہی سے ہوتا ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور حکومتی کام بھی بہت زیادہ پھیل گیا جس میں لامحالہ تاریخ اور ان کے حوالہ کی ضرورت پیش آئی تو ایک باقاعدہ سنہ تاریخ کا مطالبہ ہر طرف سے شروع ہوا ، خود حضرت عمرؓ کو بھی اس کا احساس ہوا چنانچہ انہوں نے اصحاب رائے کو جمع کیا ۔ کافی غور وخوض اور بحث ومباحثہ کے بعد متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ دوسری قوموں کی تاریخ اور سنہ کو ہمیں نہیں لینا ہے بلکہ اسلامی تاریخ کا سنہ ، ہجرت کے مہتم بالشان سال کو قرار دینا ہے جس میں انسانی تاریخ نے عقیدہ وایمان ، صبر وثبات اور شجاعت وحوصلہ مندی کا وہ قیمتی راز دریافت کیا تھا جو دنیا کیلئے ایک عقدہ لاینحل بنا ہوا تھا ۔ اسی مجلس مشاورت میں اسلامی تاریخ کے سنہ کا پہلا مہینہ محرم متعین کیا گیا ، چوں کہ عرب حج سے واپسی کے بعد اسی مہینہ سے اپنے کاروبار کی ابتدا کرتے تھے اور یہ مہینہ ہمیشہ سے محترم بھی رہا ہے ۔

یہ فیصلہ ۱۷ھ میں ہوا تھا ، اس وقت سے اب تک صحابۂ کرام ، بزرگان دین اور علمارِ عظام قمری مہینوں اور سنہ ہجری کا اہتمام کرتے رہے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اس کے التزام کی تعلیم دیتے رہے ہیں کیوں کہ یہ منجملہ شعائرِ اسلام سے ہے ۔ قمری مہینوں کے نام اور زبانِ وحی ونبوت سے ادا ہوئے ہیں اور سنہ ہجری کے بارے میں معلوم ہوا کہ ایک مہتم بالشان واقعہ کی یادگار ہے ۔مسلمانوں کو چاہیئے کہ سنہ ہجری کی دینی ، ملّی اور تاریخی حیثیت کو محسوس کریں اور بلاضرورتِ شدیدہ اس سنہ کو چھوڑ کر دوسرے سنہ کو اختیار نہ کریں ۔

مسجد نبوی ——— تعمیری مراحل

مسجدِ نبوی کے ساتھ اسلامی تاریخ کا تابناک عہد وابستہ ہے۔ اس کا دیدار قلب ونظر کو فیضان وانوار سے مالا مال کرتا ہے، یہ وہ بابرکت مسجد ہے جس میں ایک رکعت نماز پر پچاس ہزار رکعتوں کا ثواب ملتا ہے، ہجرت کے پہلے سال ماہ ربیع الاول میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس اپنے مقدس ہاتھوں اس مقدس مسجد کی بنیاد ڈالی تھی۔

○ سنہ ۸ھ میں اس مسجد کے مشرقی، مغربی اور شمالی حصوں میں اضافہ کیا گیا، اس طرح اس مسجد کا رقبہ پھیل کر ۲۴۷۵ (مربع) میٹر ہو گیا۔

○ سنہ ۱۷ھ میں عہدِ فاروقی میں پہلی تعمیر کی بنیادوں میں پتھر، دیواروں کے لیے مٹی، پائے کیلئے کھجور کے تنے اور چھت کے لئے کھجور کی ٹہنیاں استعمال کی گئی تھیں، اس موقعہ پر اینٹیں اور ستون کے لئے لکڑیاں بھی استعمال کی گئیں اور مسجد میں چھ دروازے بنائے گئے۔

○ سنہ ۲۹ھ عہدِ عثمانی میں پھر پائے میں پتھر کے ساتھ لوہے کا بھی استعمال ہوا اور چھت میں "سکھوا" کی لکڑی دی گئی اور چھ کے منجملہ دو دروازے بند کروائے گئے۔

○ سنہ ۹۱ھ میں ولید بن عبدالملک کے حکم سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد کو از سر نو تعمیر کروایا، پہلی مرتبہ اس میں چار مینار بھی بنائے گئے اور ازواجِ مطہرات کے حجرے بھی مسجد میں آ گئے۔

○ سنہ ۱۶۵ھ میں خلیفہ مہدی بن منصور کے زمانہ میں مسجد کے شمالی حصہ میں جو سو ہاتھ کا اضافہ کیا گیا انجام پذیر ہوا۔

○ سنہ ۶۵۴ھ میں آتشزدگی کے نتیجہ میں مسجد کی عمارت کو بڑا نقصان پہنچا۔

○ سنہ ۶۷۰ھ میں والیِ یمن ملک مظفر اور شاہ مصر ظاہر نے عمارت کو درست کر دیا۔

○ سنہ ۷۲۹ھ میں شاہ ناصر محمد بن قلاؤن نے اصلاحات کرائیں، بعض حصوں میں [illegible] اور مستحکم اضافہ کروایا۔

- ۸۷۹ھ میں شاہ اشرف قایتبائی نے پھر بڑے پیمانہ پر تبدیلیاں کیں، مینارے بدلے گئے، چھت بدلی اور ستون بھی بدل دیئے۔
- ۸۸۶ھ میں عمارتِ مسجد پھر ایک بار شدید آتشزدگی کی لپیٹ میں آئی جب شاہ اشرف قایتبائی کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے ماہرِ فنِ تعمیر سنقر جمالی کو سو معماروں اور ماہرین کے ساتھ مدینہ بھیجا۔ اس دفعہ فنِ تعمیر کے لحاظ سے بڑی تبدیلیاں لائی گئیں، مشرقی دیوار بدل گئی، اونچے اونچے مینار بنائے گئے، ایک بڑا اور کئی چھوٹے گنبد بنے اور محراب بھی۔ عمدہ اور دلکش نقش و نگار ابھارا گیا اور رنگ و روغن کیا گیا۔
- ۸۹۰ھ میں سلطان سلیم ثانی نے تعمیری تبدیلیاں کیں۔
- ۱۲۳۳ھ میں سلطان محمد کے حکم سے ایک گنبد بنائی گئی جس پر ۱۲۵۵ھ میں سبز رنگ پھروایا گیا، یہی گنبدِ خضرا، کہلاتا ہے۔
- ۱۲۶۵ھ میں سلطان عبدالمجید ثانی نے پھر ایک بار تعمیر و ترمیم کا کام شروع کروایا اور اس عظیم تعمیری کام کی تکمیل ۱۲۷۷ھ میں ہوئی، تمام دیواروں اور ستونوں کو قرآن پاک کی آیتوں اور نقش و نگار سے آراستہ کیا گیا۔
- ۱۳۷۰ھ میں سلطان عبدالعزیز نے آخری تبدیلیاں شروع کیں اور ۱۳۷۵ھ میں نئی مسجد کا افتتاح ہوا، موجودہ مسجد کا رقبہ ۱۶۳۲۶ مربع میٹر ہے۔

مسجدِ قبا
عہدِ نبوی کی سب سے پہلی مسجد

"قُبا" مدینہ کی ایک مضافاتی بستی ہے جو مدینہ سے ۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر اس کے مغربی جنوبی حصے میں واقع ہے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے تو یہاں ۸ ربیع الاول ۱۳ نبوت م ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء دوشنبہ کو رونق افروز ہوئے، بنی عمر بن عوف کے سردار حضرت کلثوم ابن الہدمؓ کو آپؐ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت کلثومؓ کے ہاں حضرت ابوعبیدہ، حضرت مقداد، حضرت خباب، حضرت سہیل، حضرت صفوان، حضرت عیاض اور ان کے علاوہ متعدد مہاجرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پہلے سے مقیم تھے، بوقتِ ہجرت حضرت علیؓ مکہ میں چند روز تک حسب ارشادِ نبویؐ اس لئے ٹھہر گئے تھے کہ جن لوگوں کی امانتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں موجود تھیں وہ مالکوں کو واپس کر دی جائیں۔ اس فریضہ کی تکمیل کے بعد حضرت علیؓ بھی اپنے رفقاء کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور حضرت کلثومؓ کے گھر میں انہوں نے بھی قیام کیا۔

بخاری اور مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ روز قیام فرمایا۔ یہاں آپؐ نے پہلا کام جو انجام دیا وہ یہ تھا کہ اپنے میزبان حضرت کلثومؓ کی ایک افتادہ زمین پر جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں، خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لئے اپنے دستِ مبارک سے اپنے عہد کی سب سے پہلی اور اسلام کی تیسری مسجد (خانۂ کعبہ اور بیت المقدس کے بعد) کی بنیاد ڈالی۔ حضرت جبرئیلؑ نے قبلہ (بیت اللہ) کا رُخ بتایا۔ تمام مسلمانوں نے جوش و خروش کے ساتھ اس کی تعمیر میں حصہ لیا، خود آپؐ بھی اپنی عادتِ شریفہ کے مطابق عام مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے اور پتھروں کو اُٹھانے اور ردّے جمانے میں ان کا ہاتھ بٹانے لگے، اس مقدس مسجد اور اس کے پاک نفس نمازیوں کی تعریف قرآن کریم میں جن الفاظ میں فرمائی گئی ہے وہ اگلے صفحہ پر دی گئی آیت لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى الآیہ سے معلوم کیجئے۔ اس مسجد کے تعلق

سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم ارشاد (من تطہرفی بیتہ واتی مسجد قباء ....: الخ) صفحہ ہذا پر درج ہے اس سے اس کی خصوصیت ظاہر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبلؓ کو اس مسجد کا امام مقرر فرمایا تھا، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ بھی امام رہے ہیں۔ آپؐ یہاں ہفتہ یا دوشنبہ کو پیادہ اور کبھی سواری پر تشریف لایا کرتے تھے، آپؐ کی وفات کے بعد حضراتِ صحابہؓ اس مسجد کی خصوصی فضیلت کے پیشِ نظر ہمیشہ بغرضِ صلوٰۃ و زیارت تشریف لاتے رہے (کیوں کہ درجہ اور فضیلت کے اعتبار سے خانۂ کعبہ، مسجد نبوی اور بیت المقدس کے بعد چوتھا مقام مسجدِ قبا کا ہے) چنانچہ حضرت عمرؓ کا معمول دوشنبہ اور پنجشنبہ کو آنے کا تھا، وہ آکر مسجد کی صفائی بھی کرتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے "اگر یہ مسجد کسی اور طرف بھی ہوتی تو ہم ضرور اس کے سفر میں اونٹوں کو ہلاک کرتے" مطلب یہ تھا کہ یہاں تک پہنچنے میں سفر کی تمام تر صعوبتوں کو گوارا کیا جاسکتا تھا مگر کسی حال میں اس کی زیارت ترک نہیں کی جاسکتی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے اس دور تک یہ مسجد تعمیر و ترمیم کے مختلف ادوار و مراحل سے گذری ہے۔ عبدالملک بن مروان، حضرت عمر بن عبدالعزیز اور جمال الدین اصفہانی وغیرہم کو اپنے اپنے زمانے میں اس کی تعمیر و توسیع کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ امتدادِ زمانہ کی وجہ سے یہ مسجد بوسیدہ ہو کر ایک دفعہ گر گئی بھی ہے جس کی تعمیر جمال الدین اصفہانی (موصل) نے ۵۵۵ھ میں کی تھی ۸۷۰ھ میں اس کا مینار گر گیا تھا جس کی تعمیر ۸۸۱ھ میں عمل میں آئی، آخری بار سلطان عبدالحمید اول نے اس کی عمارت از سرِ نو تعمیر کی ہے، مسجد کے صحن میں ایک قبہ اس مقام پر بنا ہوا ہے جہاں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ قرآنِ حکیم میں مسجدِ قبا کے بارے میں ارشاد ہوا ہے لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ۝ (درحقیقت وہ مسجد (قبا) جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے اس بات کا زیادہ حق رکھتی ہے کہ تم اس میں (عبادت کیلئے) کھڑے ہو، اس کے نمازی ایسے لوگ ہیں جنہیں پاکبازی و پاکیزگی پسند ہے اور اللہ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے)۔ اس مسجد کے سلسلہ میں حضورؐ کا فرمان ہے مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ وَأَتَى مَسْجِدَ قُبَاءَ فَصَلَّى فِيهِ رَكْعَتَيْنِ كَانَ كَأَجْرِ عُمْرَةٍ ـــ جو شخص اپنے گھر میں خوب اچھی طرح وضو کرے اور مسجد قبا میں آکر دو رکعت نماز پڑھے تو اسے ایک عمرہ کا ثواب ملے گا۔ ــــــ ●●

فلسطین، بیت المقدس، مسجد اقصیٰ

حقائق وواقعات کی روشنی میں

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی جگہ کو پوری زمین سے دو ہزار سال پہلے بنایا ہے اور اس کی بنیادیں ساتویں زمین کے اندر تک پہونچی ہوئی ہیں، یہ بیت اللہ یا مسجد حرام دنیا کا سب سے پہلا گھر بھی ہے اور سب سے پہلی مسجد بھی، جس کے بانی اوّل حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور بانی ثانی اور مجدد حضرت ابراہیم علیہ السّلام ——— مسجد حرام کے بعد دنیا کی دوسری مسجد، بیت المقدس میں واقع "مسجد اقصیٰ" ہے جس کے بانیِ اوّل بھی حضرت آدمؑ ہیں، البتہ حضرت سلیمانؑ کی حیثیت بانیِ ثانی اور مجدّد کی ہے، ایک حدیث کے بموجب مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ کی بنیاد کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے۔

فضیلت کے اعتبار سے اوّل درجہ مسجدِ حرام کو حاصل ہے، دوسرا درجہ مسجدِ نبویؐ کو تیسرا مسجدِ اقصیٰ اور چوتھا مسجدِ قبا کو ——— مسجدِ اقصیٰ مسلمانوں کا قبلۂ اوّل رہا ہے۔ اسی جگہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اور یہیں معراج کی شب میں آپؐ نے تمام انبیاء کرامؑ کی امامت فرمائی، یہ مسجد اور اس کی تمام جگہ انبیاءؑ کے لئے بطور عبادت گاہ رہی ہے، جہاں خدائے واحد کی عبادت اور پرستش کی جاتی رہی ہے۔

مسلمانوں کا قبلۂ اوّل بیت المقدس ۶۳۶ء میں خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھوں از روئے صلح فتح ہوا، فتح بیت المقدس کے بعد آپ نے وہاں دس روز قیام فرمایا تھا۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے سے لیکر ایک مختصر مدت کے علاوہ ۱۹۱۴ء تک فلسطین اور بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں رہا، آخر وقت میں یہ ترکوں کی حکومت میں شامل تھا۔ ۱۹۱۴ء کی پہلی عالمی جنگ میں ترکی کی شکست کے بعد شام، مصر، عراق، فلسطین اور عرب ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ برطانیہ کو فلسطین پر قبضہ حاصل ہوگیا، برطانیہ کے زیر سایہ فلسطین میں یہود کے قومی وطن کے قیام کی حمایت اور فلسطین میں یہودی مملکت کے قیام کی کوششیں ۳۰ برس تک جاری رہیں، یہ وشتم کو ایک نئی عرب

مملکت شرق اُردن میں شامل کیا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں امریکہ، روس اور برطانیہ کے طفیل فلسطین میں یہودی مملکت کے قیام کے ساتھ ساتھ عربوں اور یہودیوں کے مابین کشمکش تیز تر ہوگئی۔ ۱۹۴۸ء میں پہلی عرب، یہود جنگ ۱۹۵۶ء میں دوسری اور ۱۹۶۷ء میں تیسری عرب، یہود معرکہ آرائی ہوئی۔ ۱۹۶۷ء میں یہودیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا، اس طرح ۱۹۶۷ء سے مسلمانوں کا قبلۂ اول ان کی تحویل سے نکل کر دوسروں کی تحویل میں چلا گیا۔

یہودیوں کا ادّعا ہے کہ فلسطین ہمارا ملک ہے۔ "جیوئش انسائیکلوپیڈیا" میں لفظ "صیہونیت" کے ذیل میں لکھا ہے کہ: "یہودی قوم، بیت المقدس کو یہودی سلطنت کا دارالخلافہ بنانا اور مسجدِ اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتی ہے۔" اسی طرح مشہور یہودی لیڈر سر الفرڈ مونڈ کہتا ہے کہ "ہیکل سلیمانی کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کی مبارک گھڑی آچکی ہے اور میری باقی ماندہ زندگی کا مقصد یہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمانی قائم کر دی جائے۔ ایک دوسرے یہودی لیڈر زین نے اعلان کیا تھا۔ "عربوں کو چاہیئے کہ فلسطین میں اپنے خیمے گرادیں اور اسی صحرا میں لوٹ جائیں جہاں سے وہ آئے تھے۔" یہود کا یہ بھی کہنا ہے کہ "صخرہ پر جو مسجدِ عمر ہے وہ وہاں نہیں رہنی چاہیئے، کیوں کہ صخرہ کے مالک مسلمان نہیں یہودی ہیں۔"

فلسطین کے تمام مفاسِد کا سرچشمہ دراصل مسٹر بالفور کا وہ اعلان ہے جس میں یہودیوں سے وعدہ کیا گیا تھا کہ فلسطین کو ان کا قومی وطن بنایا جائے گا، یہ اعلان ۲ رنومبر ۱۹۱۷ء کو کیا گیا تھا۔ برطانیہ نے اس اعلان کی بھرپور حمایت اور پشت پناہی کی، جس کے نتیجہ میں فلسطین میں یہودی تیزی کے ساتھ آ آکر بستے رہے اور عربوں کے لئے وہاں عرصۂ حیات تنگ ہوتا چلا گیا۔

صیہونی تحریک جو انیسویں صدی کے آخر میں شروع ہوئی اس کا مقصد صرف فلسطین کو اپنا وطن بنانا نہیں ہے بلکہ دریائے نیل سے فرات تک اور شمالی حجاز (جس میں مدینہ بھی شامل ہے) سے لے کر شام کی انتہائی شمالی سرحدوں تک کا پورا علاقہ عرب مسلمانوں سے چھین کر عظیم اسرائیل اسٹیٹ بنانا ہے، یہودیوں کا یہ منصوبہ اسرائیلی پارلیمنٹ کی دیواروں پر نقش ہے۔

یہودیوں کا یہ منصوبہ اور ۱۹۶۷ء کی جنگ میں بیت المقدس اور دوسرے مقدس مقامات پر قبضہ کر لینے کے بعد عملاً انہوں نے جن ناپاک عزائم کا اظہار کیا ہے وہ پورے عالمِ

اسلام کے لئے زبردست چیلنج ہے۔ مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی، آثارِ مطہرہ کی تباہی، اسلامی مآثر اور نشانات کی بربادی اور مسلم ملکوں کی مختلف جہتوں پر یہودیوں کا غاصبانہ قبضہ، ایسے معاملات نہیں کہ کوئی بھی مسلمان سکون و اطمینان آرام و عافیت کے ساتھ خاموش بیٹھ سکے۔ مسلمانانِ عالم کو عموماً اور عربوں کو خصوصاً اس نازک موقعہ پر اپنی ذمہ داریاں محسوس کرنی چاہئے وگرنہ انہیں تاریخ کے اندھیرے دور میں گم ہو جانا پڑے گا۔

قابلِ اطمینان و مسرت کی بات یہ ہے کہ پچھلے دنوں سعودی عرب نے بیت المقدس کی بازیابی اور فلسطین کے مسلمانوں کے حقوق کی بحالی کے سلسلہ میں اسرائیل اور صیہونی طاقتوں کے خلاف اعلانِ جہاد کیا ہے اور تمام مسلم ممالک نے اس کی تائید بھی کی ہے اور اس تعلق سے عملی اقدامات کی وضاحت دسمبر ۱۹۸۰ء کے مکہ مکرمہ میں اسلامی ممالک کے نمائندہ اجلاس میں کی جائے گی۔ خدا کرے یہ اجلاس اپنی اہمیت اور مقاصد میں کامیابی سے ہمکنار ہو۔ مگر اس کی کامیابی کا راز، ظاہری اسباب و علل اور وسائل کی فراہمی کے ساتھ ساتھ خدا پر کامل بھروسہ، اسلامی معاشرت، معیشت اور سیاست کو اپنانا، اجتماعی مفادات کو ذاتی مفادات پر ترجیح دینا اور رنگ و نسل کے بتوں اور تفرقے کی تمام بنیادوں کو ڈھا کر آپس میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے میں ہی ہے۔

شاہ فیصل شہیدؒ کی وہ آرزو کہ بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہو کر مسجدِ اقصیٰ میں نماز ادا کروں، یہ آرزو خدا کرے ہر دلِ مسلم کی آرزو بن جائے۔ آمین۔

نِعمَ المولیٰ ونِعمَ النَّصِیرُ، وَھُوَ عَلیٰ کُلِّ شَیٍٔ قَدِیرٌ۔

(تحریر ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء)

مکہ مسجد اور اس کی تعمیر کا تاریخی پس منظر

شہر حیدرآباد اور سابق علاقۂ دکن کے دامن سے بہت ساری تاریخی یادگاریں وابستہ ہیں، یہاں قطب شاہی دَور اور سلطنتِ آصفیہ کے عہد کی مذہبی اور غیر مذہبی عمارتیں بطور "آثارِ قدیمہ" اب بھی کافی تعداد میں موجود ہیں اور اپنے جمال و جلال، عظمت و تقدس، شکوہ و وقار اور فنِ تعمیر کی یکتائی اور امتیاز و اختصاص کے اعتبار سے ایک سیاح کو دعوتِ نظارہ دیتی ہیں۔ چارمینار (تعمیر ۱۵۹۱ء) سے متصل جانبِ جنوب واقع مکہ مسجد بھی انہی میں سے ایک ہے۔

تاریخ کے جھروکے سے مکہ مسجد کو جھانک کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ بانی شہر سلطان قلی قطب شاہ نے اپنے دَور میں اپنے شہر کو مختلف جہتوں اور سمتوں سے مشہور و ممتاز کرنے کی سعیِ پیہم اور جہدِ مسلسل کی ہے، چارمینار، دولت خانہ عالی، دارالشفاء اور دیگر رفیع الشان اور بلند عمارتوں کا وجود اور سیکڑوں نفیس و پاکیزہ حمام، مدرسوں اور خانقاہوں کی تعمیر اس کے اسی جذبے اور ذہن و فکر کا آئینہ دار ہے اس نے اپنے عہد میں اپنے محبوب شہر میں ۱۰۰۶ھ میں ایک جامع مسجد بھی چارمینار کے جانب شمال میں تعمیر کرائی لیکن اس کے پُرشکوہ پائے تخت میں شایانِ شان کوئی مسجد نہیں تھی۔

سلطان قلی قطب شاہ کے بعد جب سلطان محمد قطب شاہ کا دَور آیا تو اس نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا، اس نے اس تاریخی شہر کے شایانِ شان ایک عظیم تاریخی مسجد کی تعمیر کا عزم محکم کرلیا۔

ہجری کے لحاظ سے ۱۰۲۳ھ کا ہے اور عیسوی کے لحاظ سے ۱۶۱۴ء کا۔ (بعض مؤرخین نے ۱۶۱۳ء، ۱۶۱۸ء لکھا ہے) سلطان محمد قطب شاہ کی طرف سے شہر میں مسلسل یہ منادی کرائی جارہی ہے کہ فلاں دن، فلاں تاریخ، فلاں وقت شہر کے وسط میں چارمینار سے متصل جانبِ جنوب ایک عظیم الشان مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا جائے گا۔ اس منادی میں اِس اہم اور چونکا دینے والے جز کا بھی اضافہ ہے کہ:

"اس مسجد کا سنگِ بنیاد وہی شخص رکھے گا جس کی کوئی نماز ۱۲ سال کی عمر سے قضا نہ ہوئی ہو"

مقررہ تاریخ آگئی۔ وقت دس بجے دن کا مقرر ہوا تھا، لوگوں کا ہجوم تو بس دیدنی تھا، پروانہ وار آرہے

تھے، ہر طرف ریل پیل ہو رہی تھی۔ عظیم مسجد کے سنگِ بنیاد کی تقریب میں شرکت کا شوق بھی تھا اور بادشاہ وقت کو دیکھنے کی چھپی ہوئی خواہش بھی، ہاتھیوں کا جھنڈ بھی ہے جس پر خاصانِ دربار اور فوجی زرق ورق اور رنگ برنگ کے لباس زیبِ تن کئے اور نوع بنوع ہتھیار سے مسلح چلے آرہے ہیں، آخر میں ایک خاص شان کے ساتھ شاہ کی سواری بادِ بہاری آتی ہے، ہر طرف سناٹا چھا گیا، ہجومِ عاشقاں شاہ کے چہرے پر نظر جمائے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا ہے۔ اتنے میں شاہی نقیب کی یہ آواز فضا میں بلند ہوتی ہے:-

"اعلیٰ حضرت سلطان محمد قطب شاہ خلد اللہ ملکہٗ فرماتے ہیں کہ شرفاء اور نجبائے شہر میں سے جو یہاں جمع ہیں، ۱۲ سال کی عمر سے اَب تک جس نے ایک وقت کی بھی نماز قضا نہ کی ہو، براہِ مہربانی وہ آگے بڑھے اور خانۂ خدا کا سنگِ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھے"۔ سنگِ بنیاد رکھنے کی یہ شرط کڑی بھی تھی اور انوکھی بھی۔ پورے مجمع پر سکوت طاری ہے۔ پیر و جوان اپنا اپنا جائزہ لے رہے ہیں، شاہی نقیب کی آواز نے ہر ایک کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیا تھا، لوگ شرمسار بھی ہیں اور انہیں اس کا انتظار بھی ہے کہ دیکھیں یہ "رتبۂ بلند" کس کو حاصل ہوتا ہے اور سنگِ بنیاد رکھنے کی سعادت کس کے نصیب میں آتی ہے، اسی دَوران میں ایک شخص آگے بڑھتا ہے وہ شرعی قسم کھا کر کہتا ہے:-

"بارہ سال کی عمر سے اَب تک کوئی نماز قضا نہیں ہوئی البتہ ایک روز فجر کی نماز میں دوسری رکعت پڑھ رہا تھا کہ آفتاب طلوع ہو گیا"۔ یہ شخص یقیناً سعید تھا لیکن شاہ کی شرط پر پورا نہیں اترا۔ اس کے بعد ایک دوسرا شخص سامنے آتا ہے، بہ قسمِ شرعی عرض کر رہا ہے "بارہ سال کی عمر سے اَب تک میری کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، البتہ ایک دفعہ فجر کی نماز اگرچہ وقت پر پڑھی تھی لیکن طلوعِ آفتاب کا وقت قریب ہو گیا تھا اس لئے رفعِ شُبہ کے لئے اعادہ کیا تھا"۔ اس دوسرے شخص کی صالحیت اور نیک بختی کا کیا کہنا لیکن "شُبہ" کے لفظ نے اس کے بیان کو مشتبہ بنا دیا۔ اَب بھی ایک ایسے مردِ مؤمن کی ضرورت تھی جو یقینِ کامل کے ساتھ کہہ سکے کہ "بارہ سال کے بعد سے اَب تک کوئی نماز قضا نہیں ہوئی"۔

پھر سکوت کا عالَم ——— اور جب سکوت ٹوٹا تو ایک دلنواز صدائے مؤمنانہ فضا میں گونجی جو سلطان محمد قطب شاہ کی تھی:- "اس خدائے یگانہ و بزرگ کی قوت و دبدبہ کی قسم جس کے گھر کی بنیاد ڈال رہا ہوں میری بارہ سال کی عُمر سے اس وقت تک پنج وقتہ نماز کسی وقت قضا نہیں ہوئی ہے اور اسی طرح بفضلِ خدا میری تہجد کی نماز بھی کبھی قضا نہیں ہوئی"۔

سلطان محمد قطب نے آگے بڑھ کر بنیاد کا پتھرا پنے سر پر اٹھالیا اور اپنے ہاتھوں سے مسجد کی بنیاد رکھ کر تعمیر کا آغاز کرتا ہے اور وہ دونوں قسم کھانے والے سعادت مند زروجواہر سے بھری ہوئی کشتیاں انعام میں حاصل کر کے مجمع میں شریک ہوتے نظر آتے ہیں۔

دل کے حال کو خدا پر چھوڑیئے اور یہ دل میں خیال نہ لائیے کہ سلطان نے اپنی نماز کی نمائش کی، توقع یہی رکھئے کہ نام ونمود سے اس کا دِل پاک رہا ہوگا۔ خدا کے گھر کا سنگِ بنیاد نماز کا ایسا پابند مومن رکھے، اس کے دل میں یہ جذبہ رہا ہوگا اسی لئے تو اس نے خود آگے بڑھنے سے پہلے دوسروں کو موقع دیا پھر آخر میں اپنی مقررہ شرط کے مطابق آگے بڑھا، اس کے بیان نے یقیناً اس کے رعایا پر خوشگوار اثرات مرتب کئے ہوں گے، بادشاہ کا قول وعمل زیرِ سلطنت افراد کے لئے یقیناً دلیل وحجت کا کام کرتا ہے اور بادشاہ کا نماز میں مستعدی دکھانا اور تہجد تک کا پابند ہونا خدا ترس لوگوں کے لئے یقیناً اس میں موعظت ونصیحت کا بڑا سامان ہے اور اس موقع پر یہی پہلو قابلِ توجہ ہے۔

سلطان محمد قطب شاہ نے اپنے عہد میں تقریباً بیس ہزار ہُن (دکنی طلائی سکہ، ایک سکہ پونے چار روپئے کے قریب) اس مسجد کی تعمیر میں صرف کئے، بعد ازاں سلطان عبد اللہ قطب شاہ اور سلطان ابوالحسن تاناشاہ کے عہد میں بھی اس کی تعمیر جاری رہی۔ جب اورنگ زیب عالمگیرؒ کا دَور آیا تو انہوں نے اس کے تعمیری سِلسلہ کو مکمل فرمایا۔ اس طرح یہ مسجد جس کے تعمیری کام کا آغاز ایک ولی بادشاہ کے عہد ۱۶۱۴ء میں ہوا تھا، ۷۹ سال کے عرصہ میں چار سلاطین کے اہتمام سے دوسرے ولی بادشاہ کے دور ۱۶۹۳ء میں اختتام کو پہنچا۔ شروع میں اس مسجد کا نام "مسجدِ بیت العتیق"، رکھا گیا تھا لیکن اورنگ زیبؒ نے اسے بدل کر "مکہ مسجد" رکھا۔

مکہ مسجد کا طول (۲۲۵) فٹ، عرض (۱۸۰) فٹ اور بلندی مع کلس (۱۴۷) فٹ اور صرف مسجد کی بلندی (۷۵) فٹ ہے۔ اس طرح کلس کی بلندی (۷۲) فٹ ہوتی ہے۔ احاطہ (۳۰۰) مربع فٹ ہے۔ تعمیر پر مکمل خرچ ۸ لاکھ کا ہوا ہے۔ اس مسجد میں دس ہزار آدمی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد کے صحن میں چار بڑے تخت ہیں، ان میں دو سنگِ مرمر کے اور دو سیاہ پتھر کے ہیں۔ آخر الذکر کے بارے میں یہ روایت بہت مشہور ہے کہ کوئی سیاح یا زائر اِن دو

تختوں میں سے کسی ایک پر بیٹھے گا تو وہ دوبارہ شہر حیدر آباد ضرور آئے گا (واللہ اعلم) اسی مسجد میں جنوبی سمت میں آصف جاہی بادشاہوں کے مقبرے بنے ہوئے ہیں جس سے اگرچہ مسجد کی حیثیت متاثر ہوتی ہے اور اس کی خوبصورتی ماند پڑتی ہے لیکن یہ مقبرے دنیا کی بے ثباتی کا وعظ سنا رہے ہیں اور اس حقیقت کا اعلان کر رہے ہیں کہ دنیا کی ہر بادشاہت کو زوال ہے مگر خدائے لم یزل ہی کی بادشاہت اور سلطنت کو بقا و دوام حاصل ہے۔

یہ مکہ مسجد جب تک رہے گی اس کے بلند مینارے بنجارہ ہلز، ریڈ ہلز، کنگ کوٹھی، حیدر گوڑہ، خیریت آباد، مہدی پٹنم، حمایت نگر، اعظم پورہ، آغا پورہ اور اس طرح دیگر اہلِ ثروت کے محلوں کے مُسلم مکینوں سے خواہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں، اور آج بڑی کوٹھی، حسین کار، خدم و حشم اور جاہ و اقتدار کے مالک ہیں اور جو ان چیزوں سے محروم ہیں، ان سب سے یہ پوچھتے رہیں گے کہ ہمارے مؤسس محمد قطب شاہ عظیم فرمانروا ہوتے ہوئے اور بے پناہ مصروفیت رکھتے ہوئے سنتِ سلیمانیؑ اور یوسفیؑ پر عمل پیرا رہے اور پنج وقتہ نماز ادا کیا، تہجد تک نہیں چھوڑا، بتاؤ تمہارا کیا حال ہے؟ کہیں خدا کے سامنے جھکنے سے تمہاری گردن تو اکڑی ہوئی نہیں ہے؟ ہمیں نہیں معلوم کہ ان بلند میناروں کے اس چبھتے ہوئے سوال کا کس کے پاس کیا جواب ہے؟

بسم الله الرحمن الرحیم
ولله علی الناس حج البیت
من استطاع الیه سبیلا
صدق الله العظیم

احکام و مسائل

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [النحل : ۴۳]

سو اگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ دیکھو،

العلم خزائن، ومفاتیحہا السوال. الا فاسئلوا فانہ یوجر فیہ اربعۃ، السائل والعالم والمستمع والمحب لہم

[احیاء العلوم]

علم خزانہ ہے، پوچھنا اور سوال کرنا اسکی کنجی ہے، اس لئے تم لوگ پوچھا کرو کہ اس میں چار قسم کے لوگ اجر سے نوازے جاتے ہیں۔

- پوچھنے والا
- جاننے والا
- سننے والا
- اور ان تمام لوگوں سے محبت کرنے والا،

ذیل میں ماہ صفر کے تعلق سے دو سوال اور ان کے جواب نقل کئے جا رہے ہیں، پہلا سوال و جواب گجرات کے مشہور و مستند عالمِ دین مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری مدظلہٗ کے مجموعہ فتاویٰ سے ماخوذ ہے اور دوسرا بریلوی مکتبۂ فکر کے جلیل القدر بزرگ مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم کی کتاب "احکام شریعت" سے منقول ہے۔

سوال: عورتوں کا خیال اور اعتقاد ہے کہ صفر کا مہینہ اور خصوصاً ابتدائی ۱۳ دن منحوس اور نامبارک ہیں، ان دنوں میں نہ پیغامِ شادی دینا چاہیئے نہ عقدِ نکاح اور سفر کرنا چاہیئے ورنہ نقصان ہوگا، کیا یہ عقیدہ درست ہے؟

جواب: مذکورہ خیالات اور عقائد اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں، زمانۂ جاہلیت میں لوگ ماہِ صفر کو منحوس سمجھتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خیالات کی سخت الفاظ (لا صفر) میں تردید فرمائی ہے۔ فی الحقیقت وقت، دن، مہینہ یا تاریخ منحوس نہیں ہوتے، نحوست بندوں کے اعمال و افعال پر منحصر ہے، جس وقت کو بندوں نے عبادت میں مشغول رکھا وہ وقت ان کے حق میں مبارک ہوتا ہے اور جس وقت کو گناہ کے کاموں میں صرف کیا وہ ان کے لئے منحوس ہے۔ ——— ماہِ صفر اور اس کے ابتدائی تیرہ دنوں کو منحوس سمجھ کر شادی، منگنی، سفر وغیرہ کے کاموں سے رک جانا سخت گناہ کا کام ہے، اس طرح کے بُرے اعمال اور غیر اسلامی عقائد کو ترک کرنا اور ان سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ جلد اول صفحہ ۱۱۷، ۱۱۸)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ صفر کے آخری چہار شنبہ کے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ اس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض سے صحت پائی تھی، بنابریں اس روز کھانا اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور جنگل کی سیر کو جاتے

ہیں، لہٰذا اصل اس کی شرع میں ثابت ہے کہ نہیں؟

جوابؑ: آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت یابی کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرضِ اقدس جس میں وفاتِ مبارک ہوئی اس کی ابتدا اسی دن سے بتلائی جاتی ہے ــــــــ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ــــــــ (احکامِ شریعت ج ۲ ص ۵)

سوال ــــــــ علم کی کنجی

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"علم وہ خزانہ ہے جس کی کنجیاں سوال ہے۔ سوال کرو کہ اس میں چار شخصوں کو ثواب ملتا ہے، اوّل مسئلہ دریافت کرنے والے کو، دوم مسئلہ بتانے والے عالِم کو، سوم سننے والے کو، چہارم اس کو جو اِن سے محبت رکھتا ہو۔" (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۶)

قضا نمازیں کیسے ادا کریں؟

نماز دین کے پانچ ارکان میں سے ہے اور اس کی پانچ وقت ادائیگی ضروری ہے، اس کا چھوڑنا کفر کو دعوت دینا ہے اور یہ بلوغت کے بعد سے مرتے دم تک معاف نہیں ہے، بیمار کیلئے بیٹھ کر، لیٹ کر اور اشارے سے یا بیماری کی شدت ہونے کے سبب بعد میں قضا لازمی ہے۔

آج کے دور میں دین کی طرف سے جو بے توجہی کی جارہی ہے اس میں سرِفہرست نماز ہے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ صرف جمعہ فرض سمجھتے ہیں، بعض دن میں ایک دو نمازیں پڑھ لیتے ہیں اور باقی کو چھوڑ دیتے ہیں، بہانہ ہوتا ہے کہ آفس میں، کاروبار میں وقت نہیں ملتا، جگہ نہیں ہے، کپڑوں کی کریز خراب ہو جاتی ہے وغیرہ، اس لئے کبھی کوئی نماز پڑھ لی باقی اللہ معاف کرنیوالا ہے، بیشک اللہ جسے چاہے معاف فرمادے، لیکن اس کے فرض کو جان بوجھ کر چھوڑ دینا اور اس کی رحمت کا طلبگار ہونا دو مختلف چیزیں ہیں۔

یہ مشاہدہ ہے کہ عمر کے کسی نہ کسی حصہ میں انسان کو خیال آہی جاتا ہے اور وہ نماز کا پابند ہو جاتا ہے لیکن کبھی آپ نے سوچا کہ ان چھوڑی ہوئی نمازوں کا کیا ہوگا؟ اب نماز کی پابندی سے پرانی نمازیں معاف تو نہیں ہو گئیں وہ تو جوں کی توں فرض رہیں، ان کی ادائیگی کیسے ہو؟

اس لئے آپ کو باقاعدہ پروگرام بنانا ہوگا:۔

قضا نمازوں کا حساب

فرض کیجئے آپ تیس سال کی عمر سے پابندی سے نماز پڑھ رہے ہیں۔ ۱۶ سال کی عمر میں بالغ ہوئے، فجر اور عصر پابندی سے پڑھتے رہے ہیں، رمضان میں کوئی نماز نہیں چھوڑتے تھے، جمعہ پڑھ لیتے تھے۔

لہذا حساب اس طرح ہوگا:

ایک سال کی کل نمازیں:

فجر	ظہر	عصر
۳۶۵	۳۶۵	۳۶۵

مغرب	عشاء
۳۶۵	۳۶۵

نمازیں پڑھ لیں ۳۶۵ - ۳۶۵

رمضان میں پڑھ لیں:

(۳۰) (۳۰) (۳۰)

جمعہ کی نماز ۴۸ ہفتے سال (۴۸)

(رمضان کے چھ ہفتے علیحدہ ہیں)

سال میں کچھ نمازیں پڑھیں (تقریباً)

۵۰	۴۰	۶۰
۲۳۷	۱۹۵	۲۷۵

۱۶ سال سے تیس سال تک۔

۱۶ سال کے عرصہ کی قضا نمازوں کی تعداد:

۴۷۲۰ × ۲۷۹۲   ۶۶۰۰

ان کی رکعات کی تعداد ۱۴۱۹۰×۱۵۱۶۸ ۲۰۸۰۰ کل رکعات ۶۰۱۲۸

دیکھا آپ نے ذرا سی سستی کی وجہ سے آپ پر کتنا بڑا بوجھ ہوگیا۔ واضح رہے کہ قضا صرف فرض اور واجب کی ہوتی ہے۔ لہٰذا قضا رکعات کی ادائیگی اس طرح ہوگی:۔

فجر	ظہر	عصر	مغرب	عشاء	وتر
۲ فرض	۴ فرض	۴ فرض	۳ فرض	۴ فرض	۳ واجب

قضا نمازوں کی ادائیگی:۔ بظاہر اتنی تعداد میں ادائیگی خاصا مشکل نظر آتا ہے لیکن اگر آپ اللہ پر بھروسہ کرکے ان کی ادائیگی شروع کردیں تو منزل بہت مشکل نہیں ہوتی۔

کوئی سی ڈائری یا کاپی لے کر اس پر جتنی تعداد میں نماز قضا ہیں وہ لکھ لیں پھر اس کے نیچے تاریخ کے ساتھ لکھتے جائیں کہ آج آپ نے کتنی قضا نمازیں پڑھ لی ہیں، ایک ماہ بعد حساب کرلیں اور آئندہ ماہ کا بجٹ بنالیں، بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ سنّتِ غیر مؤکدہ اور نوافل کے بدلے قضا نمازیں پڑھ لیں۔ رمضان میں تہجد، شبینہ اور طاق راتوں کی دیگر عبادات کے بدلے قضا ادا فرمائیں کیوں کہ فرض کو تمام چیزوں پر فوقیت ہے۔ اس کے علاوہ ہر نماز کے ساتھ ایک فرض قضا اسی وقت کی ادا کریں۔ فجر کی سنتوں، فجر اور عصر کے فرض کے بعد نوافل کی اجازت نہیں ہے لیکن قضا نمازوں کی ادائیگی کی اجازت ہے اس طرح کہ لوگ شبہ میں نہ پڑیں کہ آپ نفل پڑھ رہے ہیں، صرف ممنوع اوقات میں نمازِ قضا نہ پڑھیں جو یہ ہیں: طلوعِ آفتاب، نصف النہار، اور زوال۔

خانۂ کعبہ اور مسجدِ نبویؐ میں ایک عبادت کا ثواب گرچہ بالترتیب ایک لاکھ اور پچاس ہزار گنا ملتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک نماز تمام وقتوں کی قضا نماز کی نیت سے پڑھ لیں تو تمام زندگی کی قضا نمازیں معاف ہوجاتی ہیں۔ یہ صریح غلط فہمی ہے فرض ادا کئے بغیر معاف نہیں ہوگا۔

یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ آپ کی قضا نماز کے لحاظ سے یہ کوئی گارنٹی نہیں کہ آپ بیس۲۰ سال ہی جی لیں گے، ہوسکتا ہے یہ مدت چالیس سال ہوجائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ۲ سال ہی میں بلاوا آجائے، ارادہ آپ نے کرلیا ہے، عمل شروع کردیا ہے، اب عمر کی وجہ سے کچھ نمازیں رہ جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ یقیناً غفور و رحیم ہے۔

مساجد کے آداب

علماء نے آدابِ مساجد میں پندرہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ جس نے یہ کام کرلیا اس نے مسجد کا حق ادا کر دیا اور مسجد امان کی جگہ بن گئی :۔

(۱) مسجد میں پہنچنے پر اگر کچھ لوگوں کو بیٹھا دیکھے تو ان کو سلام کرے اور کوئی نہ ہو تو اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ کہے (لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ مسجد کے حاضرین نفلی نماز، تلاوت وتسبیح وغیرہ میں مشغول نہ ہوں، ورنہ ان کو سلام کرنا درست نہیں، البتہ کسی سے نظر مل جائے تو اشارہ سے سلام کیا جاسکتا ہے۔)

(۲) مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے (یہ بھی جب ہے کہ اس وقت نماز پڑھنا مکروہ نہ ہو، مثلاً عین آفتاب کے طلوع یا غروب یا استوا رنصف النہار کا وقت نہ ہو) (۳) مسجد میں خرید فروخت نہ کرے (۴) وہاں تیر و تلوار نہ نکالے (۵) مسجد میں اپنی گم شدہ چیز تلاش کرنیکا اعلان نہ کرے (۶) مسجد میں آواز بلند نہ کرے (یہاں تک کہ اگر کوئی نمازی نماز پڑھ رہا ہے تو بلند آواز سے قرآن پڑھنا یا ذکر و دعا کرنا منع ہے) (۷) دنیا کی باتیں نہ کرے (البتہ اگر دین و ملت کا کوئی معاملہ ہو تو مسجد میں بیٹھ کر مشورہ کرسکتے ہیں۔) (۸) مسجد میں بیٹھنے کی جگہ پر کسی سے جھگڑا نہ کرے۔ (۹) جہاں صف میں پوری جگہ نہ ہو وہاں گھس کر لوگوں پر تنگی نہ کرے، البتہ آگے جگہ خالی ہو اور آسانی سے جاسکتا ہو تو اس کی اجازت ہے۔ (۱۰) کسی نماز پڑھنے والے کے آگے سے نہ گذرے کیوں کہ نمازی کے آگے سے گذرنے پر سخت وعید آئی ہے۔ البتہ اگر بڑی مسجد ہو تو سجدہ کی جگہ چھوڑ کر آگے سے گذر سکتا ہے لیکن چھوٹی مسجد میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ (بڑی مسجد وہ ہے جس کی لمبائی چوڑائی چالیس ہاتھ ہو اور جس کی لمبائی چوڑائی اس سے کم ہو وہ چھوٹی مسجد ہے) (۱۱) مسجد میں تھوکنے اور ناک صاف کرنے وغیرہ سے پرہیز کرے۔

(۱۲) اپنی انگلیاں نہ چٹخائے۔ (۱۳) اپنے بدن کے کسی حصّے سے کھیل نہ کرے، مسجد میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کی دُعا کا اہتمام کرے۔ (۱۴) نجاست سے پاک صاف رہے اور کسی چھوٹے بچّے یا مجنوں کو ساتھ نہ لے جائے کہ اس صورت میں مسجد کے گندگی میں ملوث ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۱۵) کثرت سے ذکر اللہ میں مشغول رہے۔

انتہائے وقت سحر کا مسئلہ

نماز، افطار اور سحر کے جو اوقات[1] درج ہیں وہ بہ حساب شمسی شہر حیدرآباد اور اس کے اطراف کے لئے ہیں اس کے لئے انڈین اسٹینڈرڈ ٹائم کے اعتبار سے گھڑی درست رکھنا ضروری ہے۔

وقت فجر کی انتہا طلوعِ آفتاب سے ۵ منٹ پہلے اور وقت مغرب و افطار کی ابتدا غروبِ آفتاب سے ۵ منٹ بعد احتیاطاً قرار دی گئی ہے (معیار الاوقات للقیام والصلوات ص ۲۸)۔

ابتدائے وقت فجر ہی انتہائے وقت سحر ہے مگر محنت اور تحقیق سے لکھی ہوئی کتاب "معیار الاوقات للصیام والصلوات" (شائع کردہ محکمۂ صدارت العالیہ) کے فاضل مصنف نے ان دونوں کے درمیان جو ۲۲ منٹ کا فرق رکھا ہے اس کی وضاحت ان کی درج ذیل عبارت سے ہوتی ہے:

"سحری کا انتہائی وقت احتیاطاً ابتدائے صبح کاذب سے دس منٹ پہلے قرار دیا گیا ہے۔ ابتدائے نماز فجر کا وقت طلوعِ صبح (کاذب) سے ۱۲ منٹ بعد قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ طلوعِ صبحِ کاذب اور طلوعِ صبحِ صادق میں تین درجوں کا فرق ہوتا ہے (ص ۲۵)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ انتہائے وقتِ سحر اور ابتدائے وقتِ فجر میں ۲۲ منٹ کا فرق رکھ کر حد درجہ احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہے تاکہ سہل پسند طبیعتیں آخر وقت میں بیدار ہونے کو اپنا معمول بنا کر روزے کو ضائع نہ کریں۔ بنابریں مرتب کے خیال میں عام حالات میں مندرجہ انتہائے وقت سحر کا خیال رکھا جائے لیکن کبھی تاخیر سے بیداری عمل میں آئے تو مندرجہ انتہائے وقتِ سحر کے بعد سے طلوع صبح کاذب تک جو درمیانی دس منٹ کا وقفہ ہے اس میں سحری کی جاسکتی ہے۔ البتہ اس کے بعد طلوعِ صبح کاذب اور ابتدائے وقتِ نمازِ فجر میں جو ۱۲ منٹ کا درمیانی وقفہ ہے اس میں سحری نہ کی جائے کہ اس سے روزہ کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

یہ صحیح ہے کہ سحر آخر وقت میں کرنا مستحب ہے جس کا وقت رات کے اخیر والے چھٹے حصّے سے شروع ہوتا ہے مگر ایسے آخر وقت میں کہ جس میں شک پڑجائے مکروہ ہے اور فقہاء نے منع

---

[1] : حیدرآباد کے کیلنڈر میں

کیا ہے۔ (دیکھئے فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص: ۲۰۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ فجر کی اولِ وقت اذان سے اتنی دیر پہلے (بنظرِ استحباب) سحری سے فراغت حاصل فرمالیتے کہ ان دونوں کے درمیان پچاس آیتوں کی تلاوت کی جاسکتی بخاری ج ۱ ص ۲۵۷ میں ہے کہ:

"حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کی، اس کے بعد نماز فجر کے لئے کھڑے ہوگئے، میں نے (حضرت انسؓ) پوچھا کہ اذان اور سحری کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ تو انہوں نے (حضرت زیدؓ) جواب دیا پچاس آیتوں کے پڑھنے کے وقت کے برابر۔"

گھڑی گھنٹہ سے الگ ہٹ کر سحر اور افطار کی صحیح علامت یہ ہے کہ جب رات کے آخری حصے میں افق کے مشرقی کنارے پر سفیدۂ صبح کی باریک سی دھاری نمودار ہو کر اُوپر بڑھنے لگے تو سحر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور جب دن کے آخری حصّے میں مشرق کی جانب سے رات کی سیاہی بلند ہوتی نظر آئے تو افطار کا وقت آجاتا ہے۔

عقیقہ کے احکام

(۱) ہمارے یہاں تو شادی بیاہ کی طرح عقیقہ بھی ایک رسم کا نام ہوگیا ہے، مگر اس میں عقیقہ "عق" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں پھاڑنا، پیدائش کے وقت بچہ کے سر پر جو بال ہوتے ہیں وہ سب سے پہلے پھاڑ کر نکلتے ہیں۔ اس مناسبت سے اس بال کو عقیقہ کہتے ہیں اور یہ معنی چونکہ اس جانور میں بھی پائے جاتے ہیں جسے اس تقریب میں ذبح کرتے ہیں اس طرح کہ اس پر بھی قطع و بُرید کا عمل ہوتا ہے اس لئے عقیقہ کا عمل اس جانور پر بھی ہوتا ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تک بچہ کا عقیقہ نہ ہو وہ گویا رہن ہے، یعنی بچہ اَلا بَلا اور شیطانی آفتوں سے جب ہی محفوظ ہوگا، نیکی اور سعادت کے راستہ پر اس کا نشوونما اور اس کی بڑھوتری جب ہی درست ہوگی اور ماں باپ کو اس سے دین و دنیا کا پورا پورا فائدہ جب ہی پہنچ سکے گا جب اس کا عقیقہ کرا دیا جائے۔

(۳) عقیقہ کے جانور، اس کے گوشت اور کھال کے وہی احکام ہیں جو قربانی کے ہیں، جگہ کی تنگی کی وجہ سے تفصیلات کی گنجائش نہیں۔

(۴) لڑکے کا عقیقہ ہو تو دو بکرے ذبح کئے جائیں۔ بکرے کے قبیل کے جو دوسرے جانور (مثلاً بھیڑ، دنبہ وغیرہ) ہوں وہ بھی دو۔ اور لڑکی کے عقیقہ میں ایک۔ لڑکے کیلئے اگر دو کی گنجائش نہیں ہے تو ایک ہی کافی ہے۔ نیز لڑکے کے عقیقہ میں نر بہتر ہے لیکن اگر نر نہ ہو تو بھی کوئی خرابی یا نقص نہیں ہے۔

(۵) عقیقہ کیلئے الگ جانور ذبح کیا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ بڑے جانور (بھینس گائے وغیرہ) کی قربانی میں لڑکے کیلئے دو اور لڑکی کیلئے ایک حصہ لے لیا جائے۔

(۶) عقیقہ کا گوشت کچا بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے اور پکا کر بھی اور یہ بھی درست ہے کہ دعوت کرکے کھلا دیں، لیکن دعوت میں شان و شوکت اور نام و نمود کا اظہار نہ ہو، عقیقہ کا گوشت ماں باپ دادا، دادی، نانا، نانی سب کھا سکتے ہیں۔

(۷) عقیقہ ساتویں دن ہونا چاہئے اگر ساتویں دن نہ کرسکے تو چودھویں یا اکیسویں دن کرے۔ البتہ اگر بعد میں کرے تو ساتویں دن کا خیال رکھنا بہتر ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس دن بچہ پیدا ہوا ہو اس سے ایک دن پہلے

عقیقہ کر دے، یعنی اگر بچہ جمعہ کے روز ہوا تھا تو جمعرات کو عقیقہ کر دے اور اگر جمعرات کو ہوا تھا تو بدھ کو کر دے، اس حساب سے ساتواں ہی دن ہوگا، بغیر کسی مجبوری کے عقیقہ میں تاخیر ٹھیک نہیں مرحوم بچہ کے عقیقہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں۔

(۸) عقیقہ کے جانور کو ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کو قبلہ رُخ لٹا کر پہلے قربانی کی دُعا اِنِّیْ وَجَّھْتُ سے اَللّٰھُمَّ مِنْكَ وَلَكَ تک پڑھے پھر بِسْمِ اللهِ اَللهُ اَکْبَرُ کہہ کر ذبح کرے اور ذبح کرتے وقت یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذِہٖ عَقِیْقَۃُ لِابْنِیْ فُلَانٍ دَمُھَا بِدَمِہٖ وَلَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَعَظْمُھَا بِعَظْمِہٖ وَجِلْدُھَا بِجِلْدِہٖ وَشَعْرُھَا بِشَعْرِہٖ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْھَا مِنِّیْ وَاجْعَلْھَا فِدَاءً لِابْنِیْ مِنَ النَّارِ (اے اللہ یہ عقیقہ ہے میرے فلاں لڑکے کا، اس ذبیحہ کا خون اس کے خون کے بدلے میں، اس کا گوشت اُس کے گوشت، اس کی ہڈی اُس کی ہڈی، اِس کی کھال اُس کی کھال اور اس کے بال اُس کے بالوں کے بدلہ میں (فدیہ ہو) اے اللہ اس ذبیحہ کو میری طرف سے قبول فرمالے اور اس کو میرے فلاں لڑکے کے لئے فدیہ بنا دے آتشِ دوزخ سے محفوظ رکھنے کیلئے)

ضروری یادداشت: (ا) مذکورہ بالا دُعا میں فُلَانٍ کی جگہ بچہ کا نام لیا جائے (ب) دو جگہ لفظ لِابْنِیْ آرہا ہے لڑکی ہو تو لِابْنَتِیْ کہا جائے (ج) لڑکی کا عقیقہ ہو تو ضمیر کو بجائے مذکر کے مؤنث لایا جائے، اس طرح دَمُھَا بِدَمِھَا وَلَحْمُھَا بِلَحْمِھَا تا شَعْرُھَا بِشَعْرِھَا (د) اگر لڑکے کے والد کی طرف سے کوئی دوسرا ذبح کر رہا ہے تو لِابْنِیْ اور مِنِّیْ کہنے کے بجائے لِابْنِ اور مِنْ کہہ کر ہر دو جگہ اس کا نام لے۔ (۹) یہ قطعاً درست نہیں ہے کہ جس وقت بچہ کے سر پر اُسترا رکھا جائے ٹھیک اسی وقت قربانی ہو، جس طرح سہولت ہو یہ دونوں کام کر لئے جائیں۔

(۱۰) یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عقیقہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنتِ مؤکدہ صرف مستحب ہے، کرنے سے ثواب اور نہ کرنے سے گناہ بھی نہیں، اس کو ایسا ضروری سمجھنا کہ قرض اُدھار کر کے اس کو انجام دیا جائے اور پُر تکلف دعوت کا اہتمام ہو، ورنہ خاندان اور برادری کے لوگ ہنسیں گے، لوگوں میں کوئی وزن نہیں رہے گا، نیک نامی متاثر ہو جائے گی، یہ سب تکلفات اسلامی تعلیم کے خلاف ہیں اس میں ثواب تو کیا اُلٹا گناہ ہی ہوگا۔

جنازہ کے ساتھ چلنے کے آداب

جنازہ کے ساتھ چلنے، کاندھا دینے اور نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن تک ساتھ رہنے میں بڑا ثواب ہے اگر کوئی نمازِ جنازہ کے بعد دفن سے پہلے واپس ہونا چاہے تو اسے اہلِ میت سے اجازت لے کر واپس ہونا چاہیئے، جنازہ کے ساتھ چلتے ہوئے بلند آواز سے تسبیح، تکبیر اور ذکر واذکار حدیث (وَلَا تَتَّبِعُوا الْجَنَازَۃَ بِصَوْتٍ وَلَا بِنَارٍ) کی رو سے مکروہ ہے، کیوں کہ یہ وقت "ذکر" کا نہیں "فکر" کا ہے، فکر اس طرح کہ چلتے ہوئے، دل میں آخرت، موت، قبر اور خدا کے پاس حاضری کا خیال ودھیان ہو اور صورتِ حال سے عبرت حاصل کی جائے کہ ہمیں بھی ایک دن اسی طرح لے جایا جائے گا، البتہ آہستہ ذکر کرنے کی اجازت ہے لیکن فکر اور خاموشی اولیٰ ہے۔ "فتاویٰ صدارت العالیہ" (محررہ مولانا محمد رحیم الدین صاحبؒ، سابق مفتی جامعہ نظامیہ، حیدرآباد) میں "شامی" وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

" جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کو چاہیئے کہ وہ ساکت وصامت رہیں اور بالکل خاموشی کے ساتھ چلیں، کسی قسم کی آواز بلند نہ کریں اور اگر کوئی ذکر کرنا چاہے تو بالکل آہستگی کے ساتھ ذکر کرے، میت کے ساتھ آوازیں بلند کرتے ہوئے چلنا خواہ وہ آواز باجہ کی ہو یا انسان کی، اشعار وقصائد ہوں یا ذکر وقرأت وغیرہ، شرعاً مکروہ وناجائز ہے۔" (ص ۱۷، مطبع برقی اعظم جاہی، حیدرآباد دکن ۱۳۵۲ھ)

امام نوویؒ اپنی کتاب "الاذکار" میں ایک جگہ (ص ۱۳۷) لکھتے ہیں کہ جو لوگ جنازہ کے ساتھ ذکر واذکار بلند آواز سے کرتے چلتے ہیں ان کی کثرت کو مت دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ یہ وقت کس کام کے لئے موزوں ہے اور یہ لوگ اس کا خیال کئے بغیر کتنا غلط کر رہے ہیں۔

اگر کوئی انفرادی طور پر آہستہ ذکر کرنا ہی چاہے تو فتاویٰ بزازیہ علیٰ ہندیہ (ج ۴، ص ۹۰) میں یہ دُعا منقول ہے۔

سُبْحَانَ مَنْ قَهَرَ عِبَادَهٗ بِالْمَوْتِ وَالْفَنَاءِ وَتَفَرَّدَ بِالْبَقَاءِ سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں پر موت اور فنا کو مسلط کر دیا (یعنی ان کے لئے موت اور فنا کا دستور رکھا) اور بقا اپنے لئے مخصوص کی، پاک ہے وہ ذات کہ زندگی حقیقی اسی کی ہے جس کو موت نہیں آئے گی۔

سر کے بال اور لباس کے شرعی احکام

سر کے بال:

سر کے بالوں کیلئے کسی خاص وضع یا تراش کی پابندی شریعت نے نہیں لگائی۔ البتہ کچھ حدود ایسی ضرور ہیں کہ ان کے خلاف کرنا ممنوع ہے، ان حدود میں رہتے ہوئے آدمی جو وضع چاہے اختیار کرسکتا ہے۔ وہ حدود یہ ہیں:-

- اگر بال منڈوائیں تو پورے سر کے منڈوائیں۔ کچھ حصہ منڈوانا اور کچھ کے نہ منڈوانا ممنوع ہے (اس طرح کتروانے کی صورت میں چھوٹے بڑے کتروانا بھی درست نہیں یکسانیت ہونی چاہیے۔)
- بالوں کی وضع میں کافروں اور فاسقوں کی نقالی اور مشابہت اختیار نہ کی جائے۔
- مرد، عورتوں کی وضع کے اور عورتیں مردوں کی وضع کے بال نہ رکھیں۔
- بال بڑے رکھنے ہوں تو ان کو صاف ستھرا رکھیں، تیل لگایا کریں اور حسب ضرورت کنگھا بھی کیا کریں، بال بکھرے ہوئے نہ ہوں مگر بالوں کو ایسا مشغلہ بھی نہ بنائیں کہ وہ تکلف اور تصنع میں داخل ہو جائے ــــــــ
- ننگے سر نہ پھریں
- سفید بالوں پر سیاہ خضاب کرنا ممنوع ہے، کسی اور رنگ کا خضاب کرسکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول بال رکھنے کا تھا۔ کبھی کانوں کے نصف تک ہوتے تھے، کبھی کانوں کی لو تک اور کبھی کاندھوں تک۔

لباس:

(قرآن نے کہا ہے کہ تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے)

لباس کے متعلق بھی اصول تو وہی ہے جو بالوں کے بارے میں بیان ہوا کہ کسی خاص تراش یا وضع کی پابندی شریعت نے نہیں لگائی۔ البتہ کچھ حدود اس کی بھی مقرر کی ہیں، ان سے تجاوز نہ ہونا چاہیے۔ وہ حدود یہ ہیں:-

- مرد شلوار، تہ بند اور پاجامہ وغیرہ اتنا نیچا نہ پہنیں کہ ٹخنے یا ٹخنوں کا کچھ حصہ اس میں چھپ جائے۔
- لباس اتنا چھوٹا، باریک یا چست نہ ہو کہ وہ اعضا ظاہر ہو جائیں جن کا چھپانا واجب ہے۔
- لباس میں کافروں اور فاسقوں کی نقالی اور مشابہت اختیار نہ کریں۔
- مرد زنانہ لباس اور عورتیں مردانہ لباس نہ پہنیں۔
- اپنی مالی استطاعت سے زیادہ قیمت کے لباس کا اہتمام نہ کریں۔
- مالدار شخص، اتنا گھٹیا لباس نہ پہنے کہ دیکھنے والے اسے مفلس سمجھیں۔
- فخر و نمائش اور بے جا تکلف سے اجتناب کریں۔
- مردوں کو اصلی ریشم کا لباس اور سونا پہننا حرام ہے۔
- لباس صاف ستھرا ہونا چاہیئے، مردوں کے لئے سفید لباس زیادہ پسند کیا گیا ہے۔
- خالص سرخ لباس پہننا مردوں کے لئے مکروہ ہے، کسی اور رنگ کی آمیزش ہو یا دھاری دار ہو تو مضائقہ نہیں۔
- جس ملک میں وہاں کے علماء، صلحاء اور اتقیاء عام طور پر جو لباس پہنتے ہوں وہاں کے عام مسلمانوں کیلئے ایسا لباس "نمونہ" ہے۔

ٹیلیفون سے متعلق اہم شرعی مسائل

آج کل کی وسیع وعریض اور مصروف ترین شہری زندگی میں کسی آدمی سے بات چیت کے لئے ٹیلیفون سے ربط بڑی سہولت کا باعث ہے۔ برقی لہریں اس جدید آلہ کے ذریعہ دور اور نزدیک ایک دوسرے کی آواز کو اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اتنی سرعت اور وضاحت کے ساتھ پہنچاتی ہیں کہ گویا درمیان کے سارے حجابات اُٹھ گئے ہوں اور دونوں آمنے سامنے بیٹھ کر باتیں کر رہے ہوں۔ صرف صورت نظر نہیں آتی۔ تاہم ٹیلی ویژن کی دریافت نے اس کے لئے راہ ہموار کردی ہے بلکہ بعض ممالک میں تو صورت نظر آنے کی بھی صورت پیدا کردی گئی ہے۔

مثل مشہور ہے کہ "ملاقات ایسی ہو جس میں نہ ہرجہ ہو نہ خرچہ"۔ ٹیلیفون والی ملاقات اس لحاظ سے بھی فائدہ مند ہے کہ اس پر یہ مثل بہت حد تک صادق آتی ہے۔

باہمی ربط وتعلقات کے اس جدید آلے سے متعلق مفتی اعظم مولانا محمد شفیعؒ (کراچی، پاکستان) نے سورۂ نور کی آیات (۲۷ تا ۲۹) کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بعض مسائل استخراج کئے ہیں، جن میں استیذان (اجازت طلب کرنا) کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ مفتی صاحب نے مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ وہ ٹیلیفون کے سلسلہ میں ان شرعی مسائل کا لازمی اور وجوبی طور پر خیال رکھیں، اور اس کی تعمیل میں سہل انگاری سے کام نہ لیں —— مسائل یہ ہیں:

(۱) کسی شخص کو ایسے وقت ٹیلیفون پر مخاطب کرنا جو عادۃً اس کے سونے یا دوسری ضرورت میں یا نماز میں مشغول ہونے کا وقت ہو، بلا ضرورتِ شدیدہ جائز نہیں، کیوں کہ اس میں بھی وہی ایذا رسانی ہے جو کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے اور اس کی آزادی میں خلل ڈالنے سے ہوتی ہے۔

(۲) جس شخص سے ٹیلیفون پر بات چیت اکثر کرنا ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو ٹیلی فون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوتی ہے، پھر اس کی پابندی کرے۔

(۳) ٹیلی فون پر اگر کوئی طویل بات کرنا ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو

ذرا سی فرصت ہو تو میں اپنی بات عرض کروں کیوں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی آنے پر آدمی طبعاً مجبور ہوتا ہے کہ فوراً معلوم کرے کہ کون کیا کہنا چاہتا ہے اور اس ضرورت سے وہ کسی بھی حال میں اور اپنے ضروری کام میں ہو تو اس کو چھوڑ کر ٹیلیفون اٹھاتا ہے۔ کوئی غیر حساس آدمی اس وقت لمبی بات کرنے لگے تو سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

(۴) بعض لوگ ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے اور کوئی پرواہ نہیں کرتے، نہ پوچھتے ہیں کہ کون کیا کہنا چاہتا ہے (بسا اوقات رہ کر نہ رہنے کا بہانہ کرتے یا کرا دیتے ہیں) یہ اسلامی اخلاق کی خلاف ورزی اور بات کرنے والے کی حق تلفی ہے، جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ طرفین اگر مسلمان ہوں تو ٹیلیفون پر بات چیت کی ابتداء اور انتہا سلام پر ہو۔

قابلِ توجّہ مسائل

(۱) (الف) اس طرح پڑھنا کہ نہ زبان کو حرکت ہو نہ پھُسپھُساہٹ پیدا ہو، محض دِل ہی دِل میں خیال کرلے اس صورت کو پڑھنا یا کہنا نہیں کہا جاتا، اس کا نام دَرحقیقت تصوّر کرلینا ہے۔

(ب) اس طرح پڑھنا کہ زبان کو حرکت ہو، زبان سے حرف بھی ادا کیۓ جائیں مگر سانس کی پھُسپھساہٹ قطعاً نہ ہو اس صورت کو بھی پڑھنا نہیں کہا جاسکتا۔

(ج) اس طرح پڑھنا کہ زبان کو حرکت بھی ہو، زبان سے حروف بھی اَدا کیۓ جائیں اور پھُسپھساہٹ بھی پیدا ہو لیکن وہ پھُسپھساہٹ صرف وہی سُن سکتا ہے دوسرا شخص جو اس کے برابر کھڑا ہے وہ نہیں سُن سکتا، اس صورت کا نام آہستہ پڑھنا ہے۔

جن چیزوں کا تعلق پڑھنے یا بولنے یا کہنے سے ہے ان تمام صورتوں میں ان تینوں چیزوں کا ہونا ضروری ہے، یعنی یہ کہ زبان[۱] کو حرکت ہو، زبان[۲] سے حروف کی ادائیگی ہو، اور اس[۳] کی پھُسپھساہٹ اس کے کانوں تک پہنچے۔

چنانچہ نماز میں تکبیروں کا ادا کرنا، فاتحہ یا سورۃ کا پڑھنا، بسم اللہ، التحیات، درُود شریف رکوع، سجدے کی تسبیحات وغیرہ میں ان تینوں چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر سانس نہ چلے اور پھُسپھساہٹ نہ پیدا ہوئی ہو تو یہ تمام چیزیں غلط ہوں گی، ان امور کا خاص خیال رکھا جائے۔

(۲) اگر کسی کا نام عبدالرحمٰن، عبدالخالق، عبدالرزاق، عبدالغفار، عبدالقدوس، عبدالقادر وغیرہ ہو تو ان میں تخفیف کر کے رحمٰن، خالق، رزاق، غفار، قدوس، قادر کہہ کر پکارنا ناجائز و حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ کیوں کہ یہ تمام نام اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء ہیں، اس لئے پورا نام لیکر مخاطب کرنا چاہیئے یعنی عبدالرحمٰن، عبدالخالق وغیرہ۔

(۳) مسنون طریقہ یہ ہے کہ کھانے سے پہلے دونوں ہاتھ پہنچوں تک دھوئے جائیں، کھانے سے پہلے ہاتھ دھوکر رومال وغیرہ سے نہیں پونچھنا چاہیئے، البتہ کھانے کے بعد ہاتھ دھوکر پونچھنا مزید

صفائی کا باعث ہے۔

(۴) وضو سے پہلے خود رومال، ٹوپی رکھے یا دوسرے سے رکھوائے تو اس سے مسجد میں جگہ متعین نہ ہوگی، جگہ کا حقدار وہ ہے جو نماز کے ارادہ سے بیٹھے پھر اتفاقاً وضو وغیرہ کی حاجت پڑے اور رومال وغیرہ رکھ کر جلد واپسی کے قصد سے اُٹھے تو اس جگہ کا حقیقۃً وہ حقدار ہے، اب دوسروں کو بیٹھنے کا حق نہیں۔

(۵) ذبح کرتے وقت گردن الگ ہو جائے تو ذبیحہ جانور کا کھانا حلال ہے مکروہ اور حرام نہیں البتہ قصداً یا لاپرواہی سے اس طرح ذبح کرنا مکروہ ہے، یعنی یہ عمل مکروہ ہے مگر اس کراہیت کا اثر ذبیحہ جانور پر نہیں پڑتا۔

(۶) افضل یہ ہے کہ ہر ہفتہ بالخصوص جمعہ کے دن صفائی حاصل کرے یعنی ناخن، مونچھ درست کرے اور زیرِ ناف اور بغل کے بال کی صفائی کے بعد غسل کرے، زیرِ ناف اور بغل کے بال کی پاکیزگی ہر ہفتہ نہ کر سکے تو پندرہ بیس دن میں کرے، انتہائی مدت چالیس دن ہے، چالیس روز گذر جائیں اور صفائی حاصل نہ کرے تو گنہگار ہوگا۔

آپ کی توجہ کے لئے

مِسواک: اصل سنت درخت کی مِسواک ہے، وہ میسّر نہ ہو یا دانت نہ ہوں یا دانت اور مسوڑھے کی خرابی کی وجہ سے مِسواک سے تکلیف ہوتی ہو تو ضرورتاً ہاتھ کی انگلیوں یا موٹے کھُردرے کپڑے یا منجن ٹوتھ پیسٹ یا بُرش سے مسواک کا کام لیا جا سکتا ہے مگر مِسواک کے میسّر ہوتے ہوئے مذکورہ چیزیں مِسواک کی سنّت ادا کرنے کیلئے کافی نہیں اور مِسواک کی سنت کا پورا اجر حاصل نہ ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد ۱ ص ۱۲۶)

کاغذ: کاغذ پر پیشاب پائخانہ کرنا یا پیشاب پائخانہ کی صفائی کیلئے کاغذ کا استعمال ممنوع ہے، کاغذ حصُولِ علم کا ذریعہ ہے اس لئے وہ قابلِ احترام ہے۔ مشکوٰۃ کی شرح مظاہرِ حق میں ہے کہ شادی بیاہ اور خوشی و مسرّت کے موقع پر کاغذ کے جھاڑ اور پھُول اور دوسری چیزیں بناتے ہیں، یہ سب بُرا ہے اس لئے کہ کاغذ کو قرطاس کہتے ہیں اور قرطاس نام اللہ عزوجل کا ہے، پس اس کے بنانے والے اور اس پر راضی ہونے والے دونوں قیامت کے عذاب میں گرفتار رہوں گے۔ (مظاہر حق جلد سوم ص ۱۱۵)

مُرغ: مرغ ذبح کرنے کے بعد نجاست دُور کر کے گرم پانی میں ڈالا جائے تو کھانے میں کوئی حرج نہیں البتہ نجاست اور غلاظت دور کئے بغیر بال و پر صاف کرنے کے لئے کھولتے ہوئے پانی میں ڈال کر اتنی دیر چھوڑ دیا جائے کہ نجاست کا اثر گوشت میں داخل ہو جائے تو وہ ناپاک ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں، ہاں اگر اتنے کم وقت کے لئے پانی میں رکھا کہ گرمی کا اثر چمڑے تک محدود رہا تاکہ وہ آسانی سے باہر نکل آئے تو جائز ہے۔

بَرتھ کنٹرول: ملازمت قائم رکھنے یا ملازمت کی سہولتیں اور آسائشیں حاصل کرنے کیلئے یا ناداری کے اندیشے یا اولاد کی کثرت کے خوف سے خود کا یا اپنی بیوی کا آپریشن کرا کے ہمیشہ کیلئے اولاد سے محروم ہو جانا اور خصّی ہو جانا کُفرانِ نعمت ہے، اور شرعاً ناجائز اور حرام ہے، بحالتِ عذر جب تک عذر باقی ہے چند دن کیلئے ضبطِ حمل کی تدبیر و معالجہ کر سکتے ہیں۔ اگر عورت کی صحت خراب ہونے کی وجہ سے اس میں ضبطِ حمل کی قوت نہ رہی ہو اور جان کا خطرہ ہو اور آپریشن کے بغیر چارۂ کار نہ ہو اور اس کی اجازت دیندار تجربہ کار حکیم یا ڈاکٹر دیتا ہو تو آپریشن کر سکتے ہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۲۲۴ ــــــ ۲۲۵)

رہن: رہن رکھی ہوئی چیز سے رہن لینے والے (مرتہن) کا نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

بعض ضروری مسائل

○ کاغذ سے استنجاء جائز نہیں اور جو کاغذ خاص استنجاء کیلئے تیار کیا جاتا ہے اس کے استعمال کی بھی عام اجازت نہیں ہے، ہاں بوقتِ مجبوری مثلاً ہوائی جہاز میں پانی نہ ملتا ہو اور وہاں انسان اس سے استنجاء کرنے پر مجبور ہو جاتا ہو تو ایسے وقت استعمال کرنے کی گنجائش ہے (فتاویٰ رحیمیہ ج ۴ ص ۲۷۸)

○ متعدد مساجد میں یکے بعد دیگرے اذان ہوتی ہو تو پہلی اذان کا جواب دینا واجب ہے۔ محلہ کی مسجد کی اذان ہو یا غیر محلہ کی۔ باقی اذانوں کا جواب دینا افضل ہے، ضروری نہیں (مراقی الفلاح)

○ بہتر ہے کہ اذان کے وقت گفتگو، ذکر و تسبیح اور تلاوت بند کر کے اذان کا جواب دیا جائے، مسجد میں ہو یا گھر میں بعض فقہاء کے نزدیک ذکر و تلاوت وغیرہ کی حالت میں جواب دینے کی ضرورت نہیں مسجد ہو یا گھر، بعض حضرات نے مسجد اور گھر میں فرق کیا ہے کہ مسجد میں ہو تو تلاوت وغیرہ جاری رکھے اور گھر پر ہو تو رک کر جواب دے۔ (مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ص: ۱۰۹)

○ کسی کو پیشاب ٹپکنے یا ریح خارج ہونے کا عار[illegible] نماز کے وقت میں وضو کر کے جتنی چاہے نماز پڑھ سکتا ہے۔ قرآن کو بھی چھو سکتا ہے، حالتِ نماز میں بھی یہ عارضہ پیش آجائے تو نماز ہو جاتی ہے، البتہ دوسرے وقت کی نماز پہلے وقت کی نماز کے وضو سے نہیں پڑھ سکتا۔ ہر وقت کی نماز کے لئے تازہ وضو کرنا پڑے گا۔

○ سنتِ فجر کی بڑی فضیلت و تاکید ہے۔ اگر فرض کی ایک رکعت یا قعدہ بھی ملنے کی توقع ہو تو سنت نہ چھوڑے۔ بصورتِ دیگر سنت چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے، چوں کہ سنتوں کی قضاء نہیں ہے اس لئے اگر چاہے تو بطورِ نفل طلوعِ آفتاب کے بعد جب اشراق کا وقت ہو جائے دو رکعت پڑھ لے اور اگر فجر کی نماز قضا ہو گئی اور اسی روز زوال سے پہلے قضاء کرے تو پہلے سنت پڑھے پھر فرض۔ اگر اسی دن زوال کے بعد یا پھر کسی دوسرے دن قضاء کرے تو فقط فرض پڑھے۔

اسی طرح نمازِ ظہر سے پہلے کی سنت کی بھی بڑی اہمیت ہے، جماعت شروع ہو جانے کے بعد تو اس میں شامل ہو جائے۔ البتہ فرض پڑھ کر دو رکعت سنت کے بعد پہلے کی چار رکعت سنت پڑھ لے تاہم فرض کے بعد متصلاً دو رکعت سنت سے پہلے بھی پڑھنے کی اجازت ہے مگر پہلے والی صورت افضل ہے۔

چند اہم مسائل

مؤذن اقامت کب کہے

مؤذن اقامت کہنے کے لئے امام کے حکم یا اشارے کا تابع ہے، لہٰذا امام حاضر ہو تو جب تک وہ خود آگے نہ بڑھے یا اقامت کہنے کا حکم یا اشارہ نہ بتلائے اقامت کہنے میں جلدی نہ کرنی چاہیئے۔

اقامت سے پہلے کھڑے ہو کر جماعت کا انتظار

اگر کوئی آدمی ایسے وقت مسجد میں داخل ہو جبکہ جماعت کا وقت قریب ہے تو اسے بیٹھ جانا چاہیئے، اس کی بجائے کھڑے کھڑے اقامت اور جماعت کا انتظار مکروہ ہے، اسی طرح کوئی پہلے سے بیٹھا ہوا ہو تو جب تک اقامت شروع نہ ہو اٹھنا نہ چاہیئے خواہ گھڑی گھنٹہ کے حساب سے جماعت کا وقت ہو ہی کیوں نہ گیا ہو۔ ایسی صورت میں بھی پہلے کھڑا ہو جانا مکروہ ہے۔

مسجد میں نمازی کہاں اور کیسے بیٹھے

جب نمازی نماز پڑھنے کے ارادہ سے مسجد میں جائے تو شروع ہی سے پہلی صف میں یا جہاں جگہ ملے بیٹھے، آگے کی صفوں میں جگہ ہوتے ہوئے پیچھے بیٹھنا اور بعد میں دھکے بازی کر کے پہلی صف میں گھس جانا نمازیوں کو ایذا پہنچانا ہے اور یہ حرکت نازیبا اور سخت مکروہ ہے۔

فرض کی تیسری یا چوتھی رکعت میں سورہ ملانے کا حکم

فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اگر غلطی سے دوسری سورۃ یا آیتیں شامل کر لی گئیں تو نماز درست ہو جائے گی، سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر نماز میں ٹوپی گر جائے

نماز میں قیام یا رکوع کی حالت میں گری ہوئی ٹوپی اسی حالت میں اٹھا کر پہن لینا جائز نہیں ہے۔ جب سجدہ میں جائے تو پہن لے البتہ حالت سجدہ میں سر کے سامنے گری ہوئی ٹوپی ایک ہاتھ سے پہن لے تو اجازت ہے بلکہ افضل ہے۔

ولئن صبرتم لهو خير للصابرين
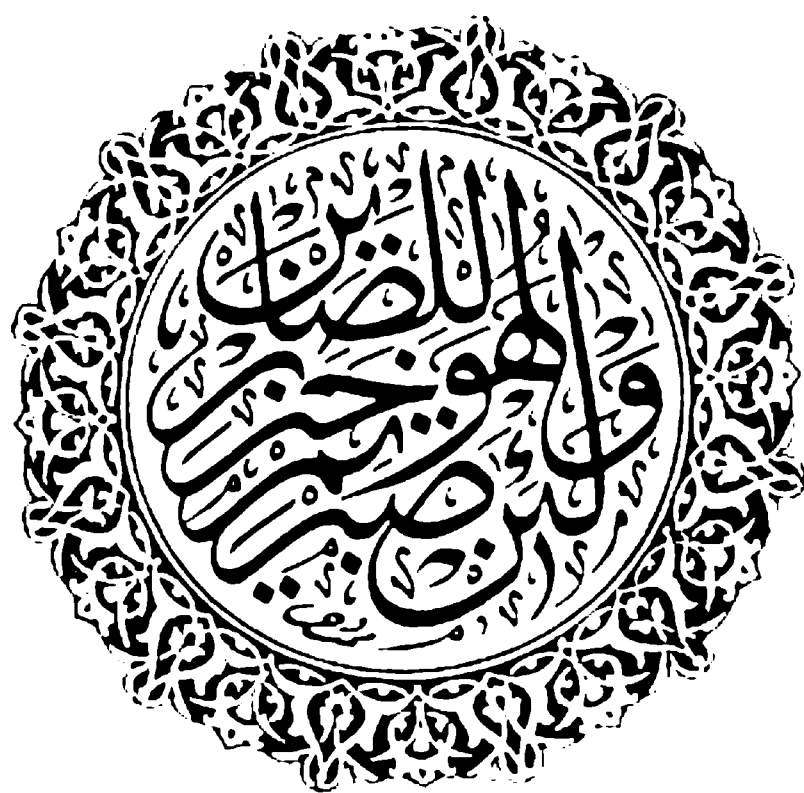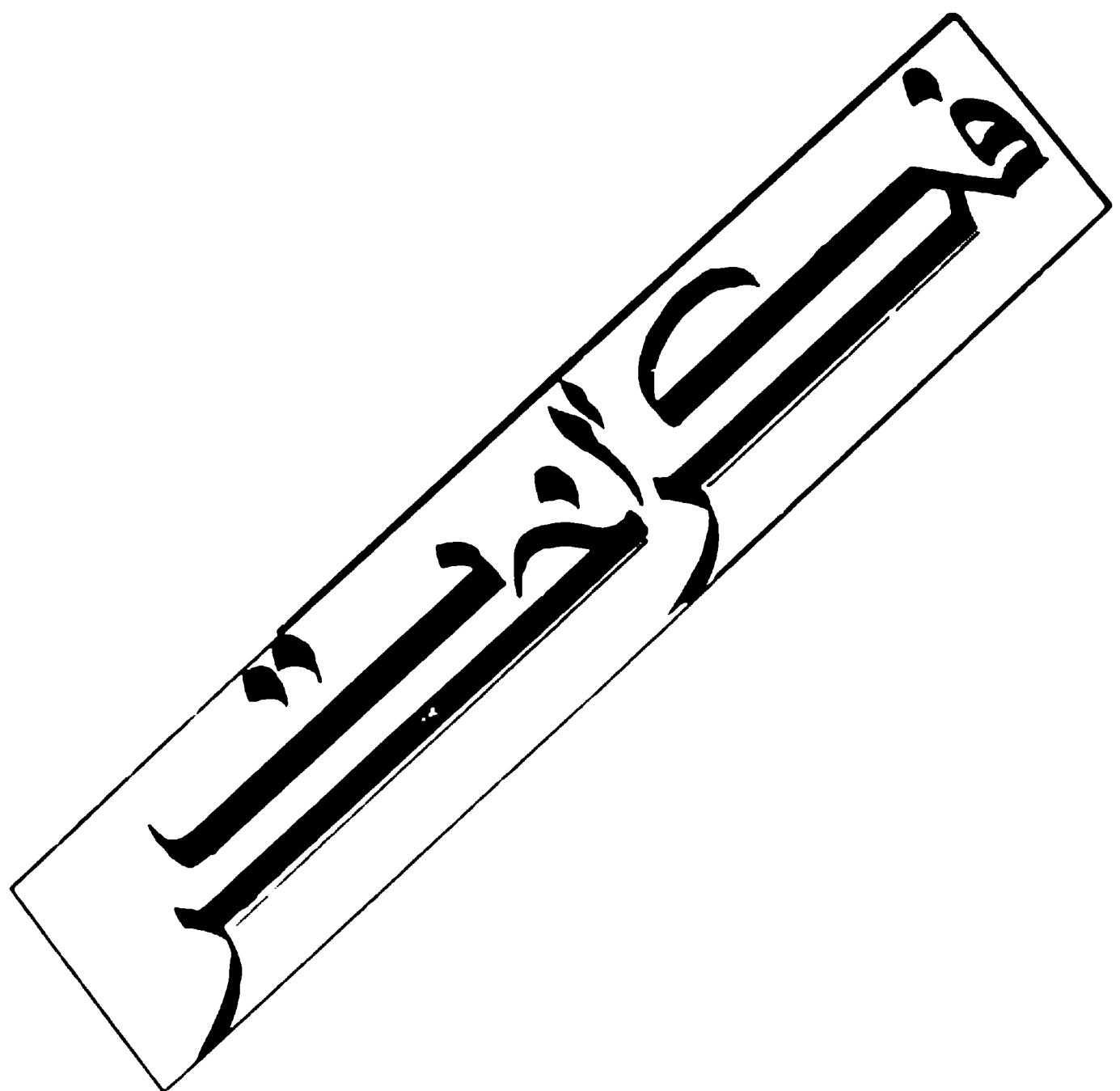
يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الحشر: ۱۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے کل کے واسطے کیا بھیجا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے،

الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت: والعاجز من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللہ [ترمذی]

ہوشیار اور دانا وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور موت کے بعد کے لئے یعنی آخرت کی نجات و کامیابی کے لئے عمل کرے، اور نادان وہ ہے جو اپنے کو اپنی خواہشاتِ نفس کا تابع بنا دے، اور اللہ سے امیدیں باندھے۔

دُنیا کی حیثیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے مکہ کی وادی کو سونا بنانے کی پیش کش کی تو میں نے عرض کیا کہ پروردگار! مجھے یہ نہیں چاہیئے بلکہ مجھے تو یہ پسند ہے کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھانا کھاؤں تو دوسرے دن فاقہ کروں، کیوں کہ جب میں بھوکا رہوں گا تو تیرا ذکر کروں گا اور گریہ وزاری کروں گا اور جب شکم سیر ہو جاؤں گا تو تیرا شکر ادا کروں گا۔

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے ایک چٹائی پر آرام فرمایا جس کی وجہ سے جسم اطہر پر چٹائی کے نشانات آگئے، یہ منظر دیکھ کر ابن مسعودؓ نے عرض کیا، یارسولؐ اللہ! حکم ہو تو فرش بچھا دیتے۔ تو رسولؐ نے فرمایا: کہاں میں اور کہاں دنیا؟ میرا اور دنیا کا تعلق بس ایسا ہے جیسا کہ سوار، راستہ میں کسی درخت کے سایہ میں آرام کرنے کیلئے ٹھہرتا ہے پھر کچھ دیر بعد اس کو وہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ (مسند احمد) ——— ایک صحابیؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جس سے میں اللہ کا اور لوگوں کا محبوب بن جاؤں، آپؐ نے فرمایا کہ "دنیا سے بے رغبتی کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے احوال سے دُور رہو تو لوگ تجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔ (ابن ماجہ)

احادیث مبارکہ اور اسوۂ رسولؐ کے شہ پارے دنیائے انسانیت کو ایک عظیم الشان پیغام اور لائحۂ عمل دے رہے ہیں جس کے نتیجہ میں تمام عالم میں سکون و اطمینان، امن و سلامتی اور اقدار انسانی کے وہ نظارے پیش کئے جاسکتے ہیں جن کے دیدار سے آج دنیا محروم ہو چکی ہے، آج ساری خرابیوں کی جڑ اور بُنیاد دنیا اور اس کے عیش و عشرت میں جنون کی حد تک مشغولیت ہے جب کہ اسلام کی ابدی تعلیم یہ ہے کہ اَلدُّنیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ یعنی دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کیلئے پیدا کئے گئے ہو۔

انسان کا دنیا سے حقیقی طور پر دل لگانا دراصل مقصدِ تخلیق کے منافی ہے، اسلام کے نزدیک دنیا صرف ایک وسیلہ ہے۔ اس کو مقصد بنا لینا اور اسی کی تگ و دو میں لگے رہنا ایک کافر اور مشرک کی شان تو ہو سکتی ہے لیکن مسلمان کی نہیں۔

ایک اہم گھاٹی

حضرت علی مرتضیٰ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ سو رہے ہیں جب موت آئے گی اس وقت جاگیں گے۔ آپؓ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر جنت اور دوزخ میرے سامنے رکھ دیئے جائیں تو ان کے حق ہونے کا جتنا یقین مجھے اب بغیر دیکھے ہے دیکھ کر بھی اسی قدر یقین رہے گا، یہ نہیں کہ اب جنت و دوزخ کا یقین کم ہے اور دیکھنے سے زیادہ ہو جائے گا۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ قبرستان تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر قبر والوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، اے مقبرہ والو، اے بوسیدگی والو، اے وحشت و تنہائی میں رہنے والو کہو کیا خبر ہے؟ کیا حال ہے؟ ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہارے جانے کے بعد مال تقسیم کر لئے گئے اور اولادیں یتیم ہو گئیں، بیویوں نے دوسرے خاوند کر لئے، یہ تو ہماری خبر ہے تم بھی کچھ اپنی خبر سناؤ۔

اس وقت آپ کے ساتھ کمیل نامی ایک شخص تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد مجھ سے فرمایا اے کمیل! اگر ان کو بولنے کی اجازت ہوتی تو یہ جواب دیتے کہ بہترین سامان پرہیزگاری ہے یہ فرما کر حضرت علیؓ رونے لگے اور فرمایا اے کمیل! قبر عمل کا صندوق ہے اور موت کے وقت بات معلوم ہوتی ہے ——— (منتخب کنز)

"قبر عمل کا صندوق ہے" ——— یعنی انسان جو کچھ اچھا برا عمل کرتا ہے وہ اس کے ساتھ چلا جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہیں رہتا ہے جیسا کہ حدیثوں سے ثابت ہے کہ نیک اعمال اچھے آدمی کی صورت میں آ کر قبر میں میت کا دل لگاتے ہیں اور اس کی دلداری کرتے ہیں اور برے اعمال بری صورت میں بدبودار بن کر آتے ہیں جو اور بھی اس کی اذیت کا سبب بنتے ہیں۔ یہ جو فرمایا کہ "مرتے وقت بات معلوم ہوتی ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان مرنے لگتا ہے تو موت کی کیفیت ہی سے اسے پتہ چل جاتا ہے کہ میرا آگے کیا حال ہوگا؟ اعزاز و اکرام سے نوازا جاؤں گا یا ذلت و خواری ملے گی؟

مجھے آخرت تک جانا ہے

ایک دفعہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ٹرین سے اعظم گڈھ، یو۔پی تشریف لے جارہے تھے، اس ٹرین میں جو گارڈ تھا وہ ہندو تھا اور مولانا سے اس کو کافی عقیدت تھی درمیان کے ایک اسٹیشن پر وہ مولانا سے ملنے آیا، اسی اثنا میں ایک غریب آدمی آگے بڑھا اور گنوں کا تحفہ مولانا کو پیش کیا، مولانا نے قبول کرنے کے بعد کسی ساتھی سے فرمایا کہ وزن کرا کے بک کرادو۔ گارڈ نے کہا بک کرانے کی کیا ضرورت ہے؟ میں اعظم گڈھ تک گارڈز سے کہہ دوں گا کہ وہ گنوں کا خیال رکھیں۔

مولانا نے فرمایا، مجھے تو اس سے بھی آگے جانا ہے۔

گارڈ نے دریافت کیا: ابھی آپ نے اعظم گڑھ تک جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا؟

مولانا اطمینان سے بولے: جی ہاں، اعظم گڑھ تک تو جانا ہے، مگر وہ میری آخری منزل نہیں ہے، مجھے تو آخرت تک جانا ہے، وہاں تک کونسا گارڈ میرے ساتھ جائے گا؟ یہ کہتے ہوئے مولانا کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں جیسے کہ ان کی نگاہیں آخرت کے ہولناک مناظر کو دیکھ رہی تھیں۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی ذمہ دارانہ عہدے یا کسی خاص ڈیوٹی پر ہوتا ہے تو وہ اصول وضابطہ میں لچک پیدا کرلیتا ہے یا اسے سرے سے نظر انداز کرکے اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے "رعایت" یا "فائدے کی راہیں نکالتا ہے۔ خواہ اس عمل سے کتنا ہی بڑا قومی اور اجتماعی نقصان کیوں نہ ہوتا ہو وہ قطعاً پرواہ نہیں کرتا ——— اپنوں کو فائدہ پہنچانے کا یہی وہ جذبہ تھا جس کے تحت گارڈ نے مولانا سے خواہش کی کہ گنّے کو بُک کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اسے بے وزن ہی "پیسے" صرف کئے بغیر اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے منزل تک پہنچادے گا، لیکن مولانا تھانویؒ نے اسے قبول نہیں کیا، کیوں کہ یہ عمل ضابطے اور اصول کے خلاف

تھا جس کے لئے انہیں آخرت میں جوابدہ ہونا پڑتا۔

غور کیجئے ———— ! مولانا تھانویؒ خلافِ ضابطہ عمل سے اس لئے نہیں رُکے کہ یہاں کسی کے سامنے انہیں جواب دہ ہونا پڑتا بلکہ آخرت کی جواب دہی کے تصوّر نے انہیں اس عمل سے باز رکھا۔ یہی وہ طاقتور تصوّر ہے جو ایک انسان کو رشوت، قتل و غارت گری، چوری، فریب، ذخیرہ اندوزی، ٹرین یا بس میں بلاٹکٹ سفر، سود، زنا، ظلم، ناانصافی، قانون شکنی غرضیکہ ہر بُرائی سے روک سکتا ہے۔ یہ تصوّر انسانی معاشرہ کے لئے عدل وانصاف امن وامان اور صلاح وفلاح کا ضامن ہے۔ آج جرائم کی رفتار میں دِن بہ دن جو اضافہ ہو رہا ہے اس کی بنیادی وجہ اس تصور کا فقدان یا اس میں ضعف واضمحلال ہے۔

اسلام صالح معاشرہ کی تشکیل کے لئے خوفِ آخرت اور اس کی تعلیم اور تذکرہ کو ضروری قرار دیتا ہے، آپ صالح انسان بننا چاہتے ہیں تو اپنے ہر قول، اور ہر عمل میں خوفِ آخرت کے احساس کو جگائے رکھئے۔

اور مجھے نیند نہیں آئی ـــــ!

از: مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، مفتی اول دار العلوم دیوبند

"میں ایک شب سونے کے لئے لیٹا تو اچانک قلب میں یہ اشکال وارد ہوا کہ قرآنِ کریم نے تو یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (انسان کے کام اسی کی سعی آئے گی) جس کا واضح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آخرت میں کسی کے لئے غیر کی سعی کار آمد نہ ہوگی، اور حدیثِ نبویؐ میں ایصالِ ثواب کی ترغیب آئی ہے، نیز شفاعتِ انبیاء و صلحاء، شفاعتِ حفاظ و شہداء بھی ثابت ہے جس سے صاف نمایاں ہے کہ آخرت میں غیر کی سعی بھی کار آمد ہوگی، پس یہ آیت اور روایت میں کھلا تعارض ہے۔

میں اس کا حل سوچتا رہا مگر ذہن میں نہ آیا، سوچ و فکر میں مجھے نیند بھی نہیں آئی، اتنے میں ذہن پر یہ احساس طاری ہوا کہ اگر اس حالت میں موت آگئی تو میں قرآن کی ایک آیت میں خلجان اور ریب کی سی کیفیت لے کر جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کے پاس حاضری، ایمان کے ضعف و اضمحلال کے ساتھ ہوگی اور کیا اس خاتمہ کو حسنِ خاتمہ کہا جائے گا۔؟

اس دھیان کے آتے ہی فکرِ آخرت اس شدت سے دامن گیر ہوا کہ میں اسی وقت چارپائی سے اُٹھ کھڑا ہوا، اور سیدھے گنگوہ کی راہ لی، رات اندھیری تھی، تنہا سفر تقریباً ۲۰ میل کا فاصلہ، پیدل چلنے کا عادی نہیں مگر عزم صادق اور ذوقِ یقیں کے سہارے، صبح صادق سے پہلے گنگوہ پہنچا ـــــــــ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تہجد کے لئے وضو فرما رہے تھے علیک سلیک کے بعد اس بے وقت آمد پر تعجب کا اظہار فرمایا، میں نے اپنی آمد کی غرض بتاتے ہوئے اپنا اشکال عرض کیا، حضرت نے وضو کرتے ہوئے برجستہ فرمایا کہ "آیت میں سعیِ ایمانی مراد ہے جو آخرت میں غیر کے کار آمد نہیں ہو سکتی کہ ایمان تو کسی کا ہو اور نجات کسی کو ہو جائے، اور حدیث میں سعیِ عملی مراد ہے جو ایک کی دوسرے کو کام آسکتی ہے، اس لئے کوئی تعارض نہیں۔" یہ سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی جیسے کوئی پردہ آنکھ کے سامنے سے اُٹھ گیا ہو اور علم کا ایک عظیم دروازہ کھل گیا۔"

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۲۷، ۲۶)

دوسری زندگی!

جابر حسین ایک ریلوے گارڈ تھے، ان کی ملازمت کی مدت پوری ہو چکی تھی۔ ۱۷ جولائی ۱۹۸۱ء کو وہ اندور، بلاسپور ایکسپریس لے کر روانہ ہوئے، یہ گارڈ کی حیثیت سے ان کا آخری سفر تھا، کیوں کہ اگلے دن ۱۸ جولائی سے وہ ریٹائر ہونے والے تھے، ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے اپنی زندگی کا پورا نقشہ بنا رکھا تھا، ان کا خیال تھا کہ اب وہ اپنے اس نقشہ کو زیر عمل لانے کے کنارے پہنچ چکے ہیں۔ ریلوے گارڈ کی حیثیت سے اپنی ڈیوٹی کے آخری سفر پر روانہ ہوتے ہوئے اپنے دوستوں سے کہا: "کل سے میری دوسری زندگی شروع ہوگی۔

یہ سفر جابر حسین کے لئے واقعی آخری سفر تھا اور اس کے بعد ہی ان کی دوسری زندگی شروع ہوگئی مگر اس معنی میں نہیں جس میں کہ انہوں نے سمجھا تھا بلکہ کسی اور معنی میں۔ ان کی ایکسپریس ٹرین اپنی منزل سے ساٹھ کیلو میٹر کے فاصلہ پر تھی کہ پیچھے سے آنے والی ایک مال گاڑی ان کی ٹرین سے ٹکرا گئی گارڈ کا ڈبہ چکنا چور ہوگیا، جابر حسین فوراً ہلاک ہوگئے، ایک ریلوے افسر نے اس حادثہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

"جابر حسین نے اگر ۶۰ کیلو میٹر اور طے کر لیا ہوتا تو ریلوے ملازم کی حیثیت سے ان کا سفر پورا ہو جاتا۔" (انڈین ایکسپریس ۱۸ جولائی ۱۹۸۱ء)

یہی اس دنیا میں ہر آدمی کا حال ہے، ہر آدمی اپنی زندگی کو لمبی تصور کئے ہوئے ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کا سفر ۶۰ کیلو میٹر کے بعد پورا ہوگا مگر موت کا فرشتہ اس کو ۶۰ کیلو میٹر سے پہلے ہی پکڑ لیتا ہے۔

ہر آدمی موجودہ دنیا میں اپنی "کل" کی تعمیر کا ایک نقشہ لئے ہوئے ہے مگر اچانک موت آکر اس کو بتاتی ہے کہ اس کی کل اس دنیا میں شروع نہیں ہوتی۔ جہاں ۱۷ جولائی کے بعد ۱۸ جولائی اور ۱۸ جولائی کے بعد ۱۹ جولائی کی تاریخیں آتی ہیں بلکہ اس کی "کل" اس ابدی دنیا میں شروع ہوتی ہے جہاں دنیا کے کیلنڈر لپیٹ کر رکھ دیئے جاتے ہیں۔

آدمی جہاں اپنے سفر کو ختم سمجھ رہا ہے وہیں سے اس کے حقیقی سفر کا آغاز ہوتا ہے۔

(ماخوذ)

جب سفر ختم ہوگا!

ایکسپریس ٹرین لمبا سفر طے کرنے کے بعد منزل پر پہنچ رہی تھی، سڑک کے دونوں طرف صاف ظاہر ہونیوالے آثار بتا رہے تھے کہ آخری اسٹیشن قریب آگیا ہے، ٹرین کے سینکڑوں مسافروں میں نئی زندگی پیدا ہوگئی تھی، کوئی بستر باندھ رہا تھا، کوئی کپڑے بدل رہا تھا، کوئی اشتیاق بھری نظروں سے کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا، ہر ایک کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی، ہر ایک آنے والے پر مسرت لمحہ کا منتظر تھا جب کہ وہ ٹرین سے اتر کر اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جائے ——— اچانک زور کا دھماکہ ہوا ایکسپریس ٹرین یارڈ میں کھڑی ہوئی دوسری ٹرین سے ٹکرا گئی، اس کے بعد جو کچھ پیش آیا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے ——— خوشیاں اچانک غم میں تبدیل ہوگئیں، زندگیاں موت کی آغوش میں سوگئیں، امیدوں کے محل کی ایک ایک اینٹ بکھر گئی، ایک کہانی جس کا اختیار بظاہر طربیہ (comady) پر ہو رہا تھا، اپنے آخری نقطہ پر پہنچ کر اچانک المیہ (Tragedy) میں تبدیل ہوگیا۔

ایسا ہی کچھ معاملہ زندگی کا ہے، آدمی بے شمار کوششوں کے بعد پُر اعتماد معاشی زندگی بناتا ہے، وہ اپنے حوصلوں کو ایک بنے ہوئے گھر کی صورت میں تعمیر کرتا ہے، وہ اپنے لئے ایک کامیاب زندگی کا مینار کھڑا کرتا ہے مگر عین اس وقت اس کی موت آجاتی ہے، اپنے گھر کو سُونا چھوڑ کر وہ قبر میں لیٹ جاتا ہے، اس کا چکنا جسم مٹی اور کیڑے کی نذر ہو جاتا ہے، اس کی کوششوں کا حاصل اس سے اِس طرح جُدا ہو جاتا ہے جیسے آدمی اور اس کے درمیان کبھی کوئی تعلق ہی نہ تھا۔

کوٹھی کا خواب دیکھنے والا مجبور کر دیا جاتا ہے کہ وہ قبر میں داخل ہو، وہ قبر کے راستہ سے گذر کر حشر کے میدان میں پہنچ جائے، یہ دوسری دنیا اس کی آرزوؤں کی دنیا سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ یہاں وہ اتنا مفلس ہوتا ہے کہ اس کے جسم پر کپڑا بھی نہیں ہوتا، اس کی ساری کمائی اس سے جدا ہو جاتی ہے اس کے ساتھی اس سے بچھڑ جاتے ہیں، اس کا زور اس سے رخصت ہو جاتا ہے۔ ان چیزوں میں کوئی چیز وہاں اس کا ساتھ دینے کیلئے موجود نہیں ہوتی جن کے بل پر وہ دنیا میں گھمنڈ کرتا تھا۔ آہ ——— ! وہ سفر کیسا عجیب ہے جو عین اختتام پر پہنچ کر حادثہ کا شکار ہو جائے ——— (الرسالہ ۔ دہلی)

غیر یقینی دیوار

چسنالہ (دھنباد، بہار) میں ایک پرانی کوئلہ کی کان تھی جو ۱۹۴۵ء سے بند تھی، ساڑھے چار سو فٹ گہری اس کان میں دھیرے دھیرے پانی بھر گیا، اس سے ۸۰ فٹ کے فاصلہ پر دو سال پہلے ایک اور کان کھودی گئی، عالمی بنک اور بیرونی ماہرین کی مدد سے تیار کی ہوئی یہ کان جدید طرز کی مشینوں سے آراستہ تھی۔

۲۷ دسمبر ۱۹۷۵ء کو اس کان میں ایک بھیانک حادثہ ہوا، دونوں کانوں کے درمیان ۸۰ فٹ کا فاصلہ کافی محفوظ فاصلہ سمجھا جاتا تھا مگر اچانک اس کے اندر ۶۰ فٹ چوڑا شگاف ہو گیا اور اس کے اندر سے پرانی کان کا پانی نئی کان میں اتنی تیزی سے داخل ہوا کہ صرف تین منٹ کے اندر نئی کان بھر گئی۔ ۳۷۲ مزدور اور انجینئر جو اس وقت کان کے اندر کام کر رہے تھے، ایک سو ملین گیلن سے بھی زیادہ پانی کے سیلاب میں غرق ہو گئے، صرف ایک شخص بچا جو حادثہ سے صرف چند منٹ پہلے باہر آگیا تھا۔

یہ واقعہ حیرت انگیز طور پر ہماری زندگی کی تصویر ہے، ہماری موجودہ دنیا اور آخرت کی دنیا کے درمیان موت کی غیر یقینی دیوار حائل ہے۔ ہر آن یہ اندیشہ ہے کہ یہ دیوار ٹوٹ جائے اور آخرت کے حقائق ایک بے پناہ سیلاب کی طرح ہمارے اوپر پھٹ پڑیں، اس وقت کوئی زور اور کوئی لفظی بازی گری کام نہ آئے گی، آدمی بالکل بے سہارا ہو کر اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہوگا، وہ سارے لوگ ناکامی اور بربادی کے دائمی جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے جو دنیا کی دلفریبیوں میں اس قدر گم تھے کہ کوئی نصیحت کی بات سننے کے لئے تیار ہی نہ ہوتے تھے، صرف وہ شخص بچے گا جس نے مالکِ کائنات کے سامنے حساب کیلئے پیش ہونے سے پہلے خود اپنا حساب کر لیا ہوگا۔ یقیناً سب سے زیادہ ہوشیار وہ شخص ہے جو اس آنیوالے یقینی دن کی تیاری میں خود کو لگا دے۔

ایک بڑی بھول

ایک شخص جب اپنی زندگی کا بیمہ کرا لیتا ہے تو وہ مطمئن ہو جاتا ہے "میں نے اپنے مستقبل کا انتظام کر لیا" وہ سوچتا ہے "اب خواہ میری زندگی معمول کے مطابق گذرے یا میرے ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے، ہر حال میں یہ بیمہ میرا مددگار ہوگا حتی کہ اگر میں بچوں کو قابلِ کار بنانے سے پہلے اچانک مر جاؤں تب بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ میرے وارثوں کو اتنی رقم مل جائے گی کہ وہ اپنی زندگی کو اطمینان بخش طور پر جاری رکھ سکتے ہیں"

مگر کیا یہ کافی ہے؟ —— مستقبل کا مسئلہ کیا صرف حادثہ یا بڑھاپے کا مسئلہ ہے، اس کے سوا مستقبل کا کوئی مسئلہ نہیں۔ اس انداز پر وہی لوگ سوچ سکتے ہیں جو زندگی کو صرف دنیا کی زندگی سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہی دنیا زندگی کا آغاز ہے اور یہی اس کا انجام ہے، حال اور مستقبل سب اسی دنیا میں ہے۔ مگر یہ بہت بڑی بھول ہے حقیقت یہ ہے کہ مستقبل کا سوال صحیح معنوں میں آخرت کا سوال ہے، پیدائش سے موت تک کی ہماری موجودہ زندگی حال ہے اور موت کے بعد جو زندگی شروع ہوتی ہے وہی دراصل مستقبل ہے —— کوئی بیمہ پالیسی اس حقیقی مستقبل میں کام نہیں آسکتی جس طرح ایک ملک کا کاغذی نوٹ دوسرے ملک میں بے کار ہوتا ہے، اسی طرح دنیوی تحفظات آخرت کی زندگی کیلئے بیکار ہیں۔

دنیا کے مستقبل میں جو چیز کام آتی ہے وہ روپیہ ہے اس لئے لوگ اس کیلئے روپیہ جمع کرتے ہیں بیمہ پالیسی اس کیلئے روپیہ ذخیرہ کرنے کی ایک صورت ہے مگر آخرت میں جو چیز کام آئے گی وہ آدمی کی نیکیاں ہیں۔

یاد رکھئے! زندگی صرف ایک بار ملتی ہے اور وہ بھی بچپن اور بڑھاپے کی دو ناتوانیوں سے گھری ہوئی ہے، بچپن میں ہم ناواقف ہوتے ہیں اور بڑھاپے میں ناکارہ۔ اب صرف جوانی کے دس بیس سال ہیں جن میں کوئی شخص حقیقتاً کوئی کام کر سکتا ہے، جوانی کے حوصلے اور جوانی کی توتیں اگر کسی کو دیوانہ نہ بنائیں تو یہی وہ وقت ہے جب کہ زندگی کی تعمیر اور حصولِ نیکی کا بہترین کام انجام دیا جا سکتا ہے۔ زندگی ایک نعمت ہے مگر یہ انہیں کے لئے نعمت ہے جو اس کو سمجھیں اور ہوش و حواس کے ساتھ اس کو استعمال کریں، جنہوں نے بے سمجھے بوجھے زندگی گذار دی اور اصل مستقبل پر نظر نہیں رکھی ان کے لئے زندگی ایک المیہ کے سوا اور کچھ نہیں۔

اولاد کیلئے شاندار مستقبل کی تلاش

ہر شخص آج اپنی اولاد کے بارے میں فکرمند ہے اور ہر ماں باپ کی یہی خواہش ہے کہ ان کی اولاد کا مستقبل شاندار و تابناک ہو، لیکن سوال یہ ہے کہ شاندار مستقبل سے ان کی کیا مُراد ہے؟ کیا بنگلہ جات، جائیداد، زینیات سے بچوں کا مستقبل شاندار ہو جائے گا، کیا اعلیٰ ڈگریاں، بڑے عہدے، ڈالر یا ریال کی کمائی اور موٹی تنخواہیں، شاندار مستقبل کی ضمانت دیتی ہیں، کیا بلند و بالا عمارتیں، آرام دہ کاریں، خدمت کیلئے نوکر چاکروں کی فوج کسی انسان کے مستقبل کو شاندار بناتی ہے اور اگر کسی کے پاس یہ چیزیں نہ ہوں تو اس کا مستقبل تاریک ہو جائیگا۔ سوال یہ بھی ہے کہ کیا یہ چیزیں انسان کو راحت و سکون دینے والی ہیں؟

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج کا انسان صرف انہی چیزوں کو شاندار سمجھ رہا ہے اور اسی کے حصول کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے جبکہ سب جانتے ہیں کہ یہ دنیا چند روزہ ہے، یہاں کی ہر چیز فانی ہے، انسان بطور مہمان آیا ہے تو اس کو روشن اور تابناک بنانے کی بات ہی کیسی؟ عقلمندی کی بات تو یہ ہے کہ انسان اپنے اور اپنی اولاد کے اس مستقبل کو شاندار اور تابناک بنانے کی کوشش کرے جو موت کے بعد شروع ہوگی اور پھر اس مستقبل کا کوئی مستقبل نہیں جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اگر آپ نے اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت نہیں کی، انہیں اللہ کا سپاہی نہیں بنایا، اسلامی مشن اور دین کی دعوت و تبلیغ کیلئے انہیں تیار نہیں کیا، انہیں اچھا اور سچا اور نیک مسلمان نہیں بنایا اور نماز روزے کا پابند نہیں کرایا تو اولاد کا مستقبل شاندار ہو جائے گا، کیا ایسی اولاد پر اللہ کی مہربانی اور اس کی رحمت ہوگی، اولاد کو جائیداد اور مال و دولت سنبھالنے کے قابل بنائے بغیر انہیں سب کچھ دینا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ نادان بچے کے ہاتھ میں تیز تلوار دینا ——— مسلمان یاد رکھیں کہ بڑی بڑی ڈگریاں، اونچی اونچی کوٹھیاں، چمکتی ہوئی کاریں اور اعلیٰ عہدے اور بڑی تنخواہیں وغیرہ انسان کو کچھ بھی نہیں دے سکتیں۔ ایک نوجوان بڑھاپے تک عیش و آرام کی زندگی گزار کر مرگیا تو اس کا مستقبل روشن اور شاندار نہیں ہوگیا، عقلمند نوجوان وہ ہے جو یہ سوچے کہ آسمان پر اس نے کس قسم کا بنگلہ بنایا ہے، وہاں آرام و آسائش کی کتنی چیزیں اس نے روانہ کی ہیں، وہاں بندگی اور طاعت کی روشنی بھی ہے یا نہیں، وہاں پُرسکون زندگی گزارنے کا سامان جمع ہوا ہے یا نہیں؟

ایک خواب اور اس کی تعبیر

ایک شخص نے ایک خواب دیکھا کہ میں ایک وسیع میدان میں ہوں اور ایک شیر مجھے پکڑنے کے لئے میرے پیچھے دوڑ رہا ہے، میں خوف سے بھاگ رہا ہوں مگر یہ شیر کسی صورت سے میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ کہیں کسی طرف کوئی جھاڑی یا کوئی جائے پناہ نظر نہیں آئی، سامنے ایک کنواں نظر آیا جس کے بغل میں ایک ہرا بھرا درخت تھا، درخت کی شاخیں کنویں کے اندر لٹکی ہوئی تھیں، شیر سے خلاصی حاصل کرنے کیلئے وہ شخص خوف کے مارے درخت کی ایک شاخ پر چڑھ گیا، وہ شاخ کنویں کے اندر لٹکنے لگی اور وہ شیر کنویں کے آس پاس مجھے پکڑنے کے لئے گھومتا رہا اور جب میں نے شاخ پر لٹکے ہوئے، کنویں کے اندر دیکھا تو ایک اژدھا منہ کھولے ہوئے مجھے لقمہ بنانے کے لئے موجود ہے، گھبراہٹ کے مارے اوپر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو جس شاخ کو یہ تھامے ہوئے تھا اُس شاخ کے اوپر کے حصے میں دو بڑے بڑے چوہے اپنے دانتوں سے شاخ کو کاٹ رہے ہیں اور خطرہ لگا ہوا تھا کہ کسی بھی وقت شاخ ٹوٹی اور یہ شاخ سمیت اژدہے کے منہ میں جاگرا۔

یہ خوفناک خواب دیکھ کر صبح کو وہ شخص ایک بزرگ کے پاس اس کی تعبیر دریافت کرنے کیلئے گیا، انہوں نے بتایا کہ:

"یہ خواب تمہاری زندگی کی حقیقت کو اُجاگر کرتا ہے، سارا جہاں اسی میں گرفتار ہے، وہ شیر تمہاری موت کا فرشتہ ہے جو تمہاری روح قبض کرنے کیلئے تمہارے اوپر ہر وقت سوار ہے اور حق تعالیٰ کے حکم کا منتظر ہے، وہ درخت تیری حیات ہے اور دو چوہے دن و رات ہیں جن کے گذرنے اور حیات سے رشتہ ختم ہونے کی وجہ سے ہر شخص مرجاتا ہے۔ عمر کا درخت دن اور رات کے گذرجانے سے فنا ہوجاتا ہے، وہ اژدھا تیری قبر ہے جو ہر وقت منہ کھولے اپنے لقمہ کا انتظار کرتی رہتی ہے۔"

متفرقات

فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ [الرحمٰن: ۶۸]

ان دونوں میں میوے ہوں گے اور خرمے اور انار

قال الله اعددت لعبادی الصالحین مالاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر فاقرؤوا ان شئتم: فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین (بخاری)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نیک اور صالح بندوں کے لئے وہ چیز تیار کر رکھی ہے جو نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ ہی کسی کے دل میں اس کا خیال آیا ہے۔ تو پڑھ لو اگر تم چاہو کہ " سو کسی کو علم نہیں جو جو سامان آنکھوں کی ٹھنڈک کا ان کے لئے خزانۂ غیب میں مخفی ہے۔

مسجد چھتہ میں انار کا درخت

ـــــــــ چند تاثرات

مسجد چھتہ دیوبند شہر کے مغربی جانب، دَارالعلوم کے جنوب مشرقی گوشہ میں واقع ہے۔ جس کا رقبہ ۴۸ × ۴۰ مربع فٹ ہے۔ یہ مسجد ہندوستان میں مسلمانوں کے ابتدائی طرزِ تعمیر کا نہایت سادہ اور دلکش نمونہ ہے، چھوٹی اینٹ کے بغیر چونے اور پلاسٹر کی عمارت ہے، دیوبند میں یہ مسجد اکثر مشائخ اور اہل اللہ کی رہائش گاہ اور سرچشمہ فیوض رہ چکی ہے۔ صحن مسجد کے جنوب مشرقی گوشہ میں "انار" کا وہ چھوٹا سا تاریخی درخت اب تک موجود ہے جس کے سائے میں دَارالعلوم کا مبارک آغاز ہوا تھا۔ مسجد کے قدیم حجرے جو شمال اور جنوب کی سمتوں میں تھے۔ اب ان کی جگہ نئی تعمیر ہوگئی ہے۔ حال ہی میں مسجد کی تعمیر کا کام بھی مکمل ہوگیا ہے۔

مسجدِ چھتہ کے صحن میں انار کا درخت ہے، دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے استاذ اور سب سے پہلے شاگرد نے اس کے سائے میں سب سے پہلا سبق پڑھا اور پڑھایا۔ انار اور اس کے دَرخت کی حیثیت اور دَارالعلوم کے قیام کی نوعیت کو سامنے رکھا جائے تو چند حیرت خیز و نشاط انگیز مماثلتیں سامنے آتی ہیں۔

انار جنّتی میوہ ہے، اس کے درخت کے سائے میں دَارالعلوم کا افتتاح اس کی اصل غرض و غایت کی طرف اشارہ کرتا ہے 'وہ ہے "جنّت کی راہ" دکھانا اور بتانا۔

انار اپنے پورے وجود کے ساتھ مفید اور نفع بخش ہے، یہاں پر قائم ہونے والا دارالعلوم بھی قوم و ملّت کے لئے تمام تر مفید اور نفع بخش ہے۔

انسان جسم اور روح سے مرکب ہے اور دونوں کی تقویت اور صحت پر انسان کی زندگی کا مدار ہے، انار اگر انسان کے جسمانی نظام کی درستی کا ضامن ہے تو یہ دَارالعلوم انسان کے رُوحانی نظام کی درستی کا ذمہ دار ہے۔

انار کی ڈالیوں سے سانپ بچھو اور دیگر موذی حشرات الارض ہلاک ہوجاتے ہیں تو یہ دَارالعلوم ملک اور بیرونِ ملک میں پھیلی ہوئی اس کی تمام شاخیں الحاد، دہریت، قادیانیت، مغربیت، عُریانیت، بے حیائی، اخلاقی پستی اور جہالت وغفلت کے زہر آلود سانپ بچھو کا تریاق

ہیں انار کی ٹہنی میں ایک جگہ دو پھول نکلتے ہیں، مسجدِ چھتہ میں انار کے درخت کے سائے میں دار العلوم کا جو قیام عمل میں آیا تو اوّلاً دو ہی پھول تھے، ایک استاذ محمود، دوسرے شاگرد محمود۔

انار کے درخت میں پھول کے بعد پھل آتے ہیں، دار العلوم میں جو طلبہ رہتے ہیں، فراغت سے پہلے کا زمانہ ان کے لئے پھول اور پھل لگنے کا ہوتا ہے اور بعدِ فراغت یہ اپنے علم و عمل کے پھول اور پھل سے خلقِ خدا کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

ذائقہ کی حیثیت سے انار کی کئی قسمیں ہوتی ہیں، میٹھا انار، کھٹا انار، کھٹا میٹھا انار، مگر ہر ذائقہ میں الگ الگ فوائد، دار العلوم میں علم حاصل کرنے والے طلبہ کا علمی ذائقہ بھی مختلف ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں مدرسین، مصنفین، مفتی، مناظر، صحافی، خطیب و مبلغ اور طبیب کی شکل میں قوم و ملت کے سامنے آکر ان کے مختلف اذواق کی تسکین کا سامان پہنچاتے ہیں۔

انار کے پھول سُرخ ہوتے ہیں، انشاء اللہ دار العلوم کے معلمین، متعلمین، منتظمین، محبین اور معاونین قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں سُرخرو رہیں گے۔

انار کے درخت پر پھول اور پھل ۹ مہینے مسلسل آتے ہیں، سال کے تین مہینوں میں اپنے لئے "قوت"، جمع کرتا ہے تاکہ اپنا فریضۂ منصبی اچھی طرح ادا کرے، دار العلوم میں بھی کم و بیش ۹ مہینے تعلیم کی بہار پورے شباب پر ہوتی ہے، رمضان وغیرہ کی تعطیلات جو تقریباً ڈھائی تین مہینے ہوتی ہیں وہ اسی لئے کہ آئندہ کے لئے قوت جمع کر کے فرائضِ منصبی بہتر طور پر ادا کئے جائیں اس لئے یہ ڈھائی تین مہینے بھی چھٹی کے نہیں ہوتے، کسی نے سچ ہی کہا ہے "مدرسہ کو چھٹی نہیں" اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ضابطہ کی تعطیلات کے زمانے میں دار العلوم کے بعض اہم شعبہ جات کام کرتے ہیں۔

انار کے درخت کی عمر کافی طویل ہوتی ہے، اُمید و کامیابی اور خوش بختی و زرخیزی کا دوامی نشان مانا جاتا ہے، دار العلوم کا وجود بھی اس طرح کی ایک علامت ہے، مسجدِ چھتہ کا انار خود سدا بہار رہ کر دار العلوم کے لئے بھی سدا بہار رہنے کا آرزومند ہے

انار کے درخت کی طبّی حیثیت اور اس کے پھول پھل کے زیادہ عرصہ تک رہنے اور خوشنما ہونے کی وجہ سے لوگ اس کی چمن بندی بھی کرتے ہیں تاکہ نظر کو سکون پہنچے، قلب کی تسکین اور ملک و ملت کی اخلاقی زیبائش کے لئے ضروری ہے کہ دار العلوم کی چمن بندی میں ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق سعادت سمجھ کر حصہ لے۔

انار

دلچسپ معلومات

انار ایک مشہور پھل ہے طبی اور تحقیقی کتابوں میں اس کے بارے میں بڑی دلچسپ معلومات ملتی ہیں، جگہ کی قلت کی وجہ سے بعض باتیں یہاں بیان کی جاتی ہیں :۔

انار کو عربی میں رُمّان، فارسی، ہندی اور اُردو میں انار، سنسکرت اور بنگلہ میں ڈاڈم، گجراتی میں واڈیم، کشمیری میں ڈائن، انگریزی میں پومی گرینیٹ ..... (Pomegranate) کہتے ہیں۔

انار کے درخت برّ عظیم میں ہر جگہ بوئے جاتے ہیں، بعض درخت ۲۰ رفٹ تک اونچے ہوتے ہیں، اس کا تنا پتلا ہوتا ہے، جس کی گولائی ۳ تا ۴ فٹ تک ہوتی ہے، انار کے درخت کی عمر کافی طویل ہوتی ہے اور عمر کی طوالت پھول اور پھل کے لگنے میں مانع نہیں ہے، کولمبیا انسائیکلوپیڈیا (دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۰ء ص ۱۵۷۵) میں پیرس کے ایک انار کے درخت کا ذکر کیا گیا ہے جس پر دو سو سال سے زائد تک پھول اور پھل لگتے رہے۔ مسجد چھتہ دیوبند میں جو انار کا درخت ہے اور جہاں سے دَارالعلوم کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کی عمر بھی کافی طویل ہے، دَارالعلوم کے سنہ قیام کے لحاظ سے اس کی ۱۱۷ رسال عمر لوگوں کو معلوم ہے لیکن اس سے پہلے کتنے زمانے سے ہے، صحیح علم نہیں، اَب بھی اس میں پھُول اور پھل لگتے ہیں۔

انار کے درخت کی چھال کچھ پیلی یا گہرے رنگ کی ہوتی ہے، ماگھ اور پھاگن میں ان کے نئے پتے ٹہنیوں کے آمنے رمنے نکلتے ہیں، جو کچھ لمبے نوکدار اور کچھ زردی مائل لال ہوتے ہیں، اس کے سُرخ رنگ کے پھول ایک ہی جگہ دو دو نکلتے ہیں، پھولوں کے جھڑ جانے کے بعد پھل آتے ہیں، پھول اور پھل ۹ مہینے مُسلسل آتے ہیں، انار (پھل) کا قد عموماً دو سے ساڑھے تین انچ ہوتا ہے۔ انار بہت بڑے بڑے بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ جہانگیر کے پاس ایک انار لایا گیا جس کا وزن چالیس تولے (۴۸۰ گرام) تھا۔ فرومنگر کی تحقیقات کے مطابق ایک انار ایک انسان کے سر کے برابر بھی ہو سکتا ہے۔

پھل کا چھلکا اتارنے سے اس کے دانے لال نوکدار اور بعض سفید ہوتے ہیں، اکثر

دانوں میں گٹھلی ہوتی ہے، کابلی انار سب ملکوں کے اناروں سے بہتر ہوتا ہے، اس کے بعد پٹنہ کا انار ہے، سب سے بہتر انار وہ ہے جس کا دانہ بڑا اور شیریں ہو۔

ذائقہ کی حیثیت سے انار کی کئی قسمیں ہیں، میٹھا انار، کھٹا انار، کھٹا میٹھا انار۔

انار کی تمام قسمیں، پھل کا پوست، غنچے، پھول، پتے، درخت کی چھال سب دواؤں میں بکثرت کار آمد ہیں۔ ڈاکٹری میں اس درخت کی چھال کو بطور قابض و دافع کرم شکم استعمال کرتے ہیں، طبِ قدیم میں اسکے تمام اجزاء سے مختلف قسم کی دوائیں تیار کی جاتی ہیں وہ اکثر امراض بدنیہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوتی ہیں۔

○ انار کا شربت امراضِ دماغ کے لئے مفید ہے، انار شیریں کے پتوں کو سائے میں خشک کرکے پیس لیا جائے اور شہد کے ہمراہ گولیاں بنائی جائیں اور ایک ایک منہ میں رکھ کر چوسی جائے تو اس سے نزلۂ حار کو فائدہ پہنچتا ہے۔

○ انار کے پتوں کو پیس کر آنکھوں پر باندھنے سے آشوبِ چشم کو آرام آجاتا ہے۔

○ انارِ شیریں کے دانوں کا پانی ایک بوتل میں بھر کر دھوپ میں یہاں تک رکھا جائے کہ گاڑھا ہوجائے اور پھر اسے آنکھوں میں لگایا جائے تو اس سے آنکھوں کی روشنی بڑھ جاتی ہے۔ بصارت قوی ہوجاتی ہے۔ یہ جتنا پرانا ہو بہتر ہے۔

○ انار شیریں کے دانوں کا پانی شہد کے ساتھ ملا کر کان میں ڈالنے سے کان کے درد کو آرام ہوجاتا ہے، صرف انار شیریں کا پانی بھی کان میں ٹپکانے سے کان کا درد دفع ہوجاتا ہے۔

○ انار شیریں کا پانی ناک میں ٹپکایا جائے تو ناک کے اندر کی پھنسیوں کے لئے مفید ہے۔ اور نکسیر کیلئے بھی۔

○ منہ میں چھالے پیدا ہوجائیں جس کو منہ آنا کہتے ہیں، ایسی صورت میں انارِ شیریں کے پانی سے کلیاں کرنے سے آرام آتا ہے۔

○ انار شیریں کو مع پوست پانی میں جوش دے کر اس سے کلیاں کی جائیں تو مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں اور ان سے خون آنا بند ہوجاتا ہے، انار کے درخت کی چھال کو بھی پانی میں جوش دے کر کلیاں کرنے سے مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں اور ان کا ورم دور ہوجاتا ہے۔

○ انار شیریں کا پانی یا اس کا شربت پینے سے دردِ سینہ اور کھانسی میں آرام ملتا ہے۔

○ انارِ شیریں اور اس کا شربت قلب کو فرحت اور تقویت بخشتا ہے۔

○ سالم انار مع پوست نچوڑ کر پینے سے دست بند ہو جاتے ہیں اور بواسیر کو بھی فائدہ دیتا ہے۔

○ پوست انار کو پانی میں بھگو کر اسی پانی کے ساتھ استنجا کرنے سے بواسیر کا خون بہنا بند ہو جاتا ہے۔

○ انار ترش کو آگ میں بھلبھلا کر بدن پر مالش کرنے سے تر و خشک خارش کو فائدہ ہوتا ہے۔

○ انار ترش کا پانی گندے زخم پر لگانے سے زخم مندمل ہو جاتا ہے۔

○ پوست انار کو باریک پیس کر زخم پر چھڑکنے سے زخم بھر جاتا ہے۔

○ انار کے درخت کی چھال کو باریک پیس کر شہد کے ہمراہ چیچک کے چھالوں پر لگانے سے ان کی رطوبت بہت جلد خشک ہو جاتی ہے۔

○ ابن زبیر کہتے ہیں کہ انار کی ڈالیوں سے سانپ بچھو اور دوسرے حشرات الارض ہلاک ہو جاتے ہیں، اس لئے پرندے زیادہ تر اس درخت پر گھونسلے بناتے ہیں تاکہ موذی حشرات الارض سے امن رہے۔

بہر حال انار عام صحت کیلئے نہایت عمدہ میوہ ہے۔ اس سے خونِ صالح پیدا ہوتا ہے اور بدن موٹا تازہ ہوتا ہے، اس کا اشارہ "ایک انار سو بیمار" والی ضرب المثل سے بھی ملتا ہے۔

○ یہودی اور عیسائی انار کے درخت اور اس کے پورے وجود کو مسعود و متبرک سمجھتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ انار امید و کامیابی کی علامت، اور خوش بختی و زرخیزی کا دوامی نشان ہے۔

○ قرآن مجید میں بھی اس کو جنت کی نعمتوں میں شمار کرایا گیا ہے۔ سورۂ رحمٰن میں ارشاد ہوا ہے:-

فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ۚ (ان دونوں باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں)

٣٨٢

اذکار و ادعیہ
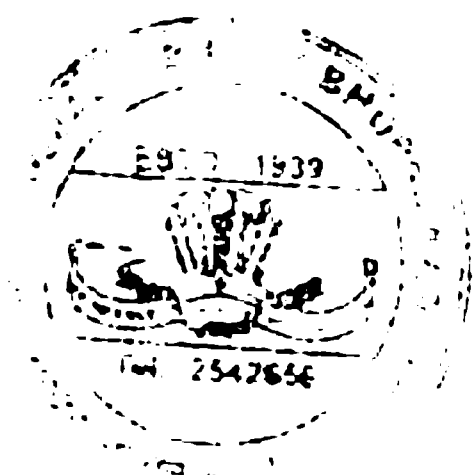
اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ [آل عمران: ۱۹۱]

یہ ایسے ہیں کہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر برابر یاد کرتے رہتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار تو نے یہ سب لایعنی نہیں پیدا کیا ہے، تو پاک ہے۔ سو محفوظ رکھ ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔

ان رجلا قال یارسول اللہ ان شرائع الاسلام قد کثرت علی فاخبرنی بشئ اتشبت بہ قال: لایزال لسانک رطبا من ذکر اللہ [ترمذی]

ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اسلام کے احکام تو بہت ہیں مجھے کوئی ایک ایسی چیز بتا دیجئے جس پر میں جما رہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تر رہے۔

اُونچے نصیبے والے

از: حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجنے کے متعلق اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تمام عمر میں ایک دفعہ درود بھیجنا فرض ہے، اگر تمام عمر میں ایک دفعہ بھی کسی شخص نے درود نہ بھیجا تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا ـــــــ جس مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو تو آپؐ کا اسمِ مبارک سننے پر درود بھیجنا واجب ہے، البتہ اس میں اختِلاف ہے کہ ہر دفعہ دُرود بھیجنا واجب ہے یا ایک مرتبہ اس مجلس میں پڑھ لینا کافی ہے، بعض ہر دفعہ اسمِ مبارک (صلی اللہ علیہ وسلم) سننے پر دُرود بھیجنے کو واجب قرار دیتے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس شخص کو بخیل قرار دیتے ہیں جو اسمِ مبارکؐ سننے کے بعد درود نہ بھیجے، ایک حدیث سے ثابت ہے کہ جو شخص آپؐ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمت نازل فرماتا ہے۔ ایک دوسری حدیث سے واضح ہے کہ قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ قریب آپؐ سے وہ ہوں گے جو آپؐ پر زیادہ درود بھیجتے ہیں۔ اس لحاظ سے ایسے لوگ بڑے اونچے نصیبے والے ہیں جو آپؐ پر کثرت سے دُرود بھیجتے ہیں۔

دنیا میں سب سے زیادہ دُرود بھیجنے والے محدّثین ہیں کیوں کہ ہر حدیث میں درود شریف پڑھا جاتا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جب میں روضۂ مبارک صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوا تو مکاشفہ میں دیکھا کہ ہر محدّث اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان نور کی زنجیر متصل ہے، اس مکاشفہ سے بھی محدثین کا قرب ظاہر ہوتا ہے، انہیں اشتغالِ درود و حدیث کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "دُعا آسمان و زمین کے درمیان اس وقت تک ٹھیری رہتی ہے جب تک آنحضرت صلی اللہ پر دُرود نہ بھیجا جائے"۔ اس لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ دُعا سے پہلے اور دُعا کے بعد درود شریف پڑھا جائے۔

(ماہنامہ سلطان العلوم دیوبند، جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ)

اثرِ دُعا کا عجب کام جا کے کر آیا!

ہر بَلا اور ناگوار صورت سے بچنے کی تدبیر

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ کی دس آیتیں ایسی ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کو رات میں پڑھ لے تو اس رات کو جن، شیطان گھر میں داخل نہ ہوگا اور اس کو اور اس کے اہل وعیال کو اس رات میں کوئی آفت، بیماری، رنج وغم وغیرہ ناگوار چیز پیش نہ آئے گی۔ اور اگر یہ آیتیں کسی مجنوں پر پڑھی جائیں تو اس کو افاقہ ہو جائے گا، وہ دس آیتیں یہ ہیں:۔ ۴ آیتیں شروع سورۂ بقرہ کی پھر ۳ آیتیں درمیانی یعنی آیۃ الکرسی اور اسکے بعد کی ۲ آیتیں اور آخر سورۂ بقرہ کی ۳ آیتیں۔

جَادو کے اثر سے محفوظ رہنے کی دُعا

مؤطا امام مالک میں بروایت قعقاع بن حکیمؓ منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت کعب احبارؓ نے فرمایا کہ "اگر یہ چند کلمات نہ ہوتے جن کو میں پابندی سے سوتے وقت پڑھتا ہوں تو یہودی مجھے (اپنے جادو کے زور سے) گدھا بنا دیتے۔" جب لوگوں نے پوچھا کہ وہ کلمات کیا تھے تو آپ نے یہ کلمات بتائے:۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ لَیْسَ شَیْئٌ اَعْظَمَ مِنْہُ وَبِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُھُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَبِاَسْمَاءِ اللّٰہِ الْحُسْنٰی کُلِّھَا مَا عَلِمْتُ مِنْھَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَبَرَءَ وَذَرَءَ۔

شیطانی وسوسوں کا ازالہ

جس کسی کے دل میں شیطانی وسوسے بکثرت پیدا ہوتے ہوں وہ آیت رَبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنَ کو بکثرت پڑھے ان شاء اللہ ان وسوسوں سے محفوظ رہے گا۔

ہنگامہ اور فساد سے حفاظت

اگر دشمنوں کے نرغے میں پھنس جائے یا ان کے حملے کا اندیشہ ہو یا ایسی کوئی پُرخطر اور فساد زدہ جگہ سے گذرے تو ایسے موقع پر صدقِ دل اور یقین کی قوت کے ساتھ اس دُعا کا وِرد رکھے ان شاء اللہ قلب کو تقویت ملے گی اور جان و مال کی حفاظت ہوگی: اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ اَللّٰھُمَّ اکْفِنَاھُمْ بِمَا شِئْتَ

دُعاؤں میں آج بھی وہی تاثیر ہے

یقین واعتقاد پر سب کچھ ہوتا ہے، ہمارے بابو عیاض مرکز نظام الدین کے ایک مبلغ تھے، ان کا قصہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں جو قیامتِ صغریٰ دہلی میں برپا تھی، ایسی حالت میں باہر کسی کی آمدورفت مشکل اور دشوار تھی، اس زمانے میں میرا قیام بھی نظام الدین میں تھا، راشن سبزی منڈی میں ملتا تھا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا، سارے سکھ آباد تھے، بابو عیاض راشن لینے کیلئے سبزی منڈی گئے، واپسی میں انہوں نے ایک تانگہ کیا اس پر تین سکھ بیٹھے ہوئے تھے وہ آپس میں اشارہ کرنے لگے کہ اس کا کام تمام کردیا جائے، بابو جی نے ان کی باتوں کو سُن کر کہا کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تین کے بجائے تیس بھی ہوتے جب بھی تم لوگ میرا کچھ نہیں کرسکتے تھے، وہ سکھ حیرت زدہ و مرعوب ہوگئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے، جب نظام الدین قریب آیا تو اس وقت بھی بابو جی نے کہا کہ اَب بھی جو کرنا چاہتے ہو کرلو، آگے میرا علاقہ ہے مگر وہ خاموش رہے۔

نظام الدین پہنچ کر بابو جی تانگے سے اترے تو اُن سکھوں نے کہا کہ ملاجی! ہم تمہیں مار تو نہیں سکے لیکن ایسی حالت میں اس طرح بے خوف ہوکر کس طرح بات کر رہے ہو؟ بابو جی نے کہا کہ یہ میں کھڑا ہوں اَب بھی جو کچھ کرنا چاہتے ہو کرلو مگر ان کی ہمت نہیں ہوئی، جب انہوں نے آکر ہم کو یہ قصہ سنایا تو ہمیں بھی حیرت ہوئی انہوں نے کہا، حضرت جی! آپ ہی نے دُعا بتلائی تھی:

اَللّٰھُمَّ اکْفِنَاھُمْ بِمَا شِئْتَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ۔

(یا اللہ کافی ہوجائیے ہم کو ان کے مقابلے میں جس طرح آپ چاہیں، اے اللہ! میں کرتا ہوں آپ کو مقابلے میں ان کے اور پناہ چاہتا ہوں آپ کی، اُن کی بدی سے)

جب میں کہیں جاتا ہوں تو آتے جاتے ہر وقت یہی دُعا پڑھتا ہوں، اس لئے اطمینان تھا۔

مذکورہ بالا دعا کا وِرد ایک مسلمان کو دشمنوں کے خطرے اور فتنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ خوف اور دہشت کی کیفیت کو دل سے نکالتا ہے، اللہ پر یقین واعتماد کو بڑھاتا ہے اور قلب کو مضبوط اور باہمت کرتا ہے اگر واقعی یقین واعتماد سے عمل کیا جائے تو اس طرح کی دعاؤں میں آج بھی وہی تاثیر ہے۔

(حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ)

فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ

ذیل میں بعض مقاصد کی تکمیل اور امراض سے شفایابی کیلئے آیات اور اوراد درج کئے جارہے ہیں ظاہری تدبیر اور علاج کے ساتھ ان پر عمل کیا جائے تو خدا کی ذات سے امید ہے کہ نتیجہ مفید اور حسب منشار نکلے گا ——

اہم مقاصد اور سفر کی خیر و خوبی:- مقاصد کی تکمیل کیلئے جس طرح کی بھی تدبیر کی جائے اس کے آغاز میں اور سفر کے شروع اور آخر میں یہ آیت پڑھی جائے۔ اس سے انشاء اللہ مقاصد بر آئیں گے اور سفر آسانی اور خوبی کے ساتھ طے ہوگا۔ رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا ۝ —————— (بنی اسرائیل آیت: ۸۰)

مرض درد اور غم و الم:- مرض اور درد کی جگہ پر ہاتھ رکھ کر یہ آیت تین مرتبہ پڑھ کر دم کریں، انشاء اللہ شفاء حاصل ہوگی: وَبِالْحَقِّ أَنزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۗ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ (بنی اسرائیل آیت ۱۰۵)

بخار:- ہر طرح کے بخار میں اس آیت کو تین دن تک روزانہ کاغذ پر لکھ کر صبح نہار منہ دھو کر پلانا بہت مفید ہے:- قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ —————— (الانبیاء آیت: ۶۹)

یرقان:- جسے یرقان ہوگیا ہو اسے سورۃ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ لکھ کر گلے میں ڈالا جائے، انشاء اللہ یرقان جاتا رہے گا، یا ایک سو ایک بار یہ آیت پانی میں دم کر کے پلانا یرقان کیلئے بہت مفید ہے: سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (الصف آیت: ۱) یا تین سو بار اسم باری تعالےٰ "الْحَسِيبُ" پانی پر دم کر کے ۲۱ دن تک پلائیں۔

شادی:- لڑکا ہو یا لڑکی، جلد شادی کیلئے والدین یا سرپرست روزانہ سورۃ احزاب (پارہ ۲۲) میں سے ترتیب کے ساتھ تھوڑا پڑھیں۔ جب سورۃ ختم ہوجائے تو پھر اسے شروع کردیں اور یہ عمل جاری رہے۔ اسی کے ساتھ روزانہ تین سو مرتبہ "يَا لَطِيفُ يَا وَدُودُ" اول و آخر گیارہ مرتبہ درود کے ساتھ پڑھیں۔ نیز ایسے لڑکے یا لڑکی کو پانچ سو مرتبہ "يَا جَامِعُ" اول و آخر گیارہ مرتبہ درود کے ساتھ روزانہ پڑھنا چاہیئے ——————

دُعاؤں سے علاج

بعض مواقع کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض خاص دعاؤں کی تلقین فرمائی ہے، ہم ان میں سے چند دعائیں ذیل میں درج کر رہے ہیں، اگر یہ دعائیں روایتی انداز میں نہیں بلکہ یقین اور شعور و آگہی کے ساتھ پڑھی جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ اپنا اثر نہ دکھلائیں۔

نظرِ بد

کسی آدمی یا کسی چیز کو دیکھنے کے بعد اپنی نظر لگ جانے کا اندیشہ ہو تو مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہنا چاہیے، اس اندیشہ کو دور کرنے کیلئے آپؐ نے اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلَیْہِ بھی پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔

بلائیں اور آفتیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص دعا نظرِ بد اور تمام بلاؤں، مرضوں اور آفتوں سے بچنے کیلئے یہ ہوا کرتی تھی: اَذْھِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِی لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُکَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سُقْمًا۔

دردِ سر

دردِ سر کے ازالہ کے لئے آپؐ سے یہ دُعا منقول ہے: بِسْمِ اللّٰہِ الْکَبِیْرِ وَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَّمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ۔

دانت کا درد

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دانت کے درد کی شکایت کی، آپؐ نے اپنا دستِ مبارک ان کے اس رخسار پر جدھر درد تھا رکھ کر سات مرتبہ یہ دعا پڑھی: اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ عَنْہُ مَا یَجِدُ وَفُحْشَہٗ بِدَعْوَۃِ نَبِیِّکَ الْمُکِیْنِ الْمُبَارَکِ عِنْدَکَ۔

بے خوابی

ایک دفعہ حضرت خالدؓ بن ولید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ مجھے رات میں نیند نہیں آتی ہے، آپؐ نے فرمایا جب تم بستہ پر لیٹا کرو تو یہ دُعا پڑھ لیا کرو: اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظَلَّتْ وَرَبَّ الْاَرْضِیْنَ وَمَا اَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنِ وَمَا اَضَلَّتْ کُنْ لِّیْ جَارًا مِّنْ شَرِّ خَلْقِکَ کُلِّھِمْ جَمِیْعًا اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیَّ اَحَدٌ عَزَّ جَارُکَ

وَجَلَّ ثَنَاءُكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ ۔

بوقتِ طعام کھانا سامنے آجانے کے بعد اگر یہ نبوی دُعا پڑھی جائے تو انشاء اللہ کوئی چیز ضرر نہیں پہنچائے گی : بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْاَسْمَاءِ فِي الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ لَا يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ دَاءٌ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ فِيْهِ رَحْمَةً وَّشِفَاءً ۔

رزق کی تنگی اگر کوئی شخص فقر و محتاجی اور رزق کی تنگی میں مبتلا ہو تو ظاہر میں اسے اسباب و وسائل کی تلاش جاری رکھنی چاہیئے ۔ اس کے ساتھ فجر کی سنت اور فرض کے درمیان ستر مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ پڑھے، اس دُعا کے ساتھ ایک تسبیح لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ بھی شامل کرلے ۔

ہر بُرے وقت پر ہر غم، تکلیف اور فکر و تردد میں لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بکثرت پڑھنے کا معمول رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ سکون و قرار کی دولت سے نوازتے ہیں ۔

روحانی علاج

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی طرح الفاظ میں بھی تاثیر رکھی ہے، اسمارِ الٰہی میں خصوصیت کے ساتھ بڑی تاثیر ہے، بعض مقاصد کی تکمیل میں عملی جدوجہد کے ساتھ ان اسمار کا ورد رکھنا بہت مفید ہے۔ آغاز اس طرح کیا جائے کہ سب سے پہلے آپ تمام پراگندہ خیالات کو اپنے دل ودماغ سے نکال دیں اور اللہ کی ذات پر مکمل اعتماد کریں۔ کسی بھی جمعرات کو عصر کی نماز کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے مصلّٰی پر بیٹھ کر اپنی جائز خواہش کیلئے دعا مانگیں اور پھر چالیس روز تک عشار کی نماز کے بعد (۳۱۳) مرتبہ مندرجہ ذیل اسمِ باری تعالیٰ کا وِرد کریں، اگر ناغہ ہو تو ان دنوں کو چھوڑ کر پھر سے چالیس روز پورے کریں انشاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا اگر نہ ہو تو پھر چالیس روز بڑھا دیں، بفضلِ تعالیٰ بزرگوں کے اس تجربہ سے بہتوں کو فائدہ ہوا ہے، خدا کرے کہ آپ کو بھی فائدہ ہو مگر اس کا خیال رہے کہ اس طرح کے اوراد و وظائف کے ساتھ تکمیلِ مقصد کی خاطر سعی و تدبیر بھی جاری رہے، یعنی دعا اور دوا دونوں ضروری ہیں اور سنتِ نبویؐ سے اس طرح دونوں کو جمع کرنے کی تلقین ملتی ہے۔

- اگر سستی اور کاہلی ہو اور جی اُچاٹ ہو جائے تو ـــــــ اَلْقُدُّوْسُ پڑھیں
- اگر کسی کی صحت مسلسل خراب رہتی ہو تو ـــــــ اَلسَّلَامُ پڑھیں
- اگر اولاد نہ ہوتی ہو تو ـــــــ اَلْمُتَکَبِّرُ پڑھیں
- اگر اولاد نافرمان ہو تو ـــــــ اَلْقَھَّارُ پڑھیں
- اگر بے برکتی ہو تو ـــــــ اَلرَّزَّاقُ پڑھیں
- اگر گھبراہٹ ہوتی ہو تو ـــــــ اَلْفَتَّاحُ پڑھیں
- اگر محتاجی سے نجات حاصل کرنا ہو تو ـــــــ اَلْبَاسِطُ پڑھیں
- اگر کوئی بڑی آفت آئی ہو تو اس کو دفع کرنے کے لئے ـــــــ اَلرَّافِعُ پڑھیں
- اگر شادی میں رکاوٹ ہو تو ـــــــ اَللَّطِیْفُ پڑھیں
- اگر معاش میں تنگی ہو تو ـــــــ اَلشَّکُوْرُ پڑھیں
- اگر سایۂ جن یا آسیب وغیرہ سے نجات حاصل کرنی ہو تو ـــــــ اَلْحَفِیْظُ پڑھیں

- اگر کوئی شخص بدمعاملگی کرتا ہو تو اُسے راہِ راست پر لانے کیلئے ـــــ اَلْحَسِیْبُ پڑھیں
- اگر میاں بیوی میں جھگڑے ہوں تو ـــــ اَلْوَدُوْدُ پڑھیں
- اگر کوئی چیز کھوگئی ہو تو اسے تلاش کرنے کیلئے ـــــ اَلْحَقُّ پڑھیں
- اگر دشمن کے خوف سے نجات حاصل کرنا ہو تو ـــــ اَلْقَوِیُّ پڑھیں
- اگر چھوٹا بچّہ ماں کا دودھ نہ پیتا ہو تو ـــــ اَلْمَتِیْنُ پڑھیں
- اگر کسی برائی اور فحاشی سے روکنا ہو تو ـــــ اَلْحَمِیْدُ پڑھیں
- اگر حمل بار بار گر جاتا ہو تو ـــــ اَلْوَلِیُّ پڑھیں
- اگر موت کا خوف طاری رہتا ہو تو ـــــ اَلْقَادِرُ پڑھیں
- اگر کوئی شخص غائب ہو گیا ہو تو ـــــ اَلْاَوَّلُ پڑھیں

دُعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟

حضرت شفیق بلخیؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ بصرہ کے بازار سے گذر رہے تھے، لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت! قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "تم مجھ سے دُعا مانگو میں قبول کروں گا" اور ہم ایک مدت تک دُعا مانگتے رہے مگر قبول نہیں ہوتی، اس کی کیا وجہ ہے؟۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے جواب دیا کہ اے لوگو! تمہارے دل دس چیزوں سے مُردہ ہو گئے ہیں پھر تمہاری دُعا کیسے قبول ہو؟ تفصیل سُنو:۔

(۱) تم نے خدا کو پہچانا مگر اسکی معرفت کا حق ادا نہ کیا۔
(۲) تم نے قرآن پڑھا مگر اس پر عمل نہ کیا۔
(۳) تم نے محبتِ رسولؐ کا دعویٰ کیا مگر ان کی سنّت پر عمل نہ کیا ـــــ
(۴) تم نے عداوتِ شیطان کا دعویٰ کیا مگر اس کی مخالفت نہ کی ـــــ
(۵) تم نے جنّت کو چاہا مگر اس کیلئے عمل نہ کیا۔
(۶) تم نے جہنم سے پناہ مانگی مگر اپنے نفس کو ڈال دیا
(۷) تم نے موت کو حق جانا مگر اسکے لئے تیاری نہ کی۔
(۸) تم نے بھائیوں کی عیب جوئی کی مگر اپنے عیب نہ دیکھے
(۹) تم نے اللہ کی نعمتیں کھائیں مگر اس کا شکر ادا نہ کیا ـــــ
(۱۰) تم نے مُردوں کو دفن کیا مگر عبرت حاصل نہ کیا۔

آپ تجربہ کیجئے

قبولیتِ دُعا: حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے قرآن کریم کی ایک ایسی آیت معلوم ہے کہ اس کو پڑھ کر آدمی جو دُعا کرتا ہے قبول ہوتی ہے، وہ آیت یہ ہے: اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (زمر ۴۶)

متعلقین کی دینداری: جو کوئی اس آیت کو ایک مرتبہ ہر نماز کے بعد پڑھ لیا کرے اس کی اولاد اور بیوی دیندار ہو جائیں گے: رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان ۷۴)

ادائے قرض: ادائے قرض کیلئے سات بار صبح و شام یہ آیت پڑھ لیا کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ قرض ادا ہو جائے گا: قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۔

وسوسۂ شیطان: احادیث میں آیا ہے کہ وسوسہ کے وقت اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ کہے یا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھ کر بائیں جانب تین مرتبہ تھتکارے اور اس کے بعد یہ پڑھے: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ۔ یا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بکثرت پڑھے۔

خوف و دہشت: جس کسی کو دشمن سے دہشت ہو یا اور کسی طرح کی بلا و مصیبت کا خوف ہو وہ اس کو کثرت سے پڑھا کرے انشاء اللہ دشواری دور ہو جائے گی: فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (یوسف ۶۴)

مشکلات کا حل: کسی مشکل کو حل کرنے کیلئے اس آیت کی تلاوت ایک مجرب نسخہ ہے: تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (الانعام ۱۱۵)

دردِ سر: جس کو دردِ سر ہو اس پر تین دفعہ یہ آیت پڑھ کر دم کر دے انشاء اللہ جاتا رہے گا۔ لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ (الواقعہ ۱۹)

امن وعافیت کا قلعہ

مشہور صحابیہ حضرت خولہ بنت حکیم سُلمیہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی جگہ پر پہنچ جائے تو اسے چاہیئے کہ یہ دُعا پڑھ لے :

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔

اس دعا کے نتیجہ میں وہاں سے کوچ کرنے تک کوئی چیز اُسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہؐ! گذشتہ رات مجھ کو ایک بچھو نے ڈس لیا، آپؐ نے فرمایا، اگر تم یہ دُعا (جو اُوپر مذکور ہوئی) پڑھ لیتے تو وہ بچھو تم کو ضرر نہیں پہنچا سکتا تھا۔ (صحیح مسلم و بخاری)

دعا کی عظمت و اہمیت کو کسی مومن کے سامنے بیان کرنا اور اس سے دعا کی افادیت و ضرورت کے بارے میں گفتگو کرنا تحصیلِ حاصل ہے، بھلا مسلمان دعا کی افادیت و ضرورت سے ناواقف ہو سکتا ہے دُعا تو عبادت و خدا پرستی کی روح ہے اور دعا مؤمن کا ہتھیار ہے، وہ اس ہتھیار کو جہاں چاہے استعمال کر کے حفاظت خود اختیاری کے فطری حق کو حاصل کر سکتا ہے۔ آپ اِدھر اُدھر آتے جاتے ہیں جہاں کہیں بھی آنا جانا ہو یہ دعا پڑھ لیا کریں تو وہاں کے نقصان و ضرر سے محفوظ رہیں گے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آدمی اگر صبح کو بستر سے اُٹھ کر پھر شام کو بستر پر صحیح و سلامت چلا جائے تو گویا نئی زندگی ملتی ہے۔ گلی کوچے اور فٹ پاتھ تک جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دار نہیں ہیں۔ سڑکوں کے حادثات الگ رہے اور اُچکوں، جیب کتروں، گرہ کٹوں اور غنڈوں کی یلغار ایک طرف رہی۔ اس لئے حفاظت کی بڑی ضرورت ہے۔ آپ اپنی حفاظت کیلئے اور عزت و آبرو، مال و دولت کے بچاؤ کے لئے کیا کیا جتن نہیں کرتے۔ آپ کوشش و اہتمام کر کے سچے اور پکے اعتقاد کے ساتھ اس دُعا کے قلعہ میں آجایا کیجئے، اس کے مفید اثرات کو آپ خود انشاءاللہ محسوس کریں گے۔

اس کتاب سے

”ہو سکتا ہے کہ آپ دکاندار ہوں یا کسی کارخانہ کے مالک ہوں، کہیں بڑے فرم کے نگراں ہوں، کسی دفتر یا مدرسے میں کارکن ہوں، کسی عہدہ پر فائز ہوں، غرض یہ کہ اس زندگی میں کوئی بھی ذمہ داری آپ نے سنبھال رکھی ہو، آپ کو ہر وقت افکار گھیرے رہتے ہیں، بہت سے کاموں کا بوجھ آپ کے سر پر ہوتا ہے، ایسے حالات میں اکثر لوگوں کا ذہن الجھا ہوا رہتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی کوئی کام چھوٹ جاتا ہے اور کبھی کسی کام کی طرف پوری طرح توجہ دینے کا موقع نہیں ملتا، اس پریشانی کو کم کرنے کے لئے آپ ایک تجربہ کیجئے۔ ہر روز دس منٹ اس بات پر صرف کیجئے کہ کل کے دن آپ کا تفصیلی پروگرام کیا ہوگا؟ آپ کیا کام کریں گے؟ کہاں جائیں گے؟ کس کس سے ملیں گے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس سلسلہ میں آپ ”ڈائری“ یا کیلنڈر کے یادداشت کے خانے سے کام لے سکتے ہیں۔

اگر آپ نے ایسا کر لیا تو آپ محسوس کریں گے کہ ایک نئی تازگی اور چستی آپ کے اندر پیدا ہو گئی ہے اور آپ اپنے کو ہلکا پھلکا محسوس کریں گے۔ کوشش کیجئے کہ آپ اپنے سوچے ہوئے تفصیلی پروگرام کے مطابق اپنے کام پورے کریں اور پھر دوسرے دن شام کو جب آپ جائزہ لیں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ نے معمول سے زیادہ کام انجام دیئے ہیں، اور آپ کا ذہنی بوجھ بہت کم ہو گیا ہے، وقت کی قدر کرنے والے اور اپنے کاموں میں ترتیب و تنظیم کا لحاظ رکھنے والے بہت سی پریشانیوں سے بچ جاتے ہیں۔“